300

300

نام کتاب	:	خزینہ اردو
مصنف	:	اکمل نعیم صدیقی
اشاعتِ اوّل	:	مئی 2018
اردو کمپوزنگ	:	اکمل نعیم صدیقی
صفحہ اول	:	اکمل نعیم صدیقی
صفحات	:	352
قیمت	:	500
ڈسکاؤنٹ قیمت	:	250 (DISCOUNT 50%)
ناشر	:	اکمل نعیم صدیقی ،فیض عام مسجد، جی سیکٹر، پرتاپ نگر، جودھپور، راجستھان 9413844624

KHAZEENA-E-URDU

AKMAL NAEEM SIDDIQUI

SELF PUBLISHED BY

AKMAL NAEEM SIDDIQUI

LANE NO. 5, FAIZ-E-AAM MASJID

G-SECTOR, PARTAP NAGAR

JODHPUR (RAJ) 342003

MO./Whatsapp 9413844624, Email- vedandquraan@gmail.com

READ OUR BOOKS ONLINE AT **completeurduguide.blogspot.com**

akmal-articles.blogspot.com

فہرست مضامین

KNOWLEDGE OF SECONDARY & SEN. SECONDARY STANDARD

فہرست مضامین

KNOWLEDGE OF GRADUATION STANDARD

اردو زبان

زبان کا تعارف

حروف تہجی

اردو کی بنیادی آوازوں کو ظاہر کرنے والی علامات کو حروف تہجی کہتے ہیں۔ چونکہ اردو زمان عربی، فارسی اور سنسکرت سے ملکر بنی ہے لہذا اس میں ان سبھی زبانوں کے حروف موجود ہیں۔

۱۔ عربی کے حروف کی تعداد 28 ہے جو تمام اردو حروف تہجی میں شامل ہیں۔

۲۔ خالص فارسی حروف 4 ہیں۔ پ، چ، ژ، گ

۳۔ خالص ہندی کے حروف ہیں۔ ٹ، ڈ، ڑ

اس طرح حروف کی تعداد 35 ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر ہائے ہوز (ہ) اور دو چشمی ہے (ھ) کو الگ الگ لکھا جائے، بڑی ''ے'' اور ''ء'' کو بھی الگ حروف مان لیں تو حروف تہجی کی کل تعداد ۳۸ ہو جاتی ہے جو مندرجہ ذیل ہیں۔

ا ب پ ت ٹ ث ج چ ح

خ د ڈ ذ ر ڑ ز ژ س

ش ص ض ط ظ ع غ ف ق

ک گ ل م ن و ہ ھ ء

ی ے

ان حروف کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

1۔ حروف علّت یا مصوتی حروف : یہ حروف انگریزی زبان کے ''واولس'' اور ہندی زبان کے ''سوَر'' کی طرح ہیں۔ یہ تین ہیں۔

ا و ی

2۔ حروف صحیح یا حروف مصمتی : حروف علت کے علاوہ باقی سارے ۳۵ حروف، حروف صحیح کہلاتے ہیں۔

3۔ مرکّب حروف : بعض آوازوں کو پیدا کرنے کے لئے ان حروف میں ''ھ'' جوڑ کر حروف بنائے جاتے ہیں۔ ان حروف کو مرکّب حروف کہتے ہیں۔ یہ کل ۱۴ ہیں جو درجِ ذیل ہیں۔

بھ پھ تھ ٹھ جھ چھ دھ

ڈھ ڑھ کھ گھ لھ مھ نھ

4۔ کل حروف : اس طرح اگر مرکّب اور مفرد حروف کو جمع کیا جائے تو ان کی کل تعداد 52 ہوگی۔

5۔ ہم آواز حروف : بعض حروف یکساں آوازوں کی نمائندگی کرتے ہیں انہیں ہم آواز حروف کہا جاتا ہے۔ جیسے

ث س ص

ت ط

ذ ز ض ظ

حروف علّت (مصوتی حروف) کی مزید تقسیم : حروف علّت کی مزید تقسیم درجِ ذیل ہے۔

۱۔ الف ممدودہ ۲۔ الف مقصورہ

۳۔ واوٴ معروف ۴۔ واوٴ مجہول

۵۔ واوٴ لین ۶۔ واوٴ معدولہ

۷۔ یائے معروف ۸۔ یائے مجہول

۹۔ یائے لین ۱۰۔ یائے مخلوط

(۱) الف ممدودہ : وہ الف جسکی آواز کو کھینچ کر پڑھنے کے لئے اس پر مد (˜) لگایا جائے الف ممدودہ کہلاتا ہے۔ جیسے : آم آج آل وغیرہ

(۲) الف مقصورہ : ایسے الفاظ جن کے آخر میں ''ی'' آتی ہے اور اس ''ی'' کے اوپر الف لگا کر اس ''ی'' کی آواز کو الف کی آواز سے بدل دیا جاتا ہے۔

جیسے (یٰ) : لیلیٰ مولیٰ اعلیٰ وغیرہ

(۳) واوٴ معروف : جب ''وٴ'' کا استعمال ہندی کے ''بڑے اُو کی ماترا'' کے لئے کیا جائے یعنی ''وٴ'' کے اوپر پیش (ُ) مان کر آواز حاصل کی جائے تو اسے واوٴ معروف کہتے ہیں۔ جیسے:

خُوب صُورت جھُولا وغیرہ

(۴) واوٴ مجہول : جب ''وٴ'' کا استعمال ہندی کے ''اَو کی ماترا'' کے لئے کیا جائے تو اسے واوٴ مجہول کہتے ہیں۔ جیسے:

گھَوڑا مَور چَور وغیرہ

(۵) واوٴ لین : جب ''وٴ'' کا استعمال ہندی کے ''بڑے اَو کی ماترا'' کے لئے کیا جائے تو اسے واوٴ لین کہتے ہیں۔ جیسے : قوَل چوَسر غوَر وغیرہ

(٦) واؤ معدولہ : جب واؤ کسی لفظ میں لکھا تو جائے مگر پڑھا نہیں جائے یا خیف سی آواز پیدا کرے تو اسے واؤ معدولہ کہتے ہیں۔ یہ صرف خ کے بعد ہی آتا ہے۔ جیسے:

خواب　　خوشبو　　خوش آمد　　وغیرہ

(٧) یائے معروف : جب ''ی'' کا استعمال ہندی کی ''بڑی ای کی ماترا'' کے لئے کیا جائے یا ''ی'' کے نیچے کھڑا زیر مانکر اس کی آواز نکالی جائے تو اسے یائے معروف کہتے ہیں۔ جیسے : گیت　　جیت　　چیل　　وغیرہ

(٨) یائے مجہول : جب ''ی'' کا استعمال ''ہندی کے اے کی ماترا'' کے لئے کیا جائے تو اسے یائے مجہول کہتے ہیں۔ جیسے : کھیت　کھیل　دیر　وغیرہ

(٩) یائے لین : جب ''ی'' کا استعمال ''ہندی کے بڑے اے کی ماترا'' کے لئے کیا جائے یا ''ی'' کے اوپر زبر (َ) تسلیم کر کے لفظ پڑھا جائے تو اسے یائے مجہول کہتے ہیں۔

جیسے : میلا　　تھیلا　　غیَر　　وغیرہ

(١٠) یائے مخلوط : جب ''ی'' کسی لفظ میں اپنے سے پہلے حرف میں مل کر آدھے ''ی'' کی آواز دے تو اسے یائے مخلوط کہتے ہیں۔ جیسے :

پیار　　کیا　　میان　　وغیرہ

حروف صحیح (مصمتی حروف) کی مزید تقسیم : حروف صحیح کی مزید تقسیم درج ذیل ہے۔

١۔ نون ظاہر　　٢۔ نون غنّہ

٣۔ ہائے ملفوظ　　٤۔ ہائے مخلوط　　٥۔ ہائے مختفی

(۱) نون ظاہر : نون ظاہر کو نون الاعلان بھی کہا جاتا ہے۔ جب کسی لفظ میں نون کی مکمل آواز ظاہر ہو تو اسے نون ظاہر کہتے ہیں۔ مثلاً

پان نمک جان وغیرہ

(۲) نون غنّہ : وہ نون جس کی آواز مکمل نہ نکل کر صرف ناک سے ظاہر ہو یعنی ''ہندی زبان میں بندی'' لگانے سے جو آواز نکلتی ہے وہی آواز نون کی نکلے تو اسے نون غنہ کہتے ہیں۔ لفظ کے آخر میں آنے پر نون غنّہ میں نون کا نقطہ نہیں لگایا جاتا ہے۔ یہ ''ں'' صرف حروف علّت کے بعد ہی استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً

جاں کہاں جھونپڑی حالانکہ وغیرہ

(۳) ہائے ملفوظ : وہ ''ہ'' ہے جس کی آواز پوری ظاہر ہوتی ہے۔ مثلاً

گواہ ہم واہ وغیرہ

(۴) ہائے مخلوط : وہ ''ہ'' ہے جسے ہم ''ھ'' بھی کہتے ہیں۔ اس کی اپنی الگ آواز نہیں ہوتی مگر یہ اپنے سے پہلے والے حرف میں ملکر اس کی آواز کے ساتھ پڑھی جاتی ہے۔ مثلاً

بھاگا دھرتی تبھی وغیرہ

(۵) ہائے مختفی : جب ''ہ'' کی آواز پوری ظاہر نہ ہو بلکہ ''الف'' یا ''زبر'' کی آواز پیدا کرے تو اسے ہائے مختفی کہتے ہیں۔ مثلاً

افسانہ خواجہ بستہ وغیرہ

حروف شمسی اور حروف قمری

حروف شمسی : حروف شمسی وہ حروف ہیں جن سے پہلے اگر ''ال'' لگایا جائے تو ''ل'' خاموش رہتا ہے یعنی اسے تلفظ میں شامل نہیں کیا جاتا ہے۔ انہیں شمسی حروف اس لئے کہتے ہیں کیونکہ ''الشّمس'' میں ''ل'' کو نہیں بولا جاتا۔ انکی تعداد ۱۳ ہے۔

ت	ث	د	ذ	ر	ز	س
التوبہ	الثواب	الدین	الذکر	الرشید	الزماں	السلام
ش	ص	ض	ط	ظ	ن	
الشّمس	الصبر	الضحیٰ	الطلاق	الظلم	النار	

حروف قمری : حروف قمری وہ حروف ہیں جن کے پہلے ''ال'' لگائے جانے پر ''ال'' کی پوری آواز تلفظ میں شامل کی جاتی ہے۔ کیونکہ لفظ ''القمر'' میں ''ل'' پورا ادا کیا جاتا ہے اس لئے ان حروف کو، حروف قمری کہتے ہیں۔ انکی تعداد ۱۴ ہے۔

ا	ب	ج	ح	خ	ع	غ
الامان	البیان	الجمال	الحیٔ	الخیال	العلماء	الغالب
ف	ق	ک	م	و	ہ	ی
الفہم	القول	الکلام	المال	الوعظ	الہند	الیاقوت

واؤ مرکب عطفی : ایسا حرف جو دو لفظوں کو جوڑنے کا کام کرے حرفِ عطف کہلاتا ہے۔ جب واؤ عطف کا کام کرے تو اسے واؤ عطفی یا مرکب عطفی کہتے ہیں مثلاً۔ آقا و غلام، نیک و بد، خورد و کلاں، زمین و آسماں

رموزِ اوقاف

رموزِ اوقاف وہ علامات ہیں جن کے لگانے سے جملہ کے مختلف اجزاء کو صحیح طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔ صحیح نثر لکھنے کے لئے ان علامات کا استعمال بہت ضروری ہے۔ ان علامات کو لگانے سے عبارت کو سمجھنے اور اس کے معنیٰ سمجھنے میں کوئی دِقت نہیں ہوتی ہے۔ یہ علامات درجِ ذیل ہیں۔

علامت	انگریزی نام	علامت کا نشان
سکتہ	Comma	،
وقفہ	Semicolon	؛
رابط	Colon	:
تفصیلہ	Colon & Dash	:-
ختمہ	Full stop	۔
ندائیہ، فجائیہ	Exclamation sign	!
سوالیہ	Interrogation sign	؟
خط	Dash	-
قوسین	Brackets	()
مجہولہ بریکٹ	Middle Bracket	{}
بڑا بریکٹ	Square Bracket	[]
واوین	Inverted Comma	’’ ‘‘
خطِ زیریں	Underlining Dash	---

معنی الفاظ

لفظ	معنی
غرور	گھمنڈ
پیچیدہ	الجھا ہوا
خواہش	چاہت
تحقیقات	چھان بین
قیاس	اندازہ
بے تاب	بے چین
تجویز	مشورہ
ادھیڑ بن	سوچ، بچار
نمودار ہونا	ظاہر ہونا
شجر	درخت
حق بجانب	حق کی طرف
حجر	پتھر

لفظ	معنی
اعتبار	بھروسا
اتفاقاً	اچانک
افسوس ناک	دکھ بھرا
زعم	غرور
خواست گار	طلب گار
میہنہ	بارش
گل افشائیاں	پھول بکھیرنا
مضر	نقصان دہ
یکساں	ایک سا
عنایت	مہربانی
دوست دار	دوست رکھنے والا
بے جا	غلط

لفظ	معنی
بیدار ہونا	جاگنا
مستغرق	ڈوبا ہوا
دنیا و مافیہا	دنیا اور اس میں جو کچھ ہے
محشر	قیامت
سیرابی	شادابی
باران	بارش
یکساں	ایک جیسا
پوشیدہ	چھپا ہوا
فکرِ معاش	روزی کی فکر
صد آفریں	شاباشی
اعتدال	بیچ کا راستہ
ملول ہونا	اُکتا جانا

تشنگی	پیاس
عرفان	پہچان
فضا	ماحول
غمگین	اداس
رنجیدہ	اداس
مصروف	مشغول
گجر	گھنٹہ
شِوالہ	شِومندر
فریب	دھوکہ
تجارت	کاروبار
غرض	مقصد
تاجر	کاروباری
رفیق	ساتھی
طریق	طریقہ
حیات	زندگی
لازم	ضروری
اسباق	سبق کی جمع

گِلہ	شکایت
تمیز	فرق
عزیز	پیارا
نفع	فائدہ
بیشتر	زیادہ تر
روش	کیاریوں کے بیچ کا راستہ
ہرسُو	ہرطرف
گویا	جیسے
بلا کی	غضب کی
دل فریب	دل لبھانے والی
روح پرور	روح خوش کرنے والی
عالَم	کیفیت
بے خودی	مستی
تلافی	بھرپائی
سراغ	نشان
تمام	پوری
اُنس	لگاؤ

طبع آزمائی	کوشش
دیروزہ	گزشتہ کل
صدہا	سیکڑوں
بے ثباتی	ٹھہراؤ نہ ہونا
خوار	ذلیل
مبتلا	پھنسا ہوا
شغل	مشغلہ
سودمند	فائدہ مند
فراغت	فرست
صرف کرنا	خرچ کرنا
بار	بوجھ
کسب	حاصل کرنا
مذکور	ذکر کیا گیا
حواس	ہوش
رائگاں	بیکار
زیست	زندگی
اغیار	غیر کی جمع

اسباق پر مبنی سوالات

نادان دوست پریم چند (1880 تا 1936ء)

تعارف : پریم چند کا اصلی نام دھنپت رائے تھا۔ وہ بنارس کے قریب ایک گاؤں لمہی میں پیدا ہوئے تھے۔ وہ اردو کے ابتدائی اور اہم افسانہ نگار ہیں۔ ان کے افسانوں میں دیہاتی زندگی کے تمام رنگ پوری آب وتاب اور سچائی کے ساتھ نظر آتے ہیں۔ پریم پچیسی، پریم چالیسی، دودھ کی قیمت، واردات وغیرہ ان کے اہم افسانوی مجموعے ہیں۔ گودان، غبن، میدان عمل، بیوہ اور بازارِ حسن ان کے مشہور ناول ہیں۔

کہانی کا خلاصہ : کیشَو، شیامہ کا بھائی ہے۔ ان کے گھر کی ایک کارنس پر چڑیا نے انڈے دئے تھے جن کی وجہ سے دونوں بچوں میں بہت تجسس تھا۔ وہ جاننا چاہتے تھے کہ انڈے کیسے ہونگے، اس میں سے بچے کیسے نکلیں گے، ان کے لئے دانہ پانی کون لائے گا وغیرہ۔

ایک دوپہر ماں کے سو جانے کے بعد کیشَو اور شیامہ کمرے سے باہر آتے ہیں۔ کیشو اسٹول پر چڑھتا ہے اور شیامہ اسٹول پکڑتی ہے۔ وہ گھونسلے میں رکھے تینوں انڈوں کو اٹھاتا ہے اور ان کے نیچے پرانی دھوتی کے پھٹے کپڑے سے گدّی بناتا ہے اور ان پر انڈے رکھتا ہے۔ انڈوں کو دھوپ سے بچانے کے لئے ان پر ٹوکری کا سایا کرتا ہے۔ ایک کٹوری میں کچھ پانی اور دانہ رکھتا ہے۔ اتنے میں ماں کی آواز سن کر دونوں بھاگ کر کمرے میں چلے جاتے ہیں اور سو جاتے ہیں۔

شام کو جب دونوں سو کر اٹھتے ہیں تو انھیں پتہ چلتا ہے کہ تینوں انڈے صحن میں پڑے ہیں۔ دونوں کو بہت افسوس اور تعجب ہوتا ہے۔ ان کی ماں انہیں بتاتی ہے کہ، کیونکہ تم نے ان انڈوں کو ہاتھ لگا دیا تھا اس لئے چڑیا نے خود ہی انڈے پھینک دئے۔ دونوں بچے غم زدہ تھے کہ ان کی بھلائی نے تین جانیں لے لیں۔

اوس

خواجہ حسن نظامی (1878 تا 1955)

تعارف : خواجہ حسن نظامی دہلی کے ایک معزز خاندان کے فرد تھے۔ انہیں حضرت نظام الدین اولیا سے بہت انس تھا۔ اردو ادب میں ان کا اعلیٰ مقام ہے۔ انہیں مصوّرِ فطرت کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ان کی کتابوں میں ”غدرِ دہلی کے افسانے“ اور ”سی پارۂ دل“ بہت مقبول ہیں۔ان کے مضامین کے موضوعات نہایت معمولی ہوتے ہیں لیکن خواجہ صاحب کا اندازِ بیان انہیں توقیر بخش دیتا ہے۔ وہ بات سے بات پیدا کرنے کے فن میں ماہر تھے۔ان کے مضامین سبق آموز بھی ہوتے ہیں۔

مضمون کا خلاصہ : برسات کی رات کے بعد کی خوش نما صبح مجھے بے حد پسند ہے کیونکہ اس وقت درختوں، پھولوں اور جنگل کی گھاس کی عجب رونق ہوتی ہے۔اوس کے قطرے پھولوں کی پتیوں پر ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے رات کو آسمان کے تارے تھے۔ کہتے ہیں کہ اوس میں پھرنا اور سونا انسان کے لئے مضر ہے مگر جب ساری خلقت اس سے تازگی اور توانائی حاصل کرتی ہے تو انسان بھی تو ایک مخلوق ہی ہے ؟

جوہی کے پھولوں پر صبح کے وقت اوس کا نظارہ بہت خوب صورت ہوتا ہے۔اوس کی عمر بہت مختصر ہوتی ہے۔ یہ بڑی ڈر پوک اور صلح کل ہے کہ آسمان پر سورج کے نمودار ہوتے ہی غائب ہو جاتی ہے۔ یہ شکایت بجا ہوگی کہ اوس تمام در و دیوار، شجر و حجر کو تر کر دیتی ہے مگر کسی کی پیاس نہیں بجھا سکتی۔ کہاوت مشہور ہے کہ یہ ہاتھی کو بھگو سکتی ہے مگر چڑیا کی پیاس بجھانے سے قاصر ہے۔ یہ قدرت کا ایک گہرا راز ہے۔ بہ ہر حال خدا کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، جسے دیکھ کر دلِ حق پرست میں عرفانِ یزداں کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔

احسان کا بدلہ

ڈاکٹر ذاکر حسین

(1897 تا 1969)

تعارف : ڈاکٹر ذاکر حسین کا تعلق ایک معزز پٹھان خاندان، قائم مقام، قائم گنج ،ضلع فرخ آباد سے تھا۔آپ کی ولادت حیدرآباد میں ہوئی اورابتدائی تعلیم اسلامیہ اسکول، اٹاوہ، یوپی میں حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے علی گڑھ، الہٰ آباد اور جرمنی تک گئے۔ جرمنی سے انہوں نے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

ڈاکٹر ذاکر حسین ایک صاحب طرز ادیب، ماہرِ تعلیم، قومی رہنما اور ایماندار سیاست داں تھے۔ وہ جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی اور علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ کے وائس چانسلر بھی رہے۔ انہوں نے صوبہ بہار کے گورنر، نائب صدر اور صدر جمہوریہ کی حیثیت سے ملک کی غیر معمولی خدمات انجام دیں۔

ڈاکٹر صاحب کا ادبی سفر چند کتابوں کے ترجمے سے شروع ہوا جن میں افلاطون کی کتاب ”ریاست“ اور ”ایڈوِن کینَن کی“ سیاسی اقتصادیات“ وغیرہ شامل ہیں۔ انہوں نے جرمنی زبان میں گاندھی جی پر ایک کتاب لکھی۔ انہوں نے بچوں کے لئے متعدد مضامین اور کہانیاں لکھیں۔”ابو خاں کی بکری“، لومڑی کی چالاکی“، مور کا حسن“”اونٹ کا ضبط“ اور ”گھوڑے کی نرمی“ ان میں قابل ذکر ہیں۔

خلاصہ کہانی : عادل آباد شہر میں ایک دولت مند شخص تھا۔ اس کے پاس ایک مہنگا عربی گھوڑا تھا۔ ایک دن وہ اس گھوڑے پر سوار ہو کر شہر سے باہر جا نکلا۔ تبھی اس پر اچانک

چھ بدمعاشوں نے حملہ کر دیا۔ اس نے اپنی جان بچانے کے لئے گھوڑے کو ایڑ لگائی گھوڑے نے اپنی جان پر کھیل کر اتنی تیز دوڑ لگائی کہ بدمعاش پیچھے چھوٹ گئے اور سوداگر کی جان بچ گئی۔ مگر اس تیز رفتاری کی وجہ سے گھوڑے کے پاؤں بےکار ہو گئے اور کچھ دنوں بعد اس کی آنکھیں بھی جاتی رہیں لہٰذا سوداگر نے سائیس کو حکم دیا کہ اسے اصتبل میں ہی رکھا جائے اور اس کے کھانے پینے کا پورا دھیان رکھا جائے۔ اسے روز چھ سیر دانہ کھلایا جائے۔ سائیس نے کچھ دنوں بعد ہی گھوڑے کا کھانا کم کرنا شروع کر دیا اور پھر نوبت یہ آ گئی کہ اسے اندھا اور بےکار جان کر اس کو بالکل نظرانداز کرنے لگا۔ پھر ایک دن بھوکا پیاسا اسے اصتبل سے باہر کر دیا۔

شہر میں ایک مندر اور مسجد ہیں جن کے بیچ میں ایک کمرہ بنا ہوا ہے جس میں ایک بہت بڑا گھنٹہ لگایا گیا ہے کہ جس کسی شہری کو کوئی تکلیف درپیش ہو تو وہ اس کی رسی کھینچ دے اور پل بھر میں تمام اہل شہر اکٹھا ہو جائیں۔ بھوکا پیاسا گھوڑا اتفاق سے اس کمرے میں داخل ہوتا ہے اور بھوک کی شدت سے گھنٹے کی رسی کو چبانے لگتا ہے۔ اس کی اس حرکت سے گھنٹہ بجنے لگتا ہے اور پل بھر میں بہت سے ہندو اور مسلمان وہاں جمع ہو جاتے ہیں۔ گھوڑے کو پہچان کر سوداگر کو وہاں بلایا جاتا ہے اور اس کی حالت پر اسے لعنت ملامت کی جاتی ہے۔ گھوڑے کی حالت دیکھ کر تاجر کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں۔ وہ اسے اپنے ساتھ لے جاتا ہے اور پھر اس کا اچھا انتظام کرتا ہے۔

وقت

ڈپٹی نذیر احمد

(1831 تا 1912)

تعارف : ڈپٹی نذیر احمد اتر پردیش کے ضلع بجنور، تحصیل نگینہ کے ایک گاؤں ریہڑ میں پیدا ہوئے تھے۔ والد کا نام مولوی سعادت علی تھا۔ ان کی ابتدائی تعلیم بجنور، مظفر نگر اور دہلی میں ہوئی۔ اعلیٰ تعلیم دلّی کالج سے حاصل کی۔ 1854 میں وہ پنجاب کے ایک مدرسے میں مدرّس ہو گئے۔ انگریز حکومت سے انہیں شمس العلما کا خطاب ملا۔ 1902 میں ایڈنبرا یونی ورسٹی سے ایل ایل ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

نذیر احمد ترجمہ نگار، ادیب، ناول نگار اور بہترین مقرر تھے۔ وہ اردو کے پہلے ناول نگار تسلیم کئے جاتے ہیں۔ "مراۃ العروس"، "بنات النعش"، "توبتہ النصوح" اور "ابن الوقت" ان کے اہم ناول ہیں۔ ان کے ناول حقیقت پسندی، اخلاقی تربیت اور دلچسپ کرداروں سے بھرپور ہیں۔ لہجہ پُرجوش اور اثر انگیز ہے۔

مضمون کا خلاصہ : مضمون میں وقت کی بے ثباتی کا ذکر کرتے ہوئے نذیر احمد کہتے ہیں کہ یہی بچپن اگر ہمارا سونے اور کھیلنے میں گزر جائے گا تو آدمی سست اور غبی، رسوا اور خوار اور محتاج اور طرح طرح کے امراض میں مبتلا اور بد اخلاقیوں میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ اور اگر یہی وقت کسی اچھے مشغلہ، اچھے کام میں لگایا جائے تو انسان کو عالم، فاضل، لائق، ہنرمند، نام ور محترم، نیک دل، ہر دل عزیز بنا کر طرح طرح کی خوبیوں اور بھلائیوں سے آراستہ کرسکتا ہے۔

ابھی تمہارے اوپر کسی طرح کی ذمہ داری نہیں ہے بلکہ تمہیں فراغت میسر ہے اس کا فائدہ اٹھاؤ کیونکہ لڑکپن کا یہی وقت جوتنے اور بونے کا وقت ہے اور جوانی اور پیری کا وقت کاٹنے اور گاہنے کا وقت ہے۔ یہ فراغت اور وسائل جو تمہیں اب میسر ہیں مستقبل میں نہیں ہونگے۔

ایک ہی طرح کا مشغلہ بھی آدمی کی طبیعت میں اکتاہٹ پیدا کرتا ہے لہٰذا ہمیشہ چند قسم کا مشغل رکھو۔ مثلاً مطالعہ کرو تو تمام مضامین کا باری باری سے کرو۔ جب نثر سے طبیعت ملول ہوئی نظم دیکھ لو۔ تھوڑی دیر تاریخ پڑھی، کچھ دیر جغرافیہ کی سیر کی، پھر حساب میں طبع آزمائی کر لی۔ اس کے ساتھ ہی رات کو سونے سے پہلے یہ ضرور سوچو کہ آج کیا نیا سیکھا۔ کیونکہ کسی نے کیا خوب فرمایا ہے کہ جس کے دو دن برابر ہوں یعنی ایک شخص جیسا کل تھا آج بھی ویسا ہی رہا اور اپنی حالتِ دیروزہ میں ترقی نہ کرے تو وہ خسارے میں ہے۔

زبانوں کا گھر، ہندوستان (مضمون)

سیّد احتشام حسین

تعارف : سیّد احتشام حسین کی ولادت ماہل ضلع اعظم گڑھ (یوپی) میں ۱۹۱۲ء اور وفات ۱۹۷۲ء میں الہ آباد میں ہوئی۔ سیّد احتشام حسین مشہور نقّاد ہیں۔ ان کی تنقیدی کتب میں ''تنقیدی جائزے''، ''روایت اور بغاوت''، ''ادب اور سماج''، ''ذوق ادب اور شعور''، ''افکار و مسائل''، ''اعتبار نظر''، ''اردو کی کہانی'' (بچوں کے لئے) اہم ہیں۔

مضمون کا خلاصہ : زبانوں کا گھر ہندوستان، سبق سیّد احتشام حسین کی کتاب ''اردو کی کہانی'' سے لیا گیا ہے۔ کول اور منڈا قبیلے بنگال، بہار، چھوٹا ناگپور اور وندھیاچل کے پہاڑوں کے قریب پائے جاتے ہیں۔ یہ اپنی الگ بولی بولتے ہیں۔ کول، منڈا کے ہزار ڈیڑھ ہزار برس بعد پچھّم کی طرف سے دراوڑ بھارت میں آئے اور انہوں نے خوب ترقّی کی۔ یہ آج بھی مدراس، میسور، آندھرا پردیش، اور کیرل میں آباد ہیں۔ تامل اور تیلگو ان کی زبانیں ہیں۔ ایران، چین اور ترکستان میں قدیم زمانے میں آریا قوم ترقّی کر رہی تھی۔ ساڑھے تین برس پہلے یہ ہندوستان آئے اور یہاں اپنا راج قائم کر لیا۔ آریا جو زبان بولتے تھے اسے آریائی زبان کہتے ہیں۔ سنسکرت، فارسی، یونانی اور جرمنی اسی زبان کے خاندان سے تعلّق رکھتی ہیں۔ بھارت میں اس زمانے میں اونچے طبقے کے لوگ سنسکرت اور دراوڑ لوگ پراکرت زبان بولتے تھے۔ اتّری بھارت میں ''شورسینی پراکرت'' بولی جاتی تھی جس کے شکم سے ہندی اور اردو پیدا ہوئیں۔ بنگالی، مراٹھی، گجراتی، پنجابی، سندھی، آسامی، اور اُڑیا بھی ہند آریائی زبانیں ہیں۔

آدمی کی کہانی (مضمون)

تعارّف : پروفیسر محمد مجیب ۱۹۰۲ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور ۱۹۸۵ء میں انکا انتقال ہوا۔انہیں فرانسیسی، جرمنی اور لاطینی زبان پر دسترس تھی۔ ۱۹۴۸ء میں شیخ الجامعہ کی ذمّہ داری سنبھالی اور اسی عہدے سے سبکدوش ہوئے۔انہیں کتب بینی، فنِ تعمیر، سنگ تراشی، مجسّمہ سازی، مصوّری، موسیقی اور باغ بانی سے دلچسپی تھی۔علمی میدان میں تاریخ نگاری ان کا پسندیدہ موضوع تھا۔

انہوں نے آٹھ ڈرامے بھی لکھے جن میں سے ''کھیتی''، ''انجام''، خانہ جنگی''، اور ''آزمائش'' جامعہ کے نصاب میں شامل رہے۔بچوں کے لئے ایک ڈرامہ '' آؤ ڈرامہ کریں'' بھی لکھا۔

دنیا کی کہانی (۱۹۳۱ء)، تاریخ فلسفہ سیاست (۱۹۳۶ء)، تاریخ تمدّنِ ہند (۱۹۵۷ء) اور روسی ادب کی تاریخ (۱۹۶۰ء) ین کی مشہور کتب ہیں۔ان کے مشہور افسانے کیمیا گر، باغی، چرغِ راہ، اندھیرا، اور پتّھر مقبول ہیں۔انہیں ''پدم بھوشن'' کا خطاب دیا گیا۔

سبق کا خلاصہ : ہماری دنیا پہلے آگ کا گولہ تھی جب یہ سرد ہوئی تو اس میں سمندر، پہاڑ اور میدان بنے۔ پانی میں زندگی کی شروعات ہوئی جو بعد میں خشکی پر بھی پہنچی اور لاکھوں سالوں کی تبدیلیوں کے بعد پیڑ پودھوں اور مختلف جانوروں کی نشونما ہوئی۔ بندر اور بن مانس ترقّی کر کے انسان بنے اور انسانوں نے آگ جلانا، کھانا پکانا سیکھا۔

کارتوس (ڈرامہ)

مصنف کا تعارف : حبیب احمد خاں تنویرؔ ۱۹۲۳ء میں پیدا ہوئے اور ۲۰۰۹ء میں انتقال ہوا۔آل انڈیا ریڈیو میں ملازم رہے پھر قدسیہ زیدی کے تھیٹر میں شامل ہو گئے ۔ان کے مشہور ڈرامے ہیں ،سات پیسے، چرن داس چور، ہرما کی کہانی، آگرہ بازار، شاجاپور کی شانتی بائی، مٹی کی گاڑی اور میرے بعد۔انھوں نے اپنے ڈراموں کے ذریعہ چھتّیس گڑھ کے لوک کلا کاروں کو قومی سطح پر روشناس کرایا۔ ہندی، بنگالی، مراٹھی اور یورپ کی کئی زبانوں میں ان کے ڈراموں کے ترجمے کئے گئے۔

سبق کا خلاصہ : کارتوس کے اہم کردار کرنل کالنز اور وزیر علی ہیں۔اس ڈرامہ کی جگہ گورکھ پور کے جنگل ہیں۔

سعادت علی، آصف الدولہ کا بھائی ہے اور وزیر علی کا چچا اور اس کا دشمن۔ وزیر علی کی بجائے سعادت علی کو انگریزوں نے اودھ کے تخت پر بٹھا دیا کیوں کہ اس نے اودھ کی آدھی حکومت اور دس لاکھ روپے نقد انگریزوں کو دئے۔ وزیر علی نے افغانستان کے بادشاہ، شاہ زماں کو انگریزوں کے خلاف لڑنے کے لئے مدعو کیا تھا اس لئے انگریز اسے پکڑنا چاہتے تھے۔ وزیر علی کو انگریزوں نے گرفتار کر کے بنارس پہنچایا اور اس کی سالانہ پنشن تین لاکھ روپے مقرّر کی مگر وہ انگریزی وکیل کو قتل کر کے بھاگ جاتا ہے۔

سرگزشت، آزاد بخت بادشاہ کی

مصنّف کا تعارف : میر امّن ۱۷۵۰ء میں دہلی میں پیدا ہوئے اور ۱۸۳۷ء میں کلکتہ میں انتقال ہوا۔ ''قصّہ چہار درویش'' کا اردو میں ترجمہ ''باغ و بہار'' کے نام سے ۱۸۰۲ء میں مکمل کیا اور ۱۸۰۴ء میں شایع ہوا۔ سرگزشت، آزاد بخت بادشاہ کی، باغ و بہار سے ماخوذ ہے۔ باغ و بہار میں پانچ قصّے ہیں، چار درویشوں کے قصّے اور ایک سگ پرست کا قصّہ جو بادشاہ آزاد بخت کا قصّہ ہے۔ میر امّن نے ''اخلاق محسنی'' کا ترجمہ ''گنج خوبی'' کے نام سے کیا۔

سبق کا خلاصہ : آزاد بخت بادشاہ کے دربار میں بدخشاں کے ملک سے ایک سوداگر آتا ہے۔ سوداگر بادشاہ کو پانچ مثقال وزن کا ایک لعل تحفہ میں دیتا ہے جو بادشاہ کو اتنا پسند آتا ہے کہ وہ روزانہ اس لعل کو دربار میں منگوا کر اسے دیکھتا ہے اور درباریوں سے اس کی تعریف سنتا ہے۔ ایک دن جب حسبِ معمول بادشاہ درباریوں سے لعل کی تعریف سن رہا تھا اس کے دانا وزیر نے کہا کہ حضور آپ کو دربار میں اس طرح روزانہ اس لعل کو منگا کر دیکھنا ٹھیک نہیں ہے کیونکہ دربار میں موجود دوسرے ملکوں کے ایلچی آپکی اس عادت کا اپنے ملکوں میں جا کر مذاق اڑائیں گے۔ اس نے مزید کہا کہ نیشاپور میں ایک ادنیٰ سوداگر نے سات مثقال وزن کے بارہ لعل اپنے کتّے کے گلے میں پٹّے میں ڈال رکھے ہیں۔

یہ سن کر بادشاہ برہم ہو جاتا ہے اور وزیر کے قتل کا حکم جاری کرتا ہے مگر فرنگی ایلچی بادشاہ کو سمجھاتا ہے کہ وزیر کو قتل نہ کرو بلکہ پہلے اسکی کہی بات کی سچّائی معلوم کرواؤ اور تب تک اسے قید کر لو۔ بادشاہ فرنگی ایلچی کی بات مان لیتا ہے۔

سویرے جو کل میری آنکھ کھلی

مصنّف کا تعارف : سیّد احمد شاہ پطرس بخاری کی ولادت ۱۸۹۸ء میں پشاور میں ہوئی اور وفات ۱۹۵۸ء میں نیویارک میں ہوئی۔ گورمنٹ کالج لاہور میں انگریزی استاد سے ملازمت کا آغاز کیا بعد کو آل انڈیا ریڈیو کے ڈائریکٹر جنرل بنے اور تقسیم ہند کے بعد اقوامِ متحدہ سے وابستہ ہوئے۔

سبق کا خلاصہ : مصنّف، لالہ کرپاشنکر برہم چاری کو ذمّہ داری دیتا ہے کہ وہ اسے صبح جلدی اٹھا دیا کرے تا کہ وہ پڑھائی کر سکے۔ پہلے دن وہ مصنّف کو تین بجے ہی جگا دیتا ہے۔ مصنّف لالہ کو بتاتا ہے کہ اسے چھے بجے جگایا کرو۔ لالہ اگلے دن سے مصنّف کو چھے بجے سے جگانے لگتا ہے مگر مصنّف لالہ کے جگانے پر جاگنے کا صرف ناٹک کرتا ہے اور لالہ کو یہ کہہ کر کہ وہ اٹھ گیا ہے پھر سو جاتا ہے اور واپس اپنے معمول کے مطابق دس بجے اٹھتا ہے۔ اس مضمون میں کاہلوں اور دل لگا کر نہ پڑھنے والوں پر طنز کیا گیا ہے۔

خدا کے نام خط (ترجمہ)

سبق کا خلاصہ : خدا کے نام خط کے مصنّف گریگیر یولوپیز فوآنتے ہیں۔ یہ سبق اسپینی لوک کتھا پر مشتمل ہے۔ اس کہانی کے کردار کا نام لین شو ہے جو ایک کسان ہے اور اسے خدا پر بہت بھروسہ ہے۔ اولہ باری میں کسان کی فصل برباد ہو جاتی ہے تو وہ مدد کے لئے خدا کو خط لکھتا ہے۔ خط پوسٹ ماسٹر پڑھتا ہے اور ماتحتوں کو ساری بات بتا کر چندا اکٹّھا کر کے، کچھ رقم لین شو کے گھر ڈاک سے روانہ کر دیتا ہے۔ ڈاک سے رقم کم پا کر لین شو خدا کے نام دوسرا خط میں لکھتا ہے کہ اے خدا مجھے صرف ستّر روپے ہی ملے ہیں جو کہ میری مانگی ہوئی رقم سے کم ہیں مجھے باقی کے روپے بھی ارسال کریں مگر ڈاک سے نہیں کیوں کہ ڈاک خانے کے ملازمین بددیانت ہیں۔

چوتھی کا جوڑا (افسانہ)

مصنّف کا تعارف : عصمت چغتائی ۱۹۱۵ء میں جودھپور میں پیدا ہوئیں اور ۱۹۹۱ء میں بمبئی میں انتقال ہوا۔عظیم بیگ چغتائی انکے بڑے بھائی تھے۔انہوں نے متوسط گھرانوں کی مسلم لڑکیوں اور عورتوں کی نفسیات اور مشاغل پر افسانے لکھے۔

کلیاں، چوٹیں، چھوئی موئی، دو ہاتھ، دھانی بانکیں، ضدّی، ٹیڑھی لکیر، سودائی، دل کی دنیا، جنگلی کبوتر، عجیب آدمی، ایک قطرہ خوں، اور معصومہ ان کی قابل ذکر کتابیں ہیں۔

''کاغذی ہے پیرہن'' ان کی خود نوشت سوانح ہے۔

افسانے کے کردار: حمیدہ، کبرا کی ماں، کبرا اور راحت (حمیدہ کے ماموں کا بیٹا)

افسانہ کا خلاصہ : کبرا کی ماں کپڑے کاٹنے اور اس کی کان نکالنے میں ماہر ہے۔کبرا اور حمیدہ بہنیں ہیں۔انکے والد کا انتقال ہو چکا ہے۔کبرا کی ماں، کبرا کے رشتہ کے لئے پریشان رہتی ہے۔کبرا کے منجھلے ماموں کا لڑکا، راحت، پولیس کی ٹریننگ کرنے انکے شہر آتا ہے تو کبرا کے گھر ہی قیام کرتا ہے۔کبرا کی ماں اس امیّد کے ساتھ اسکی خوب خاطر مدارات کرتی ہے کہ وہ اس کی کبرا کو پسند کریگا اور اس سے شادی کرلیگا۔

کبرا، راحت کی خاطر کرنے کے لئے اپنے زیور بھی بیچ دیتی ہے مگر ٹریننگ مکمل ہونے کے بعد راحت اپنے شہر لوٹ جاتا ہے اور دوسری لڑکی سے شادی کر لیتا ہے۔اس صدمہ سے کبرا کو دق کی بیماری ہو جاتی ہے اور اس کی موت ہو جاتی ہے۔اس کا شادی کا جوڑا سینے والی ماں اس کا کفن تیّار کرتی ہے۔

منشی ہرگوپال تفتہ کے نام خط

غالب

خلاصہ خط : غالب نے یہ خط اپنے عزیز دوست منشی ہرگوپال تفتہؔ کے نام لکھا ہے۔خط کی ابتدا میں وہ ان سے اپنے گہرے تعلقات کا ذکر کرتے ہیں۔اس خط میں وہ تفتہؔ کو 1857ء کے غدر میں دہلی پر جو کچھ حالات گزرے ہیں اس کے بارے میں بتاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ غدر کے بعد دہلی میں ڈھونڈ ھنے سے بھی مسلمان نہیں ملتے ہیں۔کیا امیر اور کیا غریب۔ہاں کچھ ہندو اور کچھ باہر کے لوگ البتہ یہاں قیام پذیر ہیں۔غالب لکھتے ہیں کہ راجہ نرندر سنگھ بہادر والی پٹیالہ کے حکیم نوکروں کے گھر یہاں اس کوچہ میں ہیں جہاں میں رہتا ہوں،اورانہوں نے صاحبانِ عالیشان (انگریز) سے یہ عہد لے لیا تھا کہ دہلی کو فتح کرنے کے بعد ان لوگوں کو پریشان نہ کیا جائے ، چنانچہ فتح کے بعد راجہ کے سپاہی یہاں بیٹھتے ہیں اور یہ کوچہ محفوظ رہ پایا ورنہ کہاں دہلی اور کہاں میں۔

مبالغہ نہ جاننا مگر امیر غریب سب نکل گئے جو نہ نکلے نکالے گئے ،غرض کوئی باقی نہ رہا۔مفصل حال نہیں لکھ سکتا کیونکہ انگریزوں کے مخبروں سے خطرہ ہے۔بڑے بڑے جاگیردار پکڑے گئے اور انگریزی دربار میں بلائے گئے مگر میں محفوظ رہا کیونکہ میرا کام تو صرف شاعری پر اصلاح دینا رہا ہے۔ جو لوگ دہلی سے چلے گئے تھے انہیں ابھی تک یہاں واپس آنے کا حکم نہیں ہے۔ بلکہ جو مجرم قرار پائے انہیں سزا دی جارہی ہے۔

فوٹوگرافر

قرۃ العین حیدر

(1927ء تا 2008ء)

فوٹوگرافر، قرۃ العین حیدر کا ایک مختصر افسانہ ہے۔ اس افسانہ میں ان کا ”تصور وقت“ صاف طور پر نمایاں نظر آتا ہے۔

اس افسانے کے دو مرکزی کردار، ایک رقاصہ اور دوسرا نوجوان موسیقار، سکون کی تلاش میں ایک گمنام پہاڑی قصبے کے ایک گیسٹ ہاؤس میں پہنچتے ہیں۔ اس گیسٹ ہاؤس میں لوگ سیر و تفریح کے لئے، ہنی مون کے لئے یا پھر سکون کے کچھ پل گزارنے کے لئے آتے ہیں۔

یہاں ان کی ملاقات ایک فوٹوگرافر سے ہوتی ہے جو یہاں آنے والے لوگوں کی تصویریں کھینچتا ہے۔ فوٹوگرافر کے اصرار پر، رقاصہ اور موسیقار بھی گیسٹ ہاؤس کے پارک میں بنی ایک خوب صورت مورتی کے سامنے فوٹو کھنچواتے ہیں۔ شام کے وقت فوٹوگرافر ان کو وہ فوٹو لا کر دے دیتا ہے۔

کچھ دنوں کے قیام کے بعد وہ دونوں چلے جاتے ہیں مگر رقاصہ، وہ فوٹو، گیسٹ ہاؤس کے کمرے میں بنی سنگار میز کی دراز میں ہی بھول جاتی ہے۔ پندرہ سال بعد وہ نامور رقاصہ پھر اسی گیسٹ ہاؤس میں آتی ہے، مگر اب وہ جوان اور حسین لڑکی کے بجائے ایک ادھیڑ عمر کی عورت تھی۔ کسی نے اسے نہیں پہچانا، وہ اسی کمرے میں ٹھہری ہوئی تھی جس

میں وہ پہلے ٹھہری تھی۔ اگلے روز جب وہ واپسی کے لئے اپنا سامان سمیٹتی ہے اور ڈریسنگ ٹیبل کی دراز کھولتی ہے تو اسے دراز میں پیلے رنگ کے کاغذ کے نیچے ایک لفافہ رکھا نظر آتا ہے جس پر اس کا نام لکھا تھا۔ وہ لفافہ باہر نکالتی ہے تو اس میں سے اس کی پندرہ سال پرانی تصویر نکلتی ہے۔ تصویر کا کاغذ پیلا پڑ چکا تھا۔ اس عورت نے جھلا کر کہا" پندرہ سال میں کتنی بار اس دراز کی صفائی کی گئی ہوگی مگر یہ فوٹو ابھی تک یہیں ہے"۔ یہاں کا انتظام کس قدر خراب ہے۔ لوٹتے وقت، فوٹو گرافر نے رقاصہ سے اس کے موسیقار ساتھی کے بارے میں پوچھا تو رقاصہ نے جواب دیا" کارساز حیات میں گھمسان کا رن پڑا ہے کہ اسی گھمسان میں وہ کھو گئے۔"

اس افسانے میں افسانہ نگار نے فوٹو کے وسیلے سے گزرے ہوئے وقت اور اس سے رونما ہونے والی تبدیلیوں پر تبصرہ کیا ہے۔

مچھر

خواجہ حسن نظامی

(1878ءتا 1955ء)

مچھر ایک ننھا سا پرندہ ہے جس کے وار سے ہندو مسلم، سکھ، عیسائی کوئی بھی محفوظ نہیں۔ یہاں تک کہ جانور بھی نہیں کیونکہ مچھر کا ماننا ہے کہ دشمن کا دوست بھی دشمن ہوتا ہے۔ آدمیوں نے مچھر کی حرکت سے پریشان ہو کر مچھروں کے خلاف ایجی ٹیشن کیا۔ ان کو مارنے کے لئے طرح طرح کے مصالحے تیار کئے گئے، ریزولیوشن پاس کئے گئے لیکن

ناکام رہے۔ انسان مچھروں کے بارے میں کہتا ہے" مچھر بڑا کم ذات ہے کوڑے کرکٹ، میل کچیل سے پیدا ہوتا ہے، گندی موریوں میں زندگی بسر کرتا ہے اور اتنا بزدل ہے کہ سوتے میں وار کرتا ہے۔ بے خبر کے چرکے لگانا مردانگی نہیں حد درجہ کی کمینگی ہے۔ صورت دیکھو تو کالا بھتنا لمبے لمبے پاؤں، بے ڈول چہرہ۔ آدمی جیسے گورے چٹے، خوش وضع، پیاری ادا کی دشمنی بے عقلی اور جہالت ہے۔"

مچھر انسان کی باتیں سن کر کہتا ہے" جناب ہمت ہے تو مقابلہ کیجئے، ذات، صفات نہ دیکھئے۔ میں کالا، کمینہ، بدرونق ہی مگر کس دلیری سے آپ کا مقابلہ کرتا ہوں اور آپ کی ناک میں دم کرتا ہوں۔ پھر میں آنے سے پہلے تمہیں آگاہ بھی کرتا ہوں کہ ہوشیار ہو جاؤ حملہ ہونے والا ہے۔" مچھر اپنے کارناموں کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے" خدائی کا دعوہ کرنے والے نمرود کا غرور میں نے ہی توڑا تھا، تم مجھے اپنا دشمن مانتے ہو تو یہ تمہاری کم عقلی ہے اپنے کسی صوفی بھائی سے پوچھو وہ کہے گا کہ مچھر کی زندگی کو میں دل سے پسند کرتا ہوں کیونکہ وہ دن بھر خلوت خانہ میں رہتا ہے اور پھر تمام رات خدا کی تسبیح و تقدیس کے ترانے گاتا ہے۔ جب وہ انسان کو سوتے ہوئے دیکھتا ہے تو اسے غصہ آتا ہے اور انھیں بیدار کرنے کے لئے کاٹتا ہے۔ وہ انسان کے کان میں کہتا ہے کہ یہ سونے کا نہیں کچھ کرنے کا وقت ہے مگر جب انسان کی غفلت نہیں ٹوٹتی تو وہ غصہ میں اس کے کاٹ لیتا ہے۔"

آخر میں مچھر کہتا ہے کہ اگر سب انسان صوفی صاحب کی طرح شب بیدار ہو جائیں تو ہماری قوم ان کو ستانے سے خود ہی باز آ جائیگی ورنہ یاد رہے میرا نام "مچھر" ہے، لطف سے جینے نہ دونگا۔

300 خزینہ اردو اکمل نعیم صدیقی

غالب جدید شعرا کی ایک مجلس میں

کنہیالال کپور

(1910 تا 1980ء)

یہ ایک طنزیہ مضمون ہے جس میں کنہیا لال نے آزاد شاعری کو طنز کا نشانہ بنایا ہے۔ ایک خیالی مشاعرے کا تصور کیا گیا ہے۔ اس مشاعرے میں غالب بھی جنت سے تشریف لاتے ہیں اور اپنا کلام سناتے ہیں۔ اس مشاعرے میں ن م راشد، میراجی، تصدق حسین خالد، اندر جیت ورما، راجہ مہدی علی خان اور فیض بھی موجود ہیں۔ اس سبق میں ان کے کلام اور ان کے کاموں کو پیروڈی کے پیرائے میں پیش کیا گیا ہے۔ اس مضمون میں ایسی جدت پسندی کا مذاق اڑایا گیا ہے جو توازن سے عاری ہو۔

غالب دور جدید کے شعرا کی اس مجلس میں پہنچتے ہیں۔ اس مشاعرے کی صدارت ن م راشد کر رہے ہیں۔ غالب اپنی غزل کا ایک شعر پڑھتے ہیں۔

خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو
ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے

غالب کا یہ شعر سن کر شعرا ہنستے ہیں۔ مرزا حیران ہو جاتے ہیں۔ شاعر کہتے ہیں یہ شعر بے معنی سا ہے۔ اس کے ہراجی (میراجی) کہتے ہیں دیکھئے نہ مرزا آپ کہتے ہیں خط لکھیں گے چاہے مطلب کچھ نہ ہو، پھر خط لکھنے کا فائدہ ہی کیا؟ اگر آپ معشوق کے نام کے ہی عاشق ہیں تو تین پیسے کا خط برباد کرنا کیا ضروری ہے؟ سادہ کاغذ پر اس کا نام لکھ

لیجئے۔ پھر ڈاکٹر قربان حسین خالص اس کی پیروڈی کر کے اسے ایک آزاد نظم میں بدل دیتے ہیں۔ اسی طرح غالب کے باقی اشعار کی بھی پیروڈی کی جاتی ہے۔

غالب کے بعد شعرا اپنی نظمیں پڑھتے ہیں۔ یہ نظمیں بھی ان کی اصلی شاعری کی پیروڈی ہے۔ غالب ان کا کلام سن کر کہتے ہیں کہ آپ کی یہ نظم کم از کم میرے فہم سے تو بالاتر ہے۔ پھر قافیہ اور ردیف ترک کرنے کی کیا وجہ پیش آئی ؟ غالب کی بات کا جواب دیتے ہوئے رفیق احمد خوگر بتاتے ہیں کہ اس کی وجہ مغربی شعرا کا تتبع نہیں بلکہ ہماری طبیعت کا فطری میلان ہے۔ ہماری طبیعت میں آزادی کا جو میلان ہے اسی کا اثر ادب پر بھی پڑا ہے۔ غالب ان کی باتیں سن کر نہایت گھبراہٹ اور سراسیمگی کی حالت میں کمرے سے باہر نکل جاتے ہیں۔

مصنّفین کی سوانح حیات اور طرزِ تحریر

میر امّنؔ : نام : ولادت،1748ء دہلی وفات، 1802ء کلکتّہ

تصانیف: باغ و بہار (فارسی کتاب قصّہ چہار درویش کا اردو ترجمہ تحسین نے 'نوطرزِ مرصع' کے نام سے کیا اور امنؔ نے باغ و بہار کے نام سے)، گنج خوبی (ملاّ واعظ حسن کاشفی کی کتاب 'اخلاقِ محسنی' کا ترجمہ)

محمد حسین آزاد : ولادت،1831ء دہلی وفات، 1910ء لاہور

خصوصیات : جدید نظم، اردو تنقید اور انشائیہ نگاری کے بانی بقول شبلی۔ 'آزاد گپ بھی ہانک دے تو وحی لگے'

تصانیف : آبِ حیات، سچ اور جھوٹ کا رزم نامہ، دربارِ اکبری (تاریخ)، سخندانِ فارس (فارسی اور سنسکرت کی بنیاد ایک ہی ہے یہ ثابت کیا۔) قصصِ ہند (بچّوں کے لئے تاریخِ ہند کی کہانیاں)، نیرنگ خیال

علّامہ شبلی نعمانی : ولادت۔اعظم گڑھ 1857ء وفات اعظم گڑھ 1914ء

بانی : دارالمصنفین،اعظم گڑھ کے بانی

لقب : شمس العلماء، تغمۂ مجیدی (ترکی کے سلطان نے دیا)

خصوصیات : پہلے رومانی نقّاد، سوانح نگار

تصانیف : تنقیدی کتب۔موازنہ انیس و دبیر، شعر العجم (فارسی شاعری سے متعلّق، اصولِ شعر سے بحث کی گئی)۔سوانح نگاری۔المامون، الفاروق، الغزالی، سیرۃ النبی (آخری تصنیف جسے سلیمان ندوی نے پورا کیا۔)، سیرۃ النعمان، علم الکلام

300 خزینہ اردو اکمل نعیم صدیقی

قرۃ العین حیدر

(1927 تا 2008)

قرۃ العین حیدر علی گڑھ میں پیدا ہوئیں۔ ان کے والد علی گڑھ یونی ورسٹی میں رجسٹرار تھے۔ ان کا آبائی وطن نہوڑ ضلع بجنور تھا۔ ان کے والد سجاد حیدر یلدرم اور والدہ نذر سجاد حیدر اپنے زمانے کے معروف افسانہ نگار تھے۔ قرۃ العین حیدر نے میٹرک سے بی اے تک کی تعلیم بنارس اور دہرہ دون سے حاصل کی ۔ 1947 میں ازابیلا تھوبورن کالج، لکھنئو یونی ورسٹی سے انگریزی میں ایم اے کیا۔ مزید تعلیم کے لئے لندن آئیں تو وہاں انگریزی اخبار" ٹیلی گراف" کے شعبہ ادارت اور بی بی سی ریڈیو سے بھی وابستہ ہوگئیں۔ وطن واپسی پر کئی سال ممبئی میں قیام رہا اور یہاں" امپرنٹ" اور" السٹریٹیڈ ویکلی" میں بھی بطور مدیر خدمات انجام دیں۔ کچھ عرصہ بعد علی گڑھ یونی ورسٹی اور پھر جامعہ، ملیہ اسلامیہ یونی ورسٹی میں وِزِٹنگ پروفیسر کے فرائض انجام دئے۔

ان کا پہلا افسانہ 1944 میں شائع ہوا جبکہ پہلا افسانوی مجموعہ" ستاروں کے آگے" 1947 میں اور پہلا ناول" میرے بھی صنم خانے" 1949 میں منظرِ عام پر آیا۔ ان کے مشہور ناولوں میں، آگ کا دریا، آخری شب کے ہم سفر، کارِ جہاں دراز ہے اور چاندنی بیگم، ہیں۔ انہیں ساہتیہ اکیڈمی ایوارڈ، گیان پیٹھ ایوارڈ اور پدم بھوشن کا خطاب پیش کیا جا چکا ہے۔

سجّاد ظہیر (1973 تا 1905)

1905 میں لکھنو کے ایک معزز گھرانے میں سجاد ظہیر کی پیدائش ہوئی۔ان کے والد وزیر حسن کو حکومت نے سر کے خطاب سے نوازا تھا۔لوگوں میں سجاد، بنّے بھائی کے نام سے مشہور تھے۔انہوں نے انگلستان سے بیرسٹری کی تعلیم حاصل کی مگر وکالت کو پیشہ نہیں بنایا۔وہ ایک ادیب، صحافی اور شاعر تھے۔وہ کارل مارکس سے متاثر تھے اور انہوں نے انگلستان میں، ملک راج آنند، جیوتی گھوش اور ڈاکٹر محمد دین تاثیر جیسے دوستوں کے ساتھ مل کر ادیبوں کی ایک انجمن بنائی، جس کا نام "انجمن ترقی پسند مصنفین" رکھا گیا۔ہندوستان میں یہ انجمن 1936 میں قائم ہوئی اور ایک تحریک بن گئی۔

سجاد ظہیر کا ناول "لندن کی ایک رات" بہت مشہور ہے۔1948 میں وہ پاکستان چلے گئے۔وہاں ان کے نظریات کی بنیاد پر انہیں جیل ہوگئی۔وہاں انہوں نے "روشنائی" اور "ذکر حافظ" جیسی کتابیں لکھیں۔1955 میں وہ واپس ہندوستان آ گئے۔ان کی کتاب "پگھلا نیلم" کو نثری نظم کا پہلا مجموعہ کہا جاتا ہے۔جیل سے انہوں نے جو خط اپنی شریک حیات رضیہ سجاد ظہیر کے نام لکھے تھے وہ "نقوش زنداں" کے نام سے شائع ہوئے ہیں۔

سجاد ظہیر ایک کامیاب صحافی بھی تھے انہوں نے کئی رسائل اور اخبارات میں ادارت کے فرائض بھی انجام دئے جن میں چنگاری، بھارت، قومی جنگ، عوامی دور اور حیات قابل ذکر ہیں۔ان کے لکھے افسانوں میں دلاری، نیند نہیں آتی، جنت کی بشارت، گرمیوں کی ایک رات، پھر یہ ہنگامہ، روشنائی قابل ذکر ہیں۔انہوں نے ایک رپورتاژ "یادیں" بھی لکھا تھا۔

کرشن چندر (1914 تا 1977)

کرشن چندر بھرت پور، پنجاب میں 1914 میں پیدا ہوئے۔ان کا بچپن پونچھ، کشمیر میں گزرا جہاں ان کے والد بحیثیت ڈاکٹر تعینات تھے۔انہوں نے وکالت کے ساتھ ساتھ ایم اے (انگریزی) کا امتحان بھی پاس کیا اور آل انڈیا ریڈیو سے وابستہ ہو گئے۔ممبئ کی فلمی دنیا میں بھی ہاتھ آزمائے مگر کامیابی نہ ملی۔کرشن چندر پر بسیار نویسی کا بھی الزام لگایا جاتا ہے۔ان کی وفات 1977ء میں بمبئ میں ہوئی۔

کرشن چندر نے افسانے، ناول، انشایئے، رپورتاز، ڈرامے، خاکے اور طنزیہ و مزاحیہ مضامین بھی لکھے ہیں۔ان کی اصل پہچان ناول اور افسانوں سے ہے۔ پہلا افسانہ 'یرقان' ادبی دنیا (لاہور) میں ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا۔افسانوں کا پہلا مجموعہ 'طلسمِ خیال' ۱۹۳۹ء میں شائع ہوا۔ان کے افسانوں کے 32 مجموعے اور 47 ناول شائع ہوئے۔

ان کی تخلیقات کی تفصیل درج ذیل ہے۔

ڈرامے ۔ فٹ پاتھ کے فرشتے، دروازہ کھول دو

ناول۔ شکست، جب کھیت جاگے، غدّار، آسمان روشن ہے، ایک گدھا نیفا میں، زرگاؤں کی رانی، میری یادوں کے چنار، طوفان کی کلیاں، باون پتّے، مٹّی کے صنم، ایک عورت ہزار دیوانے، آسمان روشن ہے، لندن کے سات رنگ، شادی کا گھاؤ، دوفرلانگ سڑک، گدھے کی سرگزشت، الٹا درخت، عذرا، پانچ لوفر، کاغذ کی ناؤ

خزینہ اردو 300 اکمل نعیم صدیقی

منشی پریم چند (1880 تا 1936)

پریم چند کی پیدائش بنارس کے ایک گاؤں لمہی میں 1880 میں ہوئی تھی۔ان کا اصل نام دھنپت رائے تھا۔کنبے کے لوگ انہیں نواب رائے بھی کہتے تھے۔ان کے دادا گُرسہائے لال، پٹواری اور والد عجائب لال ڈاک خانے میں منشی تھے۔والدہ کا نام آنندی دیوی تھا۔

پریم چند کی ابتدائی تعلیم گاؤں کے مدرسے میں ہوئی۔میٹرک پاس کرنے کے بعد 1899 میں بنارس کے قرب میں، چنار گڑھ کے ایک مشن اسکول میں اسسٹنٹ ٹیچر کی حیثیت سے ملازم ہو گئے۔1900ء میں بہرائچ کے ضلع اسکول میں ملازم ہوئے اور ترقی پا کر ایڈیشنل ماسٹر کے طور پر پرتاپ گڑھ میں آ گئے۔1902 میں الہٰ آباد سے تدریس کی ٹریننگ لی اور فرسٹ ڈویژن سے پاس ہوئے۔اسی دوران انہوں نے ہندی اور اردو اسپیشل ورنا کولر کا امتحان بھی پاس کیا۔1904 میں الہٰ آباد کے ایک ماڈل اسکول میں ہیڈ ماسٹر ہو گئے۔1905 میں کانپور کے ایک اسکول میں مدرس ہو گئے۔1909 میں مہوبہ، ضلع ہمیر پور میں تبادلہ ہو گیا اور اسکول انسپیکٹر ہو گئے۔مہوبہ قیام کے دوران 1916 میں انٹرمیڈیئٹ اور 1919 میں گورکھپور کے زمانہ قیام کے دوران الہٰ آباد یونی ورسٹی سے پرائیویٹ طور پر بی اے کا امتحان پاس کیا۔تحریک عدم تعاون کے دوران گورکھپور کے ایک جلسہ میں مہاتما گاندھی کے کہنے پر انھوں نے 1920 میں سرکاری نوکری چھوڑ کر تصنیف و تالیف کو ہی معاش کا ذریعہ بنالیا۔

تصانیف : ڈرامہ : 13 سال کی عمر میں پہلا ڈرامہ لکھا جسکا نام تھا" ایک ماموں کا رومان" یہ ڈرامہ 'دھنپت رائے عرف نواب رائے' کے نام سے شائع ہوا۔

ناول : اسرارِ معابد، ہم خرما و ہم ثواب

کہانیوں کا مجموعہ : سوزِ وطن

افسانے : دنیا کا انمول رتن، بڑے گھر کی بیٹی، کفن، مجبوری، قاتل کی ماں، سوتیلی ماں، دودھ کی قیمت، حسرت، پریم پچیسی، آخری تحفہ، ڈامل کا قیدی، وفا کی دیوی، خاک پرواز، قاتل، پریم بتیسی، ستیہ گرہ، نجات، منتر، حج اکبر، سوا سیر گیہوں، پوس کی رات، نمک کا داروغہ، واردات، روٹھی رانی، خون سفید، زیور کا ڈبہّ، خواب و خیال، زادِ راہ، عید گاہ، بلیدان، سوامی، آہِ بیکس، انسان کا مقدّم فرض، گلّی ڈنڈا، بیٹی کا دھن، قربانی، ریاست کا دیوان، مشعلِ ہدایت، بے غرض محسن، کفیر دار، راہِ نجات، کشمکش، ویشیا، صرف ایک آواز، مندر، تصویرِ نجات، نجات، تالیف، پچھتاوا، لال فیتہ، نوک جھونک، شکار، شکوہ شکایت، دو سکھیاں، برات، شانتی، مس پدمہ، لعنت، دو بہنیں، دودھ کی قیمت، بدنصیب ماں، پنچایت، ابھاگن، حسرت، قسم، بانگِ سحر، بھوپ سنگھ، بھوت، نئ بیوی، سہاگ کا جنازہ، حسن و شباب، فلسفی کی محبت، خودی، مزارِ الفت، گھاس والی

300 خزینہ اردو اکمل نعیم صدیقی

منظومات : منظومات پر مبنی سوالات

ایک دیہاتی لڑکی کا گیت

اختر شیرانی

(1905 تا 1948)

تعارف : محمد داؤد خاں اختر شیرانی، راجستھان کے شہر ٹونک میں پیدا ہوئے۔ وہ اردو کے مشہور محقق اور ادیب حافظ محمود خاں شیرانی کے صاحب زادے تھے۔ اختر شیرانی کو رومانی شاعر کہا جاتا ہے۔ ان کی شاعری میں گیتوں جیسی روانی اور نغمگی پائی جاتی ہے۔ نظم، گیت اور سانیٹ ان کی پسندیدہ اصناف ہیں۔

ان کی شاعری کے اہم موضوعات میں قدرتی مناظر کے علاوہ حب الوطنی بھی شامل ہے۔ ان کی نظموں میں اپنی دھرتی اور اس کے حسن کے جلووں کا عکس جھلکتا ہے۔ وہ ایک مقبول اور باکمال شاعر تھے۔ ان کا انتقال بہت کم عمر میں ہی ہو گیا تھا۔

ایک دیہاتی لڑکی کا گیت

سنو یہ کیسی آواز آ رہی ہے کوئی گاؤں کی لڑکی گا رہی ہے
فضا پر، بستیوں پر، جنگلوں پر دھواں دھار ایک بدلی چھا رہی ہے
چھما چھم مینھ کی بوندیں پڑ رہی ہیں کہ ساون کی پری کچھ گا رہی ہے

300 خزینہ اردو اکمل نعیم صدیقی

ہوا کی سرسراہٹ ہے کہ فطرت پرانی زندگی دہرا رہی ہے
یہ گھر سسرال ہوگا شاید اس کا جبھی ماں باپ کی یاد آ رہی ہے
جبھی مصروف ہے آہ و فغاں میں جبھی غمگین لے میں گا رہی ہے
شوالے میں گجر بھی جاگ اٹھا ٹھنا ٹھن ٹھن کی آواز آ رہی ہے
کوئی چڑیا نکل کر گھونسلے سے گھنے جنگل میں منگل گا رہی ہے
کوئی بکری کہیں کرتی ہے میں میں کوئی بچھیا کہیں چلا رہی ہے
مگر ان سب سے بے پرواہ لڑکی
برابر گیت گائے جا رہی ہے

نظم کا خلاصہ : اس نظم میں شاعر نے ایک ایسی دیہاتی لڑکی کے جذبات کو نظم کیا ہے جو اپنی زندگی کا پہلا ساون اپنی سسرال میں گزار رہی ہے۔ ساون کے اس مہینے میں چاروں طرف بارش اور ٹھنڈی ہواؤں نے بڑا راحت افزا اور دلکش ماحول کر دیا ہے۔ ایسے میں اسے اپنی زندگی کے وہ پرانے دن یاد آ رہے ہیں جب وہ بالکل بے فکر اور آزاد ہوا کرتی تھی۔ بالکل ویسے ہی جیسے جنگل میں کوئی پرندہ آزاد گھومتا ہے اور موسم کی خوش نمائی سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ اسے اپنے پرانے گھر، اپنے والدین اور پرانے واقعات یاد آ رہے ہیں اور اسی وجہ سے وہ ایک غمگین گیت گنگنا رہی ہے۔

اک پودا اور گھاس

اسمٰعیل میرٹھی

(1841 تا 1917)

تعارف : محمد اسمٰعیل نام، اسمٰعیلؔ تخلص تھا۔ میرٹھ میں پیدائش ہوئی۔ میرٹھ کے ایک عالم رحیم بیگ سے فارسی کی تعلیم حاصل کی ، انگریزی کی تعلیم بھی لی اور پھر انجینئرنگ کی ڈگری حاصل کی۔ معلّمی کا پیشہ اختیار کیا۔ انہوں نے اپنی شاعری کو اصلاح کا ذریعہ بنایا۔ بچوں کے لئے متعدد نظمیں لکھیں۔ ان کا کلام "کلیاتِ اسمٰعیل" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ انہوں نے درسی کتابیں بھی لکھیں ہیں۔

ایک پودا اور گھاس

اتفاقاً ایک پودا اور گھاس ۔۔۔ باغ میں دونوں کھڑے ہیں پاس پاس

گھاس کہتی ہے کہ اے میرے رفیق ۔۔۔ کیا انوکھا اس جہاں کا ہے طریق

ہے ہماری اور تمہاری ایک ذات ۔۔۔ ایک قدرت سے ہے دونوں کی حیات

مٹّی اور پانی، ہوا اور روشنی ۔۔۔ واسطے دونوں کے یکساں ہے بنی

تجھ پہ لیکن ہے عنایت کی نظر ۔۔۔ پھینک دیتے ہیں مجھے جڑ کھود کر

کون دیتا ہے مجھے یاں پھیلنے ۔۔۔ کھا لیا گھوڑے، گدھے یا بیل نے

تجھ پہ منھ ڈالے جو کوئی جانور ۔۔۔ اس کی لی جاتی ہے ڈنڈے سے خبر

چاہتے ہیں تجھ کو سب کرتے ہیں پیار
کچھ پتہ اس کا بتا اے دوست دار

اس سے پودے نے کہا یوں سر ہلا
گھاس ! بے جا ہے یہ تیرا سب گلا

مجھ میں اور تجھ میں نہیں کچھ بھی تمیز
صرف سایہ اور میوہ ہے عزیز

فائدہ اک روز مجھ سے پائیں گے
سائے میں بیٹھیں گے اور پھل کھائیں گے

ہے یہاں عزت کا سہرا اس کے سر
جس سے پہنچے نفع سب کو بیشتر

نظم کا خلاصہ : نظم میں گھاس، پودے سے شکایت کرتی ہے کہ تمہاری اور میری ذات ایک جیسی ہے، تمہاری اور میری پرورش بھی ایک ہی مٹی، پانی اور ہوا سے ہوتی ہے مگر پھر بھی انسان مجھے تو اکھاڑ کر پھینک دیتا ہے اور تمہارا بہت خیال رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی جانور بھی تمہیں کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا ہے تو اس کی بھی خبر لی جاتی ہے۔ آخر یہ معاملہ کیا ہے ؟

پودے نے کہا، گھاس تجھ میں اور مجھ میں انسان کوئی فرق نہیں کرتا ہے۔ اسے تو محض اپنے فائدے سے مطلب ہے۔ مجھ سے بھی وہ فائدہ اٹھاتا ہے۔ میرے پھل کھاتا ہے اور سائے میں آرام کرتا ہے۔ اسی لئے میری دیکھ بھال اور حفاظت کرتا ہے۔ یہاں دنیا میں عزت کا سہرا اسی کے سر بندھتا ہے جس سے خلقت کو کچھ نفع پہنچتا ہے۔

بہار کے دن

حامد اللہ افسؔر میرٹھی

(1898 تا 1974)

تعارف : حامد اللہ افسؔر میرٹھ میں پیدا ہوئے۔ میرٹھ کالج سے بی اے کیا۔ جبلی کالج لکھنئو میں اردو کے استاد مقرر ہوئے اور ترقی پا کر وہیں وائس پرنسپل ہو گئے۔ 1950 میں سروس سے سبکدوش ہوئے اور 1974 میں لکھنئو میں انتقال کیا۔

افسؔر میرٹھی نے بچوں کے لئے چھوٹی چھوٹی نظمیں لکھی ہیں۔ نظموں کی زبان سادہ اور عام فہم ہے۔ بچوں کے لئے ہی انہوں نے 16 کتابیں لکھیں جن میں ”آسمان کا ہم سایہ“ ”لوہے کی چپل“ ”پیم روح“ اور ”نقد الادب“ مشہور ہیں۔

بہار کے دن

آیا ہے بہار کا زمانہ — کلیوں کے نکھار کا زمانہ

کلیاں کیا کیا چٹک رہی ہیں — ساری روشیں مہک رہی ہیں

ہلکی ہلکی یہ ان کی خوشبو — پھیلی ہوئی ہے چمن میں ہر سو

چڑیاں گاتی ہیں گیت پیارے — سنتے ہیں چمن میں پھول سارے

شاخوں کا بنا لیا ہے جھولا — پھولوں سے لدا ہوا ہے جھولا

کونپل ہر اک ہے کیسی پیاری — سبزی میں جھلک رہی ہے سرخی

کتنی راحت فزا ہوا ہے   گویا جنت کا در کھلا ہے
خوش خوش ہر اک آدمی ہے   ہر شے میں بلا کی دلکشی ہے
یہ صبح کا دلفریب منظر   یہ شام کا حسن، روح پرور
یہ رات کو چاندنی کا عالم   اللہ رے بے خودی کا عالم
کیسی دل چسپ چاندنی ہے   چادر اک نور کی تنی ہے
ہر دل میں امنگ کس قدر ہے   سب پر ہی بہار کا اثر ہے

خلاصہ نظم : اس نظم میں شاعر نے بہار کے دن اور رات کا پر کشش منظر پیش کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ بہار کا زمانہ کلیوں کے نکھار کا زمانہ ہے۔ اس موسم میں ہر طرف نئے پھول اور نئی کلیاں چٹک رہی ہیں جن کی خوشبو سے سارا چمن مہک رہا ہے۔ شاخیں پھولوں سے لدی ہوئی ہیں اور ان کے وزن سے ہوا میں ایسے جھول رہی ہیں مانو کوئی جھولا درخت پر ہوا میں لہرا رہا ہے۔

باغ میں ایسی ٹھنڈی اور خوشبودار ہوا بہہ رہی مانو جنت کا کوئی دریچہ باغ میں کھل گیا ہو۔ ہر آدمی ایسے موسم میں خوش اور ترو تازہ محسوس کر رہا ہے۔ بہار کے موسم کی صبح کی طرح ہی اس کی رات بھی بہت خوب صورت ہوتی ہے۔ رات میں چاند کی چاندنی ایسی محسوس ہوتی ہے جیسے نور کی ایک چادر پورے عالم پر تان دی گئی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دل میں ایک جوش، خوشی اور امنگ ہے اور یہ سب اس بہار کے موسم کا ہی اثر ہے۔

﴿300﴾ خزینہ نظیر صدیقی

نظیرؔ اکبرآبادی

مصنّف کا تعارف : ولی محمد نظیرؔ اکبرآبادی 1740ء میں دہلی میں پیدا ہوئے اور 1830ء میں آگرہ میں انتقال کیا۔نظیر نے ہندوستان کے موسموں، میلوں، تہواروں اور انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو عوامی زبان میں پیش کیا اس لئے 'عوامی شاعر' کہلائے۔روٹیاں، بنجارہ نامہ، مفلسی، ہولی، آدمی نامہ اور کرشن کنہیا کا بالپن ان کی مشہور نظمیں ہیں۔

نیکی اور بدی (نظم)

نظم کا خلاصہ : نظیر کہتے ہیں اس دنیا میں امیر، غریب، اچھّے اور برے سبھی طرح کے لوگ بستے ہیں۔دنیا میں جو جیسا عمل کرتا ہے اسکو ویسا ہی پھل ملتا ہے۔جو دوسروں کا نقصان کرنا چاہتا ہے تو اس کا خود نقصان ہوتا ہے اور جو دوسروں کی بھلائی کے کام کرتا ہے خدا اسکو اسکا اچھّا اجر دیتا ہے۔

غالب

مرزا اسداللہ خاں غالبؔ کی ولادت 1797ء میں آگرہ میں اور انتقال 15 فروری 1869ء میں دہلی میں ہوا۔ان کا سلسلہ نسب ایبک ترکمانوں سے ملتا ہے۔ غالب کے والد کا نام عبداللہ بیگ تھا۔وہ مہاراجہ الور کی فوج میں ملازم تھے۔غالب کی پرورش ان کے چچا نصراللہ بیگ نے کی۔ان کی شاعری کا آغاز 8-1807 میں ہوا۔ابتدا میں انہوں نے اسدؔ تخلص فرمایا لیکن بعد میں غالب کرلیا۔19 اگست 1810 کو دہلی میں امراؤ بیگم سے غالب کا نکاح ہوا۔وہ نواب لوہارو کے خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔

غالب باکمال شاعر اور بے مثال نثر نگار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کی تصانیف میں دیوانِ غالب، کلیاتِ نظم فارسی، پنج آہنگ، مثنوی شانِ نبوّت و ولایت، مہر نیم روز، قادر نامہ، دستنبو، قاطع برہان، لطائفِ غیبی، سبد چین، عودِ ہندی اور اردوئے معلٰی کا شمار کیا جاتا ہے۔ دیوان غالب میں ۲۰۰۰ سے کم اشعار ہیں۔ ''اردوئے معلّی'' اور ''عودِ ہندی'' ان کے خطوط کے مجموعے ہیں۔

کوئی امیّد بر نہیں آتی (غزل)

غزل کی تشریح

کوئی امید بر نہیں آتی کوئی صورت نظر نہیں آتی
موت کا ایک دن معین ہے نیند کیوں رات بھر نہیں آتی

غالب کے مطابق میری امید پوری ہونے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی ہے اور اسی بے چینی کی وجہ سے رات بھر نیند بھی نہیں آتی۔ اس شعر میں صنعت ''تجاہلِ عارفانہ'' استعمال کی گئی ہے۔

آگے آتی تھی حال دل پہ ہنسی اب کسی بات پر نہیں آتی

شاعر کہتا ہے کہ پہلے اپنے دل کے اس حال پر ہنسی آتی تھی مگر اب معاملہ اتنا سنجیدہ ہو گیا ہے کہ کسی بات پر ہنسی نہیں آتی ہے۔

کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالب شرم تم کو مگر نہیں آتی

غالب خود سے کہہ رہے ہیں کہ تم اتنے گنہگار رہو، مگر تم کو اپنے گناہوں پر شرمندگی نہیں ہے۔ تم اس خدا کو کیا منہ دکھاؤ گے۔ یہ غزل کا مقطع ہے کیونکہ اس میں شاعر نے اپنا تخلّص استعمال کیا ہے۔

اقبال

ڈاکٹر محمد اقبال 9 نومبر 1877ء کو سیال کوٹ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام شیخ نور محمد تھا۔ ان کے بزرگ کشمیری برہمن تھے۔ انھوں نے اپنی ابتدائی تعلیم اسکاچ مشن اسکول سیال کوٹ سے اور اعلیٰ تعلیم لاہور سے حاصل کی اور لاہور گورمنٹ کالج میں پروفیسر ہو گئے۔ 1905 میں اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلستان چلے گئے اور کیمبرج یونی ورسٹی سے فلسفہ میں پی ایچ ڈی کی اور لندن سے بار ایٹ لا کی ڈگری لے کر 1908 میں ہندوستان واپس آ کر وکالت شروع کی۔

اقبال اردو کے سب سے بڑے فلسفی شاعر ہیں۔ وہ داغ دہلوی سے اصلاح لیتے تھے۔ 1923 میں انھیں حکومت برطانیہ نی "سر" کا خطاب دیا۔ 21 اپریل 1938 میں آپ کا انتقال ہوا۔ انہوں نے بچوں کے لئے نظمیں لکھیں جن میں بچّے کی دعا، قومی ترانہ، پہاڑ اور گلہری، جگنو، ہمدردی، پرندے کی فریاد اور ماں کا خواب مشہور ہیں۔

اقبال کی شاعری میں اصلاحِ قوم وملت اور حب الوطنی کا جذبہ ملتا ہے۔ انھوں نے "خودی" کا فلسفہ دیا جس جس کے معنی ہیں اپنی پوشیدہ صلاحیتوں کا پتہ لگا کر انھیں نکھارنا اور کامیابی حاصل کرنا۔ ان کی مشہور نظموں میں شکوہ، جواب شکوہ، لینن خدا کے حضور میں، خضرِ راہ اہم ہیں۔ ان کے اردو کلام کے کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ ان میں بانگِ درا، بالِ جبریل اور ضربِ کلیم شامل ہیں۔

پہاڑ اور گلہری (نظم)

نظم کا خلاصہ : پہاڑ، ایک گلہری کو حقیر جان کر کہتا ہے کہ میری بلندی اور طاقت کے آگے تیری کوئی بساط نہیں ہے۔ یہ سن کر گلہری نے کہا کہ اے مغرور پہاڑ کسی کو چھوٹا اور حقیر نہیں جاننا چاہیئے کیونکہ اس میں خدا کی قدرت ہے کہ اس نے کسی کو چھوٹا اور کسی کو بڑا بنایا۔

گلہری مزید کہتی ہے کہ پہاڑ تجھے خدا نے اگر بڑا بنایا ہے تو تجھے چلنے پھرنے سے قاصر رکھا ہے، تو میری طرح چل پھر نہیں سکتا، اچھل کود نہیں سکتا اور پیڑ پر بھی نہیں چڑھ سکتا۔ نظم کا سبق ہے کہ خدا کے کارخانے میں کوئی چیز بیکار اور بے مقصد نہیں ہے۔ کسی کو بھی غرور نہیں کرنا چاہیئے۔

ساحرؔ لدھیانوی

عبدالحئی ساحرؔ لدھیانوی 18 مارچ 1921ء کو لدھیانہ میں پیدا ہوئے اور 25 اکتوبر 1980ء کو بمبئی میں انتقال ہوا۔ ان کے والد فضل محمد ایک زمین دار تھے اور والدہ کا نام سردار بیگم تھا۔ ان کے والدین کی علیحدگی نے ساحرؔ کو حساس بنا دیا تھا۔ ابتدائی تعلیم مالوہ خالصہ ہائی اسکول سے لی جہاں فیاض ہریانوی سے فارسی اور اردو کی تعلیم بھی حاصل کی۔ انٹر کے لئے انہوں نے گورمنٹ کالج لدھیانہ میں داخلہ لیا مگر اسٹوڈنٹ یونین کے سر گرم عمل عہدہ دار ہونے کی وجہ سے اسکول انتظامیہ سے ان کی کشیدگی ہو گئی اور انہیں اسکول سے برخاست کر دیا گیا۔ سیاست اور صحافت ان کے محبوب مشاغل تھے۔ رسالہ 'شاہراہ' اور 'سویرا' ان کی صحافتی سرگرمیوں کے شاہد ہیں۔

''تلخیاں'' ان کی شاعری کا پہلا مجموعہ ہے۔ ''آؤ کہ خواب بنیں'' بھی انکا شعری مجموعہ ہے۔ ''پرچھائیاں'' طویل نظموں کا مجموعہ ہے اور ''گاتا جائے بنجارہ'' انکے فلمی گیتوں کا مجموعہ ہے۔ حکومت ہند نے 1971ء میں انہیں 'پدم شری' 1972ء میں بین الاقوامی سطح کے 'سویت لینڈ نہرو ایوارڈ' نوازا گیا۔

اے شریف انسانوں (نظم)

خون اپنا ہو یا پرایا ہو نسلِ آدم کا خون ہے آخر
جنگ مشرق میں ہو کہ مغرب میں امن عالم کا خون ہے آخر
بم گھروں پر گریں یا سرحد پر روحِ تعمیر زخم کھاتی ہے
کھیت اپنے جلیں کہ اوروں کے زیست فاقوں سے تلملاتی ہے
ٹینک آگے بڑھیں، کہ پیچھے ہٹیں کوکھ دھرتی کی بانجھ ہوتی ہے

فتح کا جشن ہو کہ ہار کا سوگ زندگی میتوں پر روتی ہے
جنگ تو خود ہی ایک مسئلہ ہے جنگ کیا مسئلوں کا حل دے گی
آگ اور خون آج بخشے گی بھوک اور احتیاج کل دے گی
اس لئے اے شریف انسانوں جنگ ٹلتی رہے تو بہتر ہے
آپ اور ہم سبھی کے آنگن میں شمع جلتی رہے تو بہتر ہے
برتری کے ثبوت کی خاطر خوں بہانا ہی کیا ضروری ہے
گھر کی تاریکیاں مٹانے کو گھر جلانا ہی کیا ضروری ہے
جنگ کے اور بھی تو میداں ہیں صرف میدانِ کشت و خوں ہی نہیں
حاصلِ زندگی خرد بھی ہے حاصلِ زندگی جنوں ہی نہیں
آؤ اس تیرہ بخت دنیا میں فکر کی روشنی کو عام کریں
امن کو جن سے تقویت پہنچے ایسی جنگوں کا اہتمام کریں
جنگ، وحشت سے، بربریت سے امن، تہذیب و ارتقاء کے لئے
جنگ، مرگ آفریں سیاست سے امن، انسان کی بقاء کے لئے
جنگ، افلاس اور غلامی سے امن ، بہتر نظام کی خاطر
جنگ ، بھٹکی ہوئی قیادت سے امن، بے بس عوام کی خاطر
جنگ سرمائے کے تسلط سے امن، جمہور کی خوشی کے لئے
جنگ، جنگوں کے فلسفے کے خلاف امن، پُر امن زندگی کے لئے

نظم کا خلاصہ : نظم میں شاعر نے بتایا ہے کہ جنگ سے تباہی کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا ہے۔ جنگ سے مسئلوں کو حل نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ جنگ تو خود ایک مسئلہ ہے۔ جنگ انسانی خوشحالی اور ترقّی کی دشمن ہے اس لئے جنگ کا ٹلتے رہنا ہی انسانیت کے لئے بہتر ہے۔

ولی دکنی

شاعر کا تعارّف : ولی ۱۶۵۰ء یا ۱۶۶۷ء میں گجرات (دکن) میں پیدا ہوئے اور ۱۷۰۷ء میں یہیں انتقال کیا۔ ولی اردو کے پہلے صاحب دیوان شاعر مانے جاتے ہیں۔

کیا مج عشق نے........

(غزل کی تشریح)

کیا مج عشق نے ظالم کوں آب آہستہ آہستہ
کہ آتش گل کوں کرتی ہے گلاب آہستہ آہستہ

تشریح۔ شاعر کہتا ہے کہ میرے عشق کی شدّت نے معشوق کو پگھلا ہی دیا جیسے آتش گل، کلی کو سرخ گلاب میں تبدیل کر دیتی ہے۔

وفاداری نے دلبر کی بجھایا آتش غم کوں
کہ گرمی وضع کرتا ہے گلاب آہستہ آہستہ

تشریح۔ شاعر کہتا ہے کہ میرے محبوب کی وفا نے میرے دل کی شورش کو ختم کر کے اسے پر سکون بنا دیا ہے جیسے گلاب جسم کی گرمی دور کرتا ہے۔

مرے دل کوں کیا بے خد تری انکھیاں نے آخر کوں
کہ جیوں بے ہوش کرتی ہے شراب آہستہ آہستہ

تشریح۔ شاعر کے مطابق معشوق کی نشیلی آنکھوں نے شاعر کو اسی طرح مخمور کر دیا جس طرح شراب کسی انسان کو مدہوش کر دیتی ہے۔

ادا و ناز سوں آتا ہے وہ روشن جبیں گھر سوں

کہ جیوں مشرق سے نکلے آفتاب آہستہ آہستہ

تشریح ۔شاعر کہتا ہے کہ اسکا معشوق جب گھر سے نکلتا ہے تو اسکے نورانی چہرے کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے مشرق سے آفتاب نکل رہا ہو۔

ولی مجھ دل میں آتا ہے خیال یار بے پروا

کہ جیوں انکھیوں میں آتا ہے خواب آہستہ آہستہ

تشریح ۔شاعر کے مطابق جس طرح آنکھوں میں خواب بغیر کوشش اور خواہش کے نمودار ہو جاتا ہے ویسے ہی معشوق کا تصوّر بھی جانے انجانے دل میں آ جاتا ہے۔

خواجہ حیدر علی آتش ؔ

شاعر کا تعارّف : آتش ؔ کی پیدائش ۱۷۷۷ء میں فیض آباد میں ہوئی اور ۱۸۴۷ء میں لکھنؤ میں انکا انتقال ہوا۔نواب محمد تقی خاں کے دربار سے منسلک رہے اور انہی کے ہمراہ لکھنؤ آ گئے اور تا عمر یہیں رہے۔

غزل کی تشریح

سن تو صحیح جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا

کہتی ہے تجھ کو خلق خدا غائبانا کیا

تشریح ۔ شاعر کہتا ہے کہ اپنے اطراف و جوانب کی دنیا اور اس میں بسنے والی مخلوق کی

طرف نظر کر کے دیکھ وہ تجھے کیا پیغام دے رہی ہے۔

زیر زمیں سے آتا ہے جو گل سو زر بکف

قاروں نے راستے میں لٹایا خزانہ کیا

تشریح۔ شاعر کہتا ہے کہ زمیں سے جو بھی پھول نکلتا ہے وہ سونے سے لدا ہوا محسوس ہوتا ہے کیا اس راستے سے قارون گزرا تھا جس نے اس راستے میں اپنا خزانہ لٹایا تھا جس کی وجہ سے پھول سونے سے لدے ہوئے نکل رہے ہیں۔

طبل و علم نہ پاس ہے اپنے، نہ ملک و مال

ہم سے خلاف ہو کہ کریگا زمانہ کیا

تشریح۔ شاعر کے مطابق اسکے پاس نہ حکومت ہے اور نہ مال و دولت اس لئے زمانے والے اس سے کیوں ناراض ہونگے اور اس کی مخالفت کرینگے۔

آتی ہے کس طرح سے مری قبضِ روح کو

دیکھوں تو موت ڈھونڈ رہی ہے بہانہ کا

تشریح۔ شاعر کے مطابق موت کسی نہ کسی بہانے سے انسان کو اپنے قبضہ میں کرتی ہے مجھے تو یہ دیکھنا ہے کہ موت میری روح قبض کرنے کا کیا بہانہ ڈھونڈ رہی ہے۔

یوں مدّعی حسد سے نہ دے داد تو نہ دے

آتشؔ غزل یہ تو نے کہی عاشقانہ کیا

تشریح۔ شاعر کے مطابق اس نے تو بہت اچھّی غزل لکھی ہے اب اگر کوئی داد نہیں دیتا ہے تو اسکی وجہ حسد ہے۔

غزل کی تشریح

یہ آرزو تھی تجھے گل کے روبرو کرتے

ہم اور بلبل بے تاب گفتگو کرتے

تشریح۔ شاعر کہتا ہے کہ اے معشوق ہماری آرزو ہے کہ پھول سے تیرا سامنا کرایا جائے اور پھر میں اور بلبل اس بات کی بحث کریں کہ پھول زیادہ خوب صورت ہے یا میرا معشوق۔

پیام بر نہ میسّر ہوا تو خوب ہوا

زبانِ غیر سے کیا شرحِ آرزو کرتے

تشریح۔ شاعر کہتا ہے کہ میرے دل کا پیغام معشوق تک پہنچانے کے لئے کوئی پیغام لے جانے والا نہیں ملا۔ شاعر کے مطابق پیامبر نہیں ملا تو یہ اچھّی بات ہے کیونکہ دوسرے کی زبان سے اپنے شوق کا اظہار کرنا بھی ٹھیک نہیں ہے۔

مری طرح سے مہ و مہر بھی ہیں آوارہ

کسی حبیب کی یہ بھی ہیں جستجو کرتے

تشریح۔ شاعر کہتا ہے کہ جس طرح میں اپنے معشوق کی جستجو میں اس کے کوچے کے چکّر آوارہ کی طرح لاگا تار رہتا ہوں تو کیا چاند اور سورج کو بھی کسی کی تلاش ہے جو وہ بھی آوارہ کی طرح اپنی مدار میں گھومتے رہتے ہیں۔

وہ جانِ جاں نہیں آتا تو موت ہی آتی

دل و جگر کو بھلا کہاں تک لہو کرتے

تشریح۔ شاعر کے مطابق معشوق نے بے انتہا انتظار کروایا اور اگر اب بھی وہ نہیں آتا تو ہم مر ہی جاتے کیں کہ یہ انتظار کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔

300 خزینہ اردو اکمل نعیم صدیق

نہ پوچھ عالمِ برگشتہ طالعی آتشؔ
برستی آگ ہے جو باراں کی آرزو کرتے

تشریح۔ بدنصیبی کے دنوں کی حالت مت پوچھو کیوں کہ ایسے دنوں میں آدمی جس چیز کی خواہش کرتا ہے اسکے مخالف ہوتا ہے مثال کے لئے ایسے دنوں میں اگر آپ بارش کی امیّد کرتے ہیں تو آگ برستی ہے۔

مستقبل (نظم)

اکبرالہٰ آبادی

مصنّف کا تعارف : سیّد اکبر حسین، اکبؔر الہٰ آبادی ۱۸۴۶ء میں الہٰ آباد میں پیدا ہوئے اور ۱۹۲۱ء میں الہٰ آباد میں ہی انتقال ہوا۔ الہٰ آباد میں نائب تحصیلدار رہے، وکالت کا پیشہ بھی اختیار کیا اور منصف کے عہدے پر بھی مامور ہوئے۔ ۱۸۹۴ء میں حکومت سے ''خان بہادر'' کا خطاب ملا۔ کلام پر اصلاح غلام حسین وحید سے لیتے تھے جو آتشؔ کے شاگرد تھے۔ ان کی انفرادیت ان کی طنزیہ اور مزاہیہ شاعری ہے۔ لیکن یہ شاعری بامقصد ہے تفریحی نہیں ہے۔ اکبر کا کلام ''کلیّاتِ اکبر'' کے نام شایع ہو چکا ہے۔

نظم کا خلاصہ : اکبرالہٰ آبادی کے زمانے میں ہندوستان میں سیاسی، سماجی، اور تہذیبی سطح پر بہت سی تبدیلیاں ہو رہی تھیں ان میں مغربی تہذیب کی تقلید کی جارہی تھی۔ اکبر مغربی تہذیب کی اندھی تقلید کے مخالف تھے۔ ان کی دور اندیش نگاہوں نے آنے والے وقت اور بدلاؤ کا اندازہ کرلیا تھا اسی بدلاؤ کو انھوں نے اس نظم میں پیش کیا ہے۔

یہ موجودہ طریقے راہی ملک عدم ہونگے

نئی تہذیب ہوگی اور نئے ساماں بہم ہوں گے
نئے عنوان سے زینت دکھائیں گے حسیں اپنی
نہ ایسا پیچ زلفوں میں، نہ گیسو میں یہ خم ہوں گے
نہ خاتونوں میں رہ جائیگی پردے کی یہ پابندی
نہ گھونگھٹ اس طرح سے حاجب روئے صنم ہونگے

تشریح : شاعر کہتا ہے کہ مستقبل میں آج کے طریقے رواج سے باہر ہو جائیں گے اور نئی تہذیب اور نئے طریقے رواج پائیں گے۔ نئے دور میں عورتوں میں پردے کی پابندی ختم ہو جائیگی، گھونگھٹ کا رواج اٹھ جائیگا اور وہ بھی مشرقی خاتون کی طرح اپنی زینت کا مظاہرہ سرِ عام کریں گی۔

بدل جائیگا اندازِ طبائع دورِ گردوں سے
نئی صورت کی خوشیاں اور نئے اسبابِ غم ہونگے
خبر دیتی ہے تحریک ہوا تبدیل موسم کی
کھلینگے اور ہی گل، زمزمے بلبل کے کم ہونگے

تشریح : شاعر کہتا ہے کہ زمانہ میں بدلاؤ کے ساتھ ساتھ لوگوں کا مزاج اور طبیعت بھی بدل جائیگی یعنیٰ انکی پسند اور ناپسند آج کے دور کے انسانوں سے مختلف ہوگی۔

عقائد پر قیامت آئیگی ترمیم ملّت سے
نیا کعبہ بنے گا، مغربی پتلے صنم ہونگے
بہت ہونگے مغنی نغمہ تقلید یورپ کے
مگر بے جوڑ ہوں گے اس لئے بے تال وسم ہونگے
ہماری اصطلاحوں سے زباں نا آشنا ہوگی

لغاتِ مغربی بازار کی بھاکا سے ضم ہونگے

تشریح : آنے والے زمانے میں مغربی ملکوں کی تقلید کی پیروی کرنے والے بہت زیادہ ہونگے اوراس مغربی تہذیب کی تقلید کی وجہ سے نئے زمانے کی نسلیں دین سے ناآشنا اور اس دور کی زبان وادب سے بھی ناواقف ہونگی یہی نہیں بلکہ بازاروں میں اوردکانوں میں مغربی زبان اور مغربی ادب کی کتابوں کی ہی بھرمار ہوگی۔

بدل جائیگا معیارِ شرافت چشمِ دنیا میں
زیادہ تھے جو اپنے زعم میں وہ سب سے کم ہونگے
گزشتہ عظمتوں کے تذکرے بھی رہ نہ جائیں گے
کتابوں ہی میں دفن افسانہ جاہ وحشم ہوں گے

تشریح۔ زمانہ کے اس تغیّر سے شرافت کا معیار بھی تبدیل ہوجائے گا اور ہمارے اسلاف کے کارناموں کا کوئی ذکر بھی نہیں ہوگا بس انکی عظمتوں کے تزکرے اوران کی بہادری اور ایمان داری کے کارنامے کتابوں میں دفن ہوجائیں گے جن کا کوئی ذکر بھی نہیں کریگا۔

کسی کواس تغیّر کا نہ حس ہوگا نہ غم ہوگا
ہوئے جس ساز سے پیدا اسی کے زیروبم ہوں گے
تمھیں اس انقلاب دہر کا کیا غم ہے اے اکبؔر
بہت نزدیک ہیں وہ دن کہ تم ہوگے، نہ ہم ہوں گے

تشریح : شاعر کہتا ہے کہ زمانے کے اس بدلاؤ کا کسی کواحساس نہیں ہوگا اور کسی کو اس بدلاؤ پر افسوس بھی نہیں ہوگا تو پھر اے نظیر تم اس تغیّر پر اتنا غمگین کیوں ہورہے ہو کیوں کہ عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جب تم اس دنیا سے رخصت ہوجاؤ گے۔

ڈاکٹر سر محمد اقبال

شعاعِ امید

سورج نے دیا اپنی شعاعوں کو یہ پیغام — دنیا ہے عجب چیز کبھی صبح کبھی شام
مدت سے تم آوارہ ہو پہنائے فضا میں — بڑھتی ہی چلی جاتی ہے بے مہری ایام
نے ریت کے ذرّوں پہ چمکنے میں ہے راحت — نے مثلِ صبا طوفِ گل و لالہ میں آرام
پھر میرے تجلی کدہ دل میں سما جاؤ — چھوڑو چمنستان و بیابان و درو بام

آفاق کے ہر گوشے سے اٹھتی ہیں شعاعیں — بچھڑے ہوئے خورشید سے ہوتی ہیں ہم آغوش
اک شور ہے مغرب میں اجالا نہیں ممکن — افرنگ مشینوں کے دھوئیں سے ہے سیہ پوش
مشرق نہیں گو لذت نظارہ سے محروم — لیکن صفت عالم لاہوت ہے خاموش
پھر ہم کو اسی سینہ روشن میں چھپالے — اے مہرِ جہاں تاب نہ کر ہم کو فراموش

اک شوخ کرن، شوخ مثالِ نگہ حور — آرام سے فارغ صفت جوہر سیماب
بولی کہ مجھے رخصت تنویر عطا ہو — جب تک نہ ہو مشرق کا ہر اک ذرہ جہاں تاب
چھوڑوں گی نہ میں ہند کی تاریک فضا کو — جب تک نہ اٹھیں خواب سے مردان گراں خواب
خاور کی امیدوں کا یہی خاک ہے مرکز — اقبال کے اشکوں سے یہی خاک ہے سیراب
چشم مہ و پرویں ہے اسی خاک سے روشن — یہ خاک کہ ہے جس کا خزف ریزہ، دُرِ ناب
اس خاک سے اٹھے ہیں وہ غواصِ معانی — جن کے لئے ہر بحر پُر آشوب ہے پایاب

جس ساز کے نغموں سے حرارت تھی دلوں میں　　محفل کا وہی ساز ہے بیگانہ مضراب

300 خزینہ اردو اکمل نعیم صدیقی

بت خانہ کے دروازے پہ سوتا ہے برہمن　　تقدیر کو روتا ہے مسلماں تہ محراب

مشرق سے ہو بیزار نہ مغرب سے حذر کر　　فطرت کا اشارہ ہے کہ ہر شب کو سحر کر

تشریح　:　شعاع امید اقبال کی مشہور نظم ہے جس کو انھوں نے تمثیلی انداز میں پیش کیا ہے۔ تمثیل کے معنی ہوتے ہیں کسی غیر ذی روح کو ذی روح بنا کر پیش کرنا۔ اس نظم کا مقصد ہندوستانی قوم کو ناامیدی اور مایوسی سے نکال کر بیدار کرنا ہے۔ اس نظم کا انداز مکالماتی ہے کیونکہ نظم میں سورج اور ایک شوخ کرن کے درمیان مکالمے کے ذریعے ہندوستان کی سرزمین کو روشن کرنے اور اس کے باشندوں کو جگانے کا پیغام دیا گیا ہے۔

جوشؔ ملیح آبادی

شبّیر حسن خاں جوشؔ، لکھنئو میں 1898ء میں پیدا ہوئے۔ ان کا وطن ملیح آباد تھا۔ آپ کے پردادا نواب فقیر محمد خاں گویاؔ مشہور شاعر تھے۔ 1982ء میں اسلام آباد میں آپ کا انتقال ہوا۔ 1916ء میں والد کے انتقال کے بعد کلکتہ آ گئے۔ کلکتہ میں رابندر ناتھ ٹیگور سے ملاقات اور ان کی شاعری سے متاثّر ہو کر جوش ادب کی طرف راغب ہوئے۔

1924ء میں وہ عثمانیہ یونی ورسٹی، حیدر آباد کے دارالترجمہ میں ناظر ادب کے طور پر ملازم ہو گئے۔ یہاں انھوں نے 10 سال کام کیا۔ 1934ء میں وہ دہلی آ گئے۔ انھوں نے بعد میں "قلم" کے عنوان سے ایک رسالہ بھی جاری کیا۔ اس کے بعد وہ پونا کی ایک فلم کمپنی میں ملازم ہو گئے۔ آزادی کے بعد وہ حکومت ہند کے رسالے "آج کل" کے مدیر مقرر ہوئے اور دہلی میں ہی سکونت اختیار کر لی۔ 1955ء میں حکومت ہند نے انھیں پدم بھوشن سے نوازا۔ 1956ء میں وہ پاکستان چلے گئے اور ایک عرصہ تک ترقی اردو بورڈ، کراچی سے منسلک رہے اور اردو لغت کا کام کرتے رہے۔ زندگی کے بقیہ دن انھوں نے اسلام آباد میں گزارے۔

جوشؔ نہ صرف زود گو شاعر تھے بلکہ کم وقت میں طویل نظم کہنے کی استعداد بھی رکھتے تھے۔ 1921ء میں انکا پہلا مجموعہ کلام ''روح ادب'' شائع ہوا۔ ''شعلہ و شبنم''، ''حرف و حکایت''، ''سنبل و سلاسل'' انکے مشہور مجموعے اور ''حرفِ آخر'' انکی نامکمل طویل نظم ہے۔ ''یادوں کی بارات'' انکی خودنوشت ہے۔ جوش کو ''شاعر انقلاب'' اور ''شاعر فطرت'' کہا جاتا ہے۔

البیلی صبح (نظم)

نظر جھکائے عروس فطرت جبیں سے زلفیں ہٹا رہی ہے
سحر کا تارا ہے زلزلے میں، افق کی لو تھرتھرا رہی ہے
روش روش نغمۂ طرب ہے، چمن چمن جشن رنگ و بو ہے
طیور شاخوں پہ ہیں غزل خواں، کلی کلی گنگنا رہی ہے
ستارہ صبح کی رسیلی، جھپکتی آنکھوں میں ہیں فسانے
نگار مہتاب کی نشیلی نگاہ جادو جگا رہی ہے
طیور، بزم سحر کے مطرب، لچکتی شاخوں پہ گا رہے ہیں
نسیم، فردوس کی سہیلی، گلوں کو جھولا جھلا رہی ہے
کلی پہ بیلے کی، کس ادا سے پڑا ہے شبنم کا ایک موتی
نہیں یہ ہیرے کی کیل پہنے کوئی دلہن مسکرا رہی ہے
سحر کو مدّنظر ہیں کتنی رعایتیں چشم خوں فشاں کی
ہوا بیاباں سے آنے والی لہو کی سرخی بڑھا رہی ہے
شلوکا پہنے ہوئے گلابی، ہر اک سبک پنکھڑی چمن میں
رنگی ہوئی سرخ اوڑھنی کا ہوا میں پلّو سکھا رہی ہے
فلک پہ اس طرح چھپ رہے ہیں ہلال کے گردو پیش تارے
کہ جیسے کوئی نئی نویلی جبیں سے افشاں چھڑا رہی ہے
کھٹک یہ کیوں دل میں ہو چلی پھر، چٹکتی کلیو، ذرا ٹھہرنا
ہوائے گلشن کی نرم رو میں یہ کیسی آواز آ رہی ہے

تشریح۔ شاعر نے اس نظم میں صبح کے خوبصورت منظر کی تصویر کشی کی ہے۔شاعر کہتا ہے کہ صبح کے وقت ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے فطرت ، دلہن کی طرح اپنی پیشانی سے زلفیں ہٹا کر صبح کو نمودار کرتی ہے۔صبح کے نزول کی وجہ سے، صبح کا تارا اور چاند اب چھپنے والے ہیں۔چمن میں ہر طرف تازگی اور خوشبو پھیلی ہوئی ہے۔ پرندے درختوں کی شاخوں پر گیت گا رہے ہیں اور صبح کی ٹھنڈی ہوا مانو پھولوں سے لدی ٹہنیوں کو جھولا جھلا رہی ہیں۔کلی پر گری ہوئی شبنم کی بوند دلہن کی ناک میں مانو ہیرے کی کیل پہنی ہوئی ہو اور آسمان میں چاند کے گرد چھپتے تارے ایسے لگ رہے ہیں مانو نئی نویلی دلہن اپنی پیشانی سے افشاں یعنی چمکی اتار رہی ہو۔

میر انیس : شہادت حضرت عبّاس (مرثیہ)

مصنّف کا تعارّف : میر ببّر علی انیسؔ ۱۸۰۲ء میں فیض آباد میں پیدا ہوئے اور ۱۸۷۴ء میں لکھنؤ میں ان کی وفات ہوئی۔ میر انیسؔ، میر محمد مستحسن خلیقؔ کے بیٹے تھے۔

مرثیہ کے اشعار کی تشریح (پہلا بند)

گرنے لگا جس دم علمِ سیّد والا عبّاس نے جھک کر اسے گردن سے سنبھالا

اک تیر لگا چشم پر اور سینے پہ بھالا بند آنکھیں ہوئیں، منھ سے لہو شیر نے ڈالا

خم تھے کہ پڑا فرق پہ گرز ایک شقی کا شق ہو گیا سر حضرتِ عبّاسِ علی کا

تشریح ۔ مرثیہ نگار نے مرثیہ کے اس جز میں حضرتِ عبّاس کی شہادت کا بیان کیا ہے ۔انیسؔ کے مطابق عبّاس اپنی بہن سکینہ کے لئے پانی لینے جاتے ہیں مگر دشمن کی فوج کے سپاہی ان کے دونوں بازو کاٹ دیتے ہیں جب حضرت عبّاس کا دوسرا بازو بھی کٹ جاتا ہے تو جھنڈا نیچے گرنے لگتا ہے عبّاس فوراً اپنی گردن سے جھنڈے کو سنبھالتے ہیں مگر اسی دم انکی آنکھ پر ایک تیر اور سینے پر بھالا آ کر لگتا ہے جس کی وجہ سے انکی آنکھیں بند ہو جاتی ہیں اور منھ سے لہو آنے لگتا ہے۔ ابھی عبّاس اس وار کی وجہ سے جھکے ہوئے ہی تھے کہ انکی پیشانی پر ایک شقی یعنی سخت دل سپاہی کا گرز (گدا) آ کر لگتا ہے جس کی وجہ سے انکا سر شق (پھٹ) ہو جاتا ہے۔

(دوسرا بند)

کچھ گرزِ گراں بار کا صدمہ نہیں تھوڑا سر پھٹ گیا پر مشک کو ہاتھوں سے نہ چھوڑا
زیں سے جو گرے آپ، کھڑا ہو گیا گھوڑا پھر تیر نے مشکیزے کو اور سینے کو توڑا
پانی جو بہا، عید ہوئی فوجِ عدو میں مچھلی سے تڑپنے لگے عبّاس لہو میں

تشریح۔ پے در پے حملوں اور وار کے باوجود عبّاس نے پانی کی مشک کو دانتوں میں دبائے رکھا۔لیکن حملوں کی شدّت سے آپ گھوڑے سے نیچے گر گئے اور آپ کا گھوڑا دو پیروں پر کھڑا ہو گیا۔تبھی ایک تیر ان کی مشک پر لگا اور مشک پھٹ گئی۔سارا پانی زمیں پر بہنے لگا۔مشک کے پھٹنے اور پانی بہنے سے دشمن فوج میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور ادھر عبّاس خون میں لتھ پتھ زمین پر گر پڑتے ہیں۔

(تیسرا بند)

ناگاہ یہ آوازِ علی دشت سے آئی شبیر خبر لے کہ تصدق ہوا بھائی
چلّائی یہ زینب کہ دہائی ہے دہائی حضرت نے کہا لٹ گئی بابا کی کمائی
تشریف شہہ ہر دو سرا لائے ہیں، زینب عبّاس کے لاشے پہ علی آئے ہیں، زینب

تشریح۔عبّاس کو گرتا دیکھ حضرت علی شلاّتے ہیں کہ اے شبّیر، تیرا بھائی شہید ہو گیا ہے اس کی خبر لے۔یہ سن کر بی بی زینب بھی افسوس اور غم کے مارے چلاّ اٹھتی ہیں۔پھر دونوں جہاں کے بادشاہ یعنی حضرت علی عبّاس کی لاش کے پاس آتے ہیں۔

(چوتھا بند)

جب کٹ گئے دریا پہ علم دار کہ بازو شانوں سے جدا ہو گئے جرار کے بازو
ریتی پہ گرے شاہ کے غم خوار کے بازو تھرّانے لگے سیّد ابرار کے بازو
رنگ اڑ گیا، تصویر علم ہو گئے شبیّر ہاتھوں سے جگر تھام کے خم ہو گئے شبیّر
چلّائے بہ صد غم مرے بھائی، مرے بھائی کیا دل کا ہے عالم مرے بھائی، مرے بھائی
کیوں چشم ہے پرنم مرے بھائی، مرے بھائی اکھڑا ہے ترا دم مرے بھائی، مرے بھائی
سینے میں اجل، سانس ٹھہرنے نہیں دیتی ہچکی تمہیں اب بات بھی کرنے نہیں دیتی

تشریح۔ جب بھائی عبّاس کے بازو کٹتے ہوئے اور انکو خاک پہ گرتے ہوئے شبّیر نے دیکھا تو وہ غم و علم کی تصویر ہو گئے اور انہوں نے اپنے جگر کو تھام لیا اور غم کے مارے میرے بھائی، میرے بھائی کہ کر چلاّنے لگے۔عبّاس کا اب آخری وقت ہے اور ہچکیاں انہیں اب بات بھی کرنے نہیں دے رہی ہیں۔

(پانچواں بند)

یہ کہتے تھے حضرت کہ قیامت ہوئی طاری عبّاس علم دار کراہے کئی باری
اٹکا جو دم آنکھوں میں تو آنسو ہوئے جاری تن رہ گیا، اور روح سوئے خلد سدھاری
چلاّ کے جو شہ روئے تو گھبرائی سکینہ نکلا تھا دم انکا کہ نکل آئی سکینہ

تشریح۔ حضرت عبّاس کئی بار درد کی شدّت سے کراہے اور پھر انکی روح جنّت کی طرف پرواز کر گئی انکا وصال ہوتے ہی حضرت علی چلاّ کر رو پڑے اور انکی آواز سن کر سکینہ گھبرا کر خیمے سے باہر نکل آئی۔

(چھٹا بند)

لاشے پہ عبا ڈال کے شبیّر پکارے کیوں گھر سے نکل آئیں، میں قربان تمہارے
گھبرا کے سکینہ نے کہا، پیاس کے مارے حضرت نے کہا بھائی تو دنیا سے سدھارے
میں تم کو اسی واسطے سمجھاتا تھا روکر اب ڈھونڈنے آئی ہو، مرے بھائی کو کھوکر
سر پیٹ کے ہاتھوں سے چلّائی وہ بے پر دکھلا دو مجھے لاشہ عباسِ دلاور
اکبر نے کہا رو کے، نہ مانے گی یہ مضطر حضرت نے کہا لاشِ علم دار دکھا کر
پانی کی تمنّا میں ہزاروں سے لڑے ہیں منھ دیکھ لو، یہ شیر سے عبّاس پڑے ہیں

تشریح۔عبّاس کی لاش پر شبّیر نے کپڑا ڈالا اور سکینہ سے کہا کہ میں تمہیں اسی لئے سمجھاتا تھا مگر تم نہ مانی مگر دیکھو تمہاری پیاس بجھانے کے لئے عبّاس پانی لینے گئے مگر زندہ نہ لوٹے اور شہید ہو گئے۔تمہارے لئے پانی حاصل کرنے کے لئے یہ شیر ہزاروں سپاہیوں سے لڑا ہے آؤ اور اس شیر عبّاس کا چہرا دیکھ لو۔

(ساتواں بند)

میّت سے لپٹنے کو جو وہ دوڑ کے آئی حضرت نے عبا، بھائی کے چہرے سے اٹھائی
چلّائی سکینہ کہ دہائی ہے دہائی ریتی میں علم دار نے بھی شکل چھپائی
تھرّانے لگا لاشہ سقّائے سکینہ لاشے سے صدا آنے لگی ہائے سکینہ

تشریح۔بیقرار ہو کر سکینہ میّت سے لپٹنے کے لئے دوڑی تو شبّیر نے عبّاس کے چہرے سے کپڑا ہٹا دیا بھائی کی لاش دیکھ کر سکینہ غم کے مارے چلّانے لگی۔سکینہ کا غم دیکھ کر سقّائے سکینہ یعنیٰ عبّاس کا جسم بھی مانو تھرّانے لگا اور بہن کی پیاس اور درد و غم پر افسوس کرنے لگا۔

غزل

مولانا حالی : (1837ء تا 1914ء)

غزل کے اشعار کی تشریح

اب بھاگتے ہیں سایۂ عشقِ بتاں سے ہم
کچھ دل سے ہیں ڈرے ہوئے کچھ آسماں سے ہم

تشریح ۔ شاعر کہتا ہے کہ ہمارا دل حسینوں کے عشق (عشقِ بتاں) میں مبتلا ہے اور یہ حسین لوگ اپنے معشوق پر طرح طرح سے ظلم وستم ڈھاتے ہیں اس لئے ہم اب ان کے سائے سے بھی دور بھاگتے ہیں کیونکہ ہمارے دل میں ان کی جانب سے ڈر بیٹھ گیا ہے۔ انسان پر تمام آفتوں کا نزول آسمان کے ذریعہ ہی ہوتا ہے اس لئے شاعر کہتا ہے کہ ہم دل سے تو ڈرے ہوئے ہیں مگر آسمان کی جانب سے بھی خطرہ لاحق ہے۔

خود رفتگی شب کا مزہ بھولتا نہیں
آئے ہیں آج آپ میں یارب کہاں سے ہم

تشریح ۔ شاعر کہتا ہے کہ رات کو جو مدہوشی کا عالم تھا وہ بہت پر کیف تھا کیونکہ اس عالم میں آدمی کو دنیا کے دکھ، درد، رنج وغم کچھ یاد نہیں رہتے۔ اسی لئے وہ کہتا ہے کہ میں اس مدہوشی کا مزہ بھول نہیں پا رہا ہوں۔ اسی طرح عشق میں بھی ہوش مندی سے زیادہ مدہوشی ہوتی ہے کیونکہ ہم ہر وقت معشوق کے تصور میں کھوئے رہتے ہیں۔ لہٰذا وہ شکوہ کر رہا ہے کہ وہ ہوش میں کیوں آ گیا۔

اب شوق سے بگاڑ کی باتیں کیا کرو
کچھ پا گئے ہیں آپ کی طرزِ بیاں سے ہم

تشریح ۔ شاعر اپنے محبوب سے کہتا ہے کہ ہم آپ کا طرزِ بیان جان گئے ہیں کہ آپ ہم سے جس بے رخی کا مظاہرہ کر رہے ہو دراصل اس کے پیچھے ہمارا لگاؤ اور محبت چھپی ہوئی ہے۔یعنی ہم سے آپ کی بے رخی صرف ایک دکھاوا یا آپ کی ادا کا حصہ ہے۔

دلکش ہر ایک قطعہ صحرا ہے راہ میں
ملتے ہیں جا کے دیکھئے کب کارواں سے ہم

تشریح ۔ شاعر کہتا ہے کہ راستے کا ہر حصہ بہت خوب صورت ہے جو ہمیں اپنی طرف متوجہ کر رہا ہے، اگر ہم اس کی خوب صورتی اور دلکشی میں کھو گئے تو پھر پتہ نہیں کب اپنی منزل کو پائیں گے۔یعنی منزل پانے کے لئے ، راستے کی دلکشی سے منھ موڑنا پڑتا ہے ورنہ منزل تک پہونچنا مشکل ہو جاتا ہے۔

لذت تیرے کلام میں آئی کہاں سے یہ
پوچھیں گے جا کے حالؔی جادو بیاں سے ہم

تشریح ۔ اس شعر میں صنعتِ تعلّی ہے۔اس کے ساتھ ہی تجاہلِ عارفانہ بھی ہے۔اس مقطع میں حالؔی خود سے مخاطب ہو کر اپنے کلام کی تعریف بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے حالی تیرے کلام میں یہ لذت اور جادو بیانی کی تاثیر کہاں سے آئی ہے۔

معین احسن جذبی

(1912ء تا 2004ء)

غزل کے اشعار کی تشریح

زندگی ہے تو بہر حال بسر بھی ہوگی

شام آتی ہے تو آئے کہ سحر بھی ہوگی

تشریح ۔ شاعر کہتا ہے کہ خدا نے زندگی دی ہے تو وہ گزر بھی جائے گی۔زندگی میں خوشی اور غم کا سلسلہ چلتا ہی رہتا ہے۔غموں کے آجانے سے زندگی رک نہیں جاتی بلکہ جس طرح ہر شام کے بعد صبح ہوتی ہے ویسے ہی غم کے بعد خوشی بھی آتی ہے۔

پرسشِ غم کو وہ آئے تو اک عالم ہوگا

دیدنی کیفیتِ قلب و جگر بھی ہوگی

تشریح ۔ شاعر کے مطابق اگر ہمارا محبوب ہمارا حال پوچھنے آئے گا تو وہ ایک الگ ہی ساعت ہوگی کہ اس کی موجودگی میں ہم اپنے سارے غم بھول جائیں گے اور ہمارے دل و جگر پر خوشی کی الگ ہی کیفیت طاری ہوگی جو بیان سے باہر ہے۔

منزلِ عشق پہ یاد آئیں گے کچھ راہ کے غم

مجھ سے لپٹی ہوئی کچھ گردِ سفر بھی ہوگی

تشریح ۔ جب ہم عشق کی منزل پر پہنچ جائیں گے یعنی جس مقام کی جستجو کی ہوگی تو وہاں پہنچ کر، اس راہ میں اٹھائی گئی تکالیف یاد آئیں گی۔یہاں پہونچنے کے بعد بھی راہ کے کچھ رنج وغم ہمارے ساتھ ہونگے۔

ہوگا افسردہ ستاروں میں کوئی نالۂ صبح
غنچہ و گل میں کہیں بادِ سحر بھی ہوگی

تشریح ۔ شاعر کے مطابق جب ہم منزل پر پہونچنے والے ہوتے ہیں تو ایک طرف تو منزل پانے کی خوشی ہوتی ہے دوسری طرف راہ میں ساتھ چلنے والوں سے بچھڑنے کا غم بھی ہوتا ہے۔شاعر کہتا ہے جب صبح ہونے والی ہوتی ہے تو ستاروں کے دل مغموم ہوجاتے ہیں جبکہ باغ میں صبح کی ٹھنڈی ہواؤں کی آمد سے خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔

دل اگر ہے تو جس راہ پے لے جائے گا
دردمندوں کی وہی راہ گزر بھی ہوگی

تشریح ۔ شاعر کہتا ہے کہ دل اگر درحقیقت دل ہے تو وہ دوسرے انسانوں کے دکھ درد سے ضرور متاثر ہوگا اور ہمیں اس بات کا احساس رہیگا کہ ہم اکیلے اس مصیبت سے نہیں گزرے ہیں بلکہ اور لوگ بھی یہاں سے گزر چکے ہیں۔

ناصرؔ کاظمی

(1925ء تا 1972ء)

اشعار کی تشریح

یہ شب، یہ خواب و خیال تیرے
کیا پھول کھلے ہیں، منھ اندھیرے

تشریح ۔ ساری شب شاعر نے اپنے محبوب کے خواب دیکھے ہیں اور اب جب صبح اس کی آنکھ کھلی تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے محبوب کی یاد کے خوب صورت پھول کھلے ہوئے ہیں۔ یہاں محبوب کی یاد کو پھولوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔

شعلے میں ہے اک رنگ تیرا

باقی ہے تمام رنگ میرا

تشریح ۔ شعلہ میں جو نور اور روشنی ہے اسے محبوب سے منسوب کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ شعلہ کی روشنی جو تاریکی دور کرتی ہے وہ تیرا رنگ ہے کیونکہ تیرے آنے سے دل پرنور ہو جاتا ہے۔شاعر کہتا ہے کہ تیرے نور کے آگے میرے تمام رنگ پھیکے پڑ جاتے ہیں۔

آنکھوں میں چھپائے پھر رہا ہوں

یادوں کے بجھے ہوئے سویرے

تشریح ۔ انسان اپنی ماضی کی باتوں کو کبھی بھول نہیں پاتا ہے اسی فطرت کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں اپنی پرانی یادوں ،جنہیں بجھے ہوئے سویرے سے تشبیہ دی ہے، کو اپنی آنکھوں میں چھپائے ہوئے ہوں۔

دیتے ہیں سراغ فصلِ گل کا

شاخوں پر جلے ہوئے بسیرے

تشریح ۔ یہ قدرت کا دستور ہے کہ خزاں کے بعد بہار کا موسم آتا ہے۔اسی بات کو شاعر نئے انداز میں کہہ رہا ہے کہ چمن میں جلے ہوئے آشیانوں سے یہ پتہ چل رہا ہے کہ خزاں کا موسم چلا گیا ہے اور اب بہار کے موسم کی آمد ہے۔یعنی انسان کی زندگی کے دکھ درد، اس کی آئندہ زندگی میں آنے والی خوشیوں کا پتہ دیتے ہیں کیونکہ غم کے بعد خوشی کا آنا ایک فطری

300 صدیقی

عمل ہے۔

منزل نہ ملی تو قافلوں نے

رستے میں جمالئے ہیں ڈیرے

تشریح ۔ شاعر کے مطابق انسان جب زندگی کا سفر شروع کرتا ہے تو اپنی ایک منزل مقرر کرتا ہے اور پھر اس کی جستجو کرتا ہے لیکن سبھی کو اپنی مقرر کردہ منزل نہیں ملتی تو وہ تھک کر بیچ میں ہی رک جاتا ہے اور جو اسے مل جائے اسے ہی منزل بنالیتا ہے۔

جنگل میں ہوئی ہے شام ہم کو

بستی سے چلے تھے منھ اندھیرے

تشریح ۔ شاعر کہتا ہے کہ ہم نے صبح جلدی اپنا سفر اس ارادے سے شروع کر دیا تھا کہ شام تک منزل مقصود کو پالینگے مگر ایسا نہ ہوسکا اور جنگل سے گزرتے ہوئے ہی ہمیں شام ہو گئی ہے۔جنگل چونکہ بستی سے دور ہوتا ہے اس لئے یہ منزل مقصود تک نہ پہونچ پانے کی علامت ہے۔یعنی بہت محنت کرنے کے باوجود ہم اپنی زندگی میں ،منزل مقصود کو نہیں پا سکے۔

رودادِ سفر نہ چھیڑ ناصرؔ

پھر اشک نہ تھم سکیں گے میرے

تشریح ۔ شاعر کہتا ہے کہ مجھ سے میری زندگی کے سفر کی روداد نہ پوچھو کیونکہ اس سفر میں، میں نے جو دکھ اور تکالیف برداشت کی ہیں ان کو یاد کر کے میرے اشک نہ تھم سکیں گے۔ یعنی میں نے اپنی زندگی میں بہت زیادہ رنج والم کا سامنہ کیا ہے۔

ن۔م۔راشد

(1910ء تا 1975ء)

ن م راشد کا شمار اردو کے ممتاز آزاد نظم نگاروں میں ہوتا ہے۔ان کی شاعری کا سب سے بڑا امتیاز ان کی دانشورانہ حیثیت ہے۔"زندگی سے ڈرتے ہو"ان کی مشہور نظم ہے جس میں انہوں نے یہ بتایا ہے کہ زندگی ایک مسلسل امکان ہے اور انسان اس کائنات میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ اسے اپنی ذمہ داریوں کو سمجھتے ہوئے زندگی کو آگے بڑھانا چاہئے۔نظم میں انہوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ مستقبل کے خوف سے آزاد ہوکر ہمیں جو کچھ آج مہیا ہے اس سے لطف اندوز ہونا چاہئے۔

نظم کے بندوں کی تشریح

زندگی سے ڈرتے ہو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔آدمی تو ہم بھی ہیں۔

تشریح ۔ شاعر آدمی سے مخاطب ہے اور کہتا ہے کہ زندگی سے کیوں ڈرتے ہو ؟ زندگی سے ڈرنا نہیں چاہئے۔جس طرح تم ہو اسی طرح بڑی تعداد میں انسان اور بھی اس دنیا میں زندگی گزار رہے ہیں۔

آدمی زباں بھی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔آگہی سے ڈرتے ہو۔

تشریح ۔ شاعر کہتا ہے کہ خدا نے انسان کو زبان عطا کی ہے جس سے وہ اپنے سکھ دکھ بیان کرتا ہے۔لیکن سکھ دکھ تو زندگی میں آتے ہی رہتے ہیں لہٰذا ایسی باتوں سے ڈر کیسا ؟ پھر آنے والے وقت میں کون سی گھڑی کیسی ہوگی یہ ابھی سے سوچ کر ڈرنا اور گھبرانا ٹھیک نہیں ہے بلکہ مستقبل کا ڈر چھوڑ کر حال کی خوشی کا مزہ لینا چاہئے۔

پہلے بھی تو گزرے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔روشنی سے ڈرتے ہو۔

تشریح ۔ اس بند میں شاعر نے پچھلے ادوار کے لوگوں کا حال کے لوگوں سے موازنہ کیا ہے ۔وہ کہتے ہیں کہ پہلے کے زمانے میں لوگوں کو سخت تکلیفوں اور پریشانیوں کا سامنہ کرنا پڑا۔ ماضی میں انسان ایسے دور سے گزرا ہے جہاں نارسائی سے اس کا سامنا ہوا۔ جہاں اسے بے ریا خدائی کا سہارا ملا۔تم کل کے خوف سے کیوں خاموش ہوا گر لبوں نے کام کرنا بند کر دیا تو کیا ہوا۔ابھی ہاتھوں میں تو دم باقی ہے۔ یہ ہاتھ جب حرکت میں آئیں گے تو راستے کے نشان بن جائیں گے۔نور کی زبان بن کر یہی ہاتھ بول اٹھتے ہیں ۔یہی آواز صبح کی اذان کی آواز بن کر چاروں طرف پھیل جاتی ہے۔ یہ ہاتھ تمھیں روشنی کی طرف لے جاتے ہیں۔اس روشنی سے کیا ڈرنا۔ یہ روشنی تو زندگی کی کامیابی کی دلیل ہے۔

شہر کی فصیلوں پر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔تم ابھی سے ڈرتے ہو۔

تشریح ۔ نظم کے آخری بند میں شاعر فرماتا ہے کہ شہر کی چہار دیواری پر جس دیو کا سایہ تھا، اس سے شہر پاک ہو گیا یعنی غلامی کا اندھیرا ختم ہو گیا۔لوگوں نے انقلاب زندہ باد کی آواز لگائی اور انہیں آزادی مل گئی۔ وہ ہسنے لگے، اجڑے ہوئے شہر پھر سے آباد ہونے لگے۔ اجڑنے اور بسنے کا یہ عمل بدستور جاری ہے۔لیکن تم ابھی سے ڈرتے ہو کیوں ؟ غلامی سے آزادی پا کر لوگوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی ہے۔ مارے خوشی کے ان کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو چھلک پڑے ہیں۔ اتنا سب کچھ ہونے کے بعد بھی تم ڈرتے ہو۔ دیکھو زندگی ایک مشکل امکان کا نام ہے، اس لئے خوف زدہ ہونے کے بجائے اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنا چاہئے اور زندگی کے سلسلہ کو آگے بڑھاتے رہنا چاہئے۔

شعرا کی سوانح حیات اور خصوصیات کلام

ولی دکنی

ولی اورنگا باد میں 1667ء میں پیدا ہوئے۔ وہ ایک صوفی خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور خود بھی مشہور صوفی سعد اللہ گلشن کے مرید ہوئے۔ انھوں نے بیرون گجرات کے کئی سفر کیئے جس کی وجہ سے ان کی شاعری کی شہرت ملک کے مختلف حصوں میں پھیل گئی ۔ وہ دو مرتبہ دہلی آئے۔ دوسری مرتبہ جب وہ دہلی آئے تو اپنا دیوان بھی ساتھ لائے۔

ولی نے غزل میں تصوف کے موضوعات اور عشقیہ مضامین کو نہایت خوب صورتی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ان کی زبان قدیم اردو (دکنی اردو) ہوتے ہوئے بھی نہایت سہل اور موثر ہے۔ یہ زبان دکنی اور دہلوی اردو کے درمیان کی ایک کڑی کہی جا سکتی ہے۔

ولی سے قبل دکن میں مثنوی کا بہت زور تھا مگر ولی نے غزل کو اولیت دی اور دکنی ادب میں اسے ایک ممتاز درجہ دیا۔

نظیر اکبر آبادی

ولی محمد نظیر اکبر آبادی 1740ء میں دہلی میں پیدا ہوئے اور 1830ء میں آگرہ میں انتقال کیا۔ نظیر نے ہندوستان کے موسموں، میلوں، تہواروں اور انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو عوامی زبان میں پیش کیا اس لئے 'عوامی شاعر' کہلائے۔ روٹیاں، بنجارہ نامہ، مفلسی، ہولی، آدمی نامہ اور کرشن کنہیا کا بالپن، روٹی نامہ، شہرِ آشوب، شبِ برات، بلدیو جی کا میلہ، آگرہ کی تیراک، خوشامد وغیرہ ان کی مشہور نظمیں ہیں۔

خواجہ میر دردؔ خواجہ میر درد (۱۷۲۱ء۔۱۷۸۵ء) کے بزرگ اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں بخارا سے ہندوستان آئے تھے۔ ان کے والد مشہور صوفی اور شاعر تھے جن کا نام خواجہ محمد ناصر عندلیبؔ تھا۔ گھر کے علمی ماحول کی وجہ سے خواجہ میر نے اردو، فارسی، عربی پر قدرت حاصل کر لی اور مطالعہ کے شوق کی وجہ سے قرآن، حدیث، فقہ، تفسیر، تصوف کا گہرا مطالعہ کر لیا تھا۔ پندرہ برس کی عمر میں ایک رسالہ تصنیف کر چکے تھے۔ فنِ موسیقی میں بھی مہارت حاصل تھی۔

دردؔ ایک بلند پایہ صوفی تھے اور شاہ و امرا بھی ان کی محفل میں دوزانو بیٹھتے تھے۔ تصنیف و تالیف کے شوق کی وجہ سے ان کی متعدد تصانیف ہیں۔ ان کا دیوان مختصر ہے لیکن ہے سراپا انتخاب۔ الفاظ و تراکیب کا انتخاب وہ بہت غور و فکر کے بعد کرتے ہیں اور صحتِ زبان کا بہت خیال رکھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کے اشعار میں بڑی دلکشی پائی جاتی ہے۔ وہ چھوٹی بحروں کا انتخاب کرتے ہیں اور الفاظ کو سلیقے سے ترتیب دیتے ہیں کہ شعر میں صوتی حسن پیدا ہو جاتا ہے۔

دردؔ صوفی شاعر ہیں مگر ان کے دیوان میں حقیقت کے ساتھ ساتھ مجاز کے شعر بھی کثرت سے ملتے ہیں۔ وحدت الوجود اور وحدت الشہود ان کے پسندیدہ موضوعات ہیں۔ موسیقی میں مہارت کی وجہ سے ان کے کلام میں بھی موسیقیت اور ترنّم پایا جاتا ہے۔

اکبرؔ الہٰ آبادی : نام سیّد اکبر حسین، اکبرؔ الہٰ آبادی، سید تفضّل حسین کے بیٹے تھے۔ بارہ، ضلع الہٰ آباد میں 16 نومبر 1846 میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر والد سے حاصل کی بعد میں جمنا مشن اسکول میں داخلہ لیا مگر 1857ء کے انقلاب کے باعث تعلیم جاری نہ رکھ سکے۔ ملازمت کی ابتدا عرائض نویسی سے کی۔ کچھ مدت کے بعد الہٰ

آباد میں نائب تحصیل دار ہو گئے۔ ہائی کورٹ کی وکالت کا امتحان پاس کر کے وکالت کا پیشہ اختیار کیا اور منصف کے عہدے تک پہونچے۔

1894 میں انھیں حکومت سے خان بہادر کا خطاب ملا۔ 1903 میں قبل از وقت پینشن لے کر علمی زندگی بسر کرنے لگے۔ ان کی زندگی کا آخری زمانہ ذہنی اور جسمانی تکالیف میں گزرا۔ 9 ستمبر 1921ء میں الہٰ آباد میں ہی انتقال کیا۔

اکبر نے شاعری کی ابتدا غزل گوئی سے کی۔ کلام پر اصلاح غلام حسین وحید سے لیتے تھے جو آتش کے شاگرد تھے۔ اکبر کے کلام میں یوں تو غزلوں کی تعداد کافی ہے لیکن ان کی انفرادیت کا کمال ان کی طنزیہ و مزاحیہ شاعری میں نمایاں ہوا ہے۔ انھوں نے اسے اصلاح قوم کے لئے ایک موثر ہتھیار کی طرح استعمال کیا ہے۔ نئی نسل کی اپنی مذہبی اور تہذیبی روایات سے بیگانگی، نوجوانوں کی بے راہ روی، عورتوں کی بے جا آزادی وغیرہ کو اکبر نے اپنے کلام کا نشانہ بنایا۔ ان کے یہاں عام الفاظ جیسے شیخ بدھو، جمن، کلو، اونٹ، گائے وغیرہ نئی وضعوں کے ساتھ نظر آتے ہیں۔ اکبر نے انگریزی الفاظ کا بھی خوب استعمال کیا ہے۔ اکبر کا کلام کلیات اکبر کے نام سے چار حصوں میں شائع ہو چکا ہے۔ ان کی نمائندہ تصانیف میں کلیاتِ اکبر، نئی تہذیب، دربارِ اکبری اور دربارِ دہلی شامل ہیں۔

میر انیسؔ : میر ببر علی انیسؔ 1802 میں فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ ان کے اجداد دہلی کے رہنے والے تھے۔ ان کے پردادا میر غلام حسین ضاحکؔ اپنے بیٹے میر حسنؔ کے ساتھ غدر کے بعد یہاں آ بسے تھے۔ میر انیسؔ کی ابتدائی تعلیم ان کے والد میر خلیق اور ان کی

والدہ، جو کہ ایک تعلیم یافتہ خاتون تھیں اور مذہبی امور کے ساتھ ساتھ فارسی پر بھی دسترس رکھتی تھیں، کے زیر سایہ مکمل ہوئی۔

میر انیس کا مطالعہ وسیع تھا اور عربی فارسی پر دسترس کے ساتھ ساتھ اس دور کے زیادہ تر علوم جیسے قرآن و حدیث، عروض، منطق، فلسفہ، طب، رمل سے انھیں واقفیت بھی تھی۔ اس کے علاوہ وہ فنِ سپہ گری اور فن شہ سواری سے بھی بخوبی واقف تھے۔ ان تمام فنون کی تعلیم انھوں نے اس زمانے کے مانے ہوئے استادوں سے حاصل کی تھی۔

میر انیسؔ نہایت خوددور اور پابند وضع شخص تھے۔ ان کو اپنے خاندان کی بزرگی اور علم و فضل پر بڑا فخر تھا۔ ان کی سب سے بڑی خاصیت یہ تھی کہ جب مرثیہ پڑھتے تھے تو اپنی آواز کے اتار چڑھاؤ اور چہرے کی حرکات و سکنات سے محفل میں سماں باندھ دیتے تھے۔ عمر کے آخری دور میں ان کے والد لکھنؤ چلے آئے تو انیس بھی ان کے ساتھ لکھنؤ آ گئے اور آخری عمر تک یہیں رہے۔ 1874ء میں ان کا انتقال ہوا۔

انیسؔ ایک قادر الکلام شاعر اور ماہر فن کار تھے۔ زبان پر انھیں بے پناہ قدرت حاصل تھی۔ لفظوں کے انتخاب اور استعمال میں ان کا کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ ایک ہی بات کو کئی طرح سے بیان کرنے کی قدرت رکھتے تھے۔ مشکل الفاظ اور عربی فارسی تراکیب اور محاورات کو بھی بے حد لطیف پیرایے میں نظم کرنے میں انھیں کمال حاصل تھا۔ نازک خیالات اور لطیف سے لطیف کیفیات کی ترجمانی وہ نہایت مناسب الفاظ اور بے حد موثر انداز میں کرتے ہیں۔

اسمٰعیل میرٹھی

محمد اسمٰعیل نام اور اسمٰعیل تخلص تھا۔ 1844 میں میرٹھ میں پیدا ہوئے اور ابتدائی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی۔ میرٹھ کے ہی ایک عالم رحیم بیگ سے فارسی کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ انگریزی زبان میں مہارت حاصل کی اور انجنیئر نگ کا کورس پاس کیا۔ قوم کے بچوں کی تعلیم میں دلچسپی کی وجہ سے انھوں نے معلمی کا پیشہ اختیار کیا۔ حالی اور شبلی ان کے عہد کے شعرا ہیں۔ اسمٰعیل میرٹھی نے اپنی شاعری کو بچوں کی تعلیم و تربیت کا ذریعہ بنایا۔ انھوں نے درسی کتابیں بھی لکھیں۔ ان کتابوں میں انھوں نے سادہ اور سلیس زبان میں اردو سکھانے کے ساتھ ساتھ اخلاقی تربیت کے لئے، اخلاقی موضوعات کو اس خوبی سے شامل کیا کہ قاری کی اخلاقی تربیت بھی ہو سکے۔ ان کا کلام کلیات اسمٰعیل کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ ان کی وفات 1917 میں میرٹھ میں ہوئی۔

حالی

حالیؔ الطاف حسین حالیؔ (1837ء۔1914ء) کی ولادت 1837ء میں پانی پت میں ہوئی تھی۔ ابتدائی تعلیم یہیں حاصل کی۔ عربی فارسی کی تعلیم کے لئے دہلی آئے۔ یہاں مرزا غالب کی خدمت میں باقاعدگی سے حاضر ہونے لگے۔ 1857ء کے بعد وہ نواب مصطفیٰ خان شیفتہؔ سے وابستہ ہو گئے۔ آٹھ برس شیفتہؔ کی صحبت میں گزارے۔

شیفتہ کی وفات کے بعد مولانا حالیؔ لاہور چلے آئے اور پنجاب گورمنٹ بکڈ پو میں ملازم ہو گئے۔ یہاں انہوں نے محمد حسین آزاد کے ساتھ مل کر ترقی پسند تحریک کے لئے

نئ نظموں کی بنیاد ڈالی۔انہوں نے آزادؔ کے مشاعروں میں چار نظمیں پڑھیں ۔ برکھا رت، نشاطِ امید، مناظرہ رحم و انصاف، اور حبِّ وطن۔صحت کی خرابی کے باعث آپ واپس دہلی آ گئے۔ دہلی میں آپ کی ملاقات سر سید سے ہوئی اور آپ ان کے خیالات سے بہت متاثر ہوئے۔ان کی فرمائش پر آپ نے ایک طویل نظم" مدّو جزر اسلام" لکھی۔اس نظم میں آپ نے اسلام کے عروج و زوال کی داستان بیان کی ہے۔سر سید اس نظم کو اپنی نجات کا ذریعہ مانتے تھے۔

حالیؔ غالب کو اپنا استاد مانتے ہیں اور انہوں نے" یادگارِ غالب" لکھ کر اپنی شاگردی کا حق بھی ادا کیا مگر ان کی شاعری پر غالب کی بجائے شیفتہؔ اور سر سید کا رنگ زیادہ نمایاں دکھائی پڑتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں سادگی پائی جاتی ہے اور مبالغہ آرائی سے انہوں نے اسے پاک رکھا ہے۔

مولانا حالیؔ کی شاعرانہ حیثیت مسلم ہے۔غزل اور نظم دونوں پر انہوں نے گہرا نقش چھوڑا ہے۔ان کی اصل خدمت یہ ہے کہ انہوں نے ایک نقاد کے طور پر" مقدمہ شعر و شاعری" لکھا اور قصیدہ و غزل کی خامیوں کو واضح کیا۔ شاعری میں سادگی، حقیقت اور اصلیت پر زور دیا۔ 31 دسمبر 1914 کو دہلی میں آپ کی وفات ہوئی۔ غالب، شیفتہ اور سر سیّد احمد خاں آپ کے استاد رہے ہیں۔

حالی کی نثری تصانیف ۔ مقدمۂ شعر و شاعری (آل احمد سرور کے مطابق اردو شاعری کا پہلا مینیفیسٹو)، یادگارِ غالب، حیاتِ جاوید (سوانح سر سیّد)، حیاتِ سعدی، مجالس النساء

حالی کی تصانیف (نظم میں) ۔ مسدّس مدّو جزر اسلام (سر سیّد احمد کی فرمائش پر لکھی)، مسدّس حالی، مناجاتِ بیوہ، برکھا رت، نشاطِ امیّد، حبِّ وطن، مناظرۂ رحم و انصاف

ن۔م۔راشد

نذر محمد راشدؔ کی پیدائش 1910 میں گجرانوالہ میں ہوئی تھی۔جوانی کے دنوں میں آپ تحریک خاکسار سے بھی متاثر رہے۔راشد نے انگریزی حکومت کی مخالفت کی تھی ۔راشد کچھ وقت تک آل انڈیا ریڈیو سے بھی وابستہ رہے۔اپنی زندگی کا زیادہ تر حصہ انھوں نے اپنی ملازمت کے سلسلہ میں ایران اور پھر UNO میں گزارا۔ان کا پہلا مجوعہ 'ماورا' ہے۔ان کا کلیات بھی شائع ہو چکا ہے۔1975 میں لندن میں ان کی وفات ہوئی۔ ان کی تصانیف میں ماورا، ایران میں اجنبی، گماں کا ممکن اور نثر میں 'جدید فارسی شاعری' اہم ہیں۔

ن م راشدؔ کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے آزاد نظموں کو اردو میں مقبول عام بنایا۔ آزاد نظم نگاروں نے ،آزاد نظم میں ہیّت کے تجربے کئے ہیں،ان میں ن م راشدؔ کا نام بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ ان کی شاعری علامتوں اور اشاروں کی شاعری ہے ۔ ان کے موضوعات فرد کی بعض نفسیاتی کیفیات کے گرد گھومتے نظر آتے ہیں۔وہ احساس کے بے ساختہ اظہار کے بھی قائل ہیں۔فن کی سطح پر راشد کی آزاد نظم کی گہری چھاپ، تکنیک کی دو مخصوص صورتوں میں بھی نظر آتی ہے۔اور وہ ہیں مصرعوں کی تکرار اور قافیوں کا التزام۔ مصرعوں کی تکرار کا انداز، ماورا، کی بیشتر نظموں میں پایا جاتا ہے۔

عرضی نویسی/مضمون نویسی/خطوط نگاری

مضمون نویسی

کسی موضوع کے متعلق آسان اور پر اثر الفاظ میں اختصار کے ساتھ اپنے خیالات کا سنجیدگی کے ساتھ اظہار کرنا مضمون نویسی کہلاتا ہے۔ مضمون میں تین حصے ہوتے ہیں اور ہر ایک حصہ ایک نئے پیراگراف سے شروع ہوتا ہے۔

(۱) تمہید : تمہید مضمون کا پہلا اہم حصہ ہے۔ تمہید کا مقصد اصل موضوع کو پڑھنے کے لئے قاری کو ذہنی طور پر تیار کرنا ہوتا ہے۔ تمہید میں نفس مضمون کا تعارف اشاروں میں مختصر اور پر اثر دار انداز میں بیان کیا جاتا ہے تا کہ قاری کے دل میں مضمون کے متعلق دلچسپی اور تجسس پیدا ہو اور وہ مکمل مضمون پڑھنے کی طرف راغب ہو جائے۔

(۲) نفس مضمون : مضمون کا درمیانی حصہ، جس میں مضمون کے موضوع کا مفصل بیان کیا جائے نفس مضمون کہلاتا ہے۔ یہ سب سے طویل حصہ ہوتا ہے اور کئی پیراگراف میں بانٹ کر لکھا جاتا ہے۔

(۳) اختتام : مضمون کا آخری حصہ اختتام کہلاتا ہے۔ اس حصہ میں مضمون نگار نفس مضمون کا مختصر خلاصہ جامع انداز میں بیان کرتا ہے۔

مضامین کی اقسام

مضامین تین طرح کے ہوتے ہیں۔

(۱) بیانیہ مضامین : ایسے مضامین جن میں کسی شخص، جگہ، عمارت، جانور وغیرہ کا تفصیل سے بیان کیا جائے بیانیہ مضمون کہلاتے ہیں۔ جیسے تاج محل، گاندھی جی، گائے، جودھپور شہر وغیرہ پر مضامین

(۲) حکائیہ مضامین : ایسے مضامین جن میں کسی واقعہ، کہانی، سفر، آپ بیتی، حادثہ وغیرہ کا بیان کیا جائے حکائی مضامین کہلاتے ہیں۔ جیسے یوم آزادی، ریل کا سفر، میرا ایکسی ڈنٹ، میری زندگی کا سب سے اہم دن وغیرہ

(۳) فکری مضامین : ایسے مضامین جن کا تعلق مضمون نگار کے خیالات اور فکر وافکار سے ہوتا ہے فکری مضامین کہلاتے ہیں۔ جیسے اگر میں وزیر اعظم ہوتا، وقت کی اہمیت، تعلیم کے فوائد وغیرہ

مکتوب نگاری

خط وکتابت کے فن کو مکتوب نگاری کہا جاتا ہے۔ خط کو نصف ملاقات بھی کہا جاتا ہے۔ خط لکھنے کا انداز ایسا ہونا چاہئے مانو مکتوب الیہ سامنے موجود ہے خط لکھنے کے اس دلچسپ انداز کے موجد مرزا غالب ہیں۔ خط لکھنے والے کو ''کاتب'' کہتے ہیں۔ خط کے مضمون یا عبارت کو ''مکتوب'' کہتے ہیں۔ جس کو خط لکھا جا رہا ہے اسے ''مکتوب الیہ'' کہتے ہیں۔

خط کے اجزاء : خط کے چھ اجزاء ہوتے ہیں۔

(۱) کاتب کا مختصر پتہ وتاریخ : نجی خط میں، خط کے شروع میں ہی، دائیں جانب کاتب کو اپنا مختصر پتہ اور خط لکھنے کی تاریخ لکھنی چاہئے جبکہ کاروباری اور سرکاری خطوط میں خط کے مکمل ہوجانے پر آخیر میں بائیں جانب اپنا پتہ اور تاریخ لکھی جاتی ہے۔

(۲) القاب : خط لکھنے والا مکتوب الیہ کو اسکے مرتبہ اور تعلق کے اعتبار سے جن الفاظ سے مخاتب کرتا ہے انہیں القاب کہتے ہیں۔ یہ القاب خط کے بائیں جانب لکھے جاتے ہیں۔مثلاً عزیز دوست، محترم استاد، پیاری بیٹی وغیرہ

(۳) آداب : القاب کے بعد سلام و دعا کے لئے آداب کے کلمات جیسے سلام مسنون، السلام علیکم، تسلیم وغیرہ

(۴) خط کا مضمون : خط کا مضمون خط کی نوعیت کے اعتبار سے لکھا جاتا ہے عموماً خط کے شروع میں مکتوب الیہ کی خیریت دریافت کی جاتی ہے اور پھر خط لکھنے کی وجہ بیان کی جاتی ہے۔خط مختصر اور پر اثر ہونا چاہئے۔

(۵) اختتام : خط کا مضمون مکمل ہوجانے کے بعد مکتوب الیہ کے مرتبہ کے مطابق اختتامیہ کلمات لکھے جاتے ہیں مثلاً دعاؤں کا طالب، دعا گو، آپ کا شاگرد، خدا حافظ وغیرہ۔

(٦) نام اور پتہ : خط کے لفافہ پر مکتوب الیہ کا مکمل اور صاف پتہ لکھا جانا چاہئے۔

خطوط کی قسمیں

خطوط کی تین قسمیں ہوتی ہیں۔

(۱) نجی خطوط : وہ خطوط جو اپنے دوستوں، رشتہ داروں اور ملنے جلنے والوں کے نام نجی معاملات کے لئے لکھے جاتے ہیں نجی خطوط کہلاتے ہیں۔ یہ دو قسم کے ہوتے ہیں۔

تعزیتی خطوط : وہ خطوط جو کسی غم کے موقع پر مکتوب الیہ کو تسلی دینے یا کسی کے انتقال پر تعزیت کرنے کے لئے لکھے جاتے ہیں۔

تہنیتی خطوط : وہ خطوط جو کسی خوشی کے موقع پر مبارک باد کے لئے لکھے جاتے ہیں مثلاً کسی کے پاس ہونے، لڑکا، لڑکی کی ولادت ہونے یا شادی کی سالگرہ وغیرہ کی مبارک باد دینے کے لئے لکھے جاتے ہیں۔

(۲) کاروباری خطوط : کاروبار کے سلسلے میں لکھے جانے والے خطوط

(۳) سرکاری خطوط : دفتر کے کام کاج سے متعلق خطوط مثلاً نوٹس، اطلاعی خط، حکم نامہ، پروانہ وغیرہ۔

300 خزینہ اردو اکمل نعیم صدیقی

قواعد

اسم

اسم وہ لفظ ہے جو کسی شخص، جگہ، چیز یا کیفیت وغیرہ کا نام ہو۔ اسم کی موٹے طور پر دو قسمیں ہیں۔

(۱) اسم خاص

(۲) اسم عام

(۱) اسم خاص : کسی خاص شخص، جگہ یا چیز کے نام کو اسم خاص کہتے ہیں مثلاً احمد، کلکتہ، گنگا وغیرہ۔ اسم خاص کی اقسام درج ذیل ہیں۔

(۱) خطاب : وہ نام جو بادشاہ یا سرکار وغیرہ کی طرف سے اعزازی طور پر ملتا ہے خطاب کہلاتا ہے مثلاً۔ شمس العلماء، سر، ملک الشعراء وغیرہ

(۲) لقب : وہ نام جو انسان کی کسی خاصیت کی وجہ سے پڑ جاتا ہے یعنیٰ وصفی نام لقب کہلاتا ہے مثلاً۔ کلیم اللہ لقب حضرت موسیٰ کا، مرزا نوشہ لقب غالب کا

(۳) عرف : وہ نام جو محبّت یا حقارت کی وجہ سے پڑ جائے یا اصلی نام کا ختصار لوگوں کی زبان پر چڑھ جائے تو اسے عرف یا عرفیت کہتے ہیں مثلاً۔ فخرو، کلوّ میاں، چنوّ، وغیرہ

(۴) تخلص : ایک مختصر نام جو شاعر نظم میں بجائے اپنے اصلی نام کے استعمال کرتا ہے تخلص کہلاتا ہے مثلاً۔ حالیؔ، غالبؔ، میرؔ وغیرہ

(۲) اسم عام : وہ اسم ہے جو ایک جیسی بہت سی چیزوں کے (گروپ) لئے استعمال کیا جائے مثلاً۔ آدمی، جانور، شہر، ملک وغیرہ۔ اسم عام کی ۵ قسمیں ہیں

جو درج ذیل ہیں۔

(۱) اسم دھات : وہ اسم جو دھات کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جیسے ۔ لوہا، پیتل، چاندی وغیرہ

(۲) اسم کیفیت : اسمائے کیفیت وہ ہیں جن سے کوئی حالت یا کیفیت معلوم ہوتی ہے جیسے۔سختی، روشنی، صحت وغیرہ

اسمائے کیفیت تین چیزیں ظاہر کرتے ہیں۔

اولؔ حالت جیسے صحت، نیند، رفتار۔

دومؔ صفت جیسے سختی، نرمی، بہتات۔

سومؔ دلی کیفیت جیسے درد، خوشی، مطالعہ

اسمائے کیفیت کیونکر بنتے ہیں۔

(۱) بعض فعل سے بنتے ہیں مثلاً چال چلن، لین دین، رہن سہن وغیرہ

(۲) بعض صفت سے بنتے ہیں مثلاً نرمی، خوشی، دیوانہ پن، کھٹائی وغیرہ

(۳) بعض اسم سے بنتے ہیں مثلاً دوست سے دوستی، لڑکے سے لڑکپن وغیرہ

(۴) اکثر عربی، ہندی، فارسی کے الفاظ اسمائے کیفیت کا کام دیتے ہیں مثلاً حسن، حرکت وغیرہ

(۵) ایک لفظ کی تکرار یا دو الفاظ کے ملنے سے مثلاً بک بک، دھک دھک، چھان بین، خوش بو

(۳) اسم ظرف : وہ اسم جو کسی جگہ یا وقت کا بیان کرے مثلاً چراگاہ، پہاڑ، صبح، رات وغیرہ۔بعض ہندی اور فارسی علامات ایسی ہیں کہ انکے لگانے سے اسم ظرف بن جاتا ہے۔مثالیں درج ذیل ہیں۔

(الف) ہندی علامات : ''سال'' بمعنیٰ جگہ جیسے گھڑسال اور ٹکسال

''شالہ'' بمعنیٰ گھر جیسے پاٹھشالہ، گؤشالہ

''ستھان'' جیسے دیوستھان

''آل۔یال'' جیسے سسرال، ننہال

''آنہ'' جیسے سمدھانہ، سرہانہ

''گھٹ'' جیسے پنگھٹ، مرگھٹ

''واڑہ'' جیسے مراٹھواڑہ، قصائی واڑہ

''واری'' جیسے پھلواری

''دوار۔دوارہ'' جیسے ہردوار، گرودوارہ

''گھر'' جیسے ڈاک گھر، تار گھر

(ب) فارسی علامات : ''خانہ'' جیسے کتب خانہ، دواخانہ

''گاہ'' جیسے چراگاہ، درگاہ

''دان'' جیسے پیک دان، خاص دان

''دانی'' سرمہ دانی

''زار'' جیسے سبزہ زار، لالہ زار

''ستان'' جیسے پرستان، گلستان

بعض اوقات فعل سے بھی اسم ظرف بنتا ہے مثلاً بیٹھنا سے بیٹھک، پینا سے پیاؤ

(۴) اسم آلہ : وہ اسم جو آلہ یا اوزار کے معنیٰ میں آئے اسم آلہ کہلاتی ہے مثلاً چاقو، تلوار، ہتھوڑا وغیرہ بعض اسم آلہ فعل سے بنائے گئے ہیں مثلاً۔ بیلنا سے بیلن، جھولنا سے جھولا، دھونکنا سے دھونکنی، چھننا سے چھننی جھاڑنا سے جھاڑن یا جھاڑو، کترنا سے کترنی وغیرہ

بعض اسم سے بنتے ہیں مثلاً۔نہرنا (ناخن) سے نہرنی، دانت سے داتن وغیرہ

بعض فارسی الفاظ کے آگے علامات بڑھانے سے مثلاً۔ دست سے دستہ، چشم سے چشمہ، انگشت سے انگشتانہ، دست سے دستانہ، کفگیر، قلم سے قلم تراش وغیرہ

عربی الفاظ جیسے مسواک، مشعل، میزان، مضراب۔

(۵) اسم جمع : وہ اسم جو بظاہر تو ایک معلوم ہو مگر حقیقت میں کئی اسموں کا مجموعہ ہو یعنیٰ بصورت جمع واحد ہو اسم جمع کہلاتا ہے مثلاً۔فوج، انجمن، قطار، جھنڈ، لشکر، جماعت وغیرہ

لوازم اسم

لوازم اسم سے مراد ان خصوصیات سے ہے جو ہر اسم میں پائی جاتی ہیں۔ ہر اسم کے لئے جنس، تعداد اور حالت کا ہونا لازم ہے۔

(۱) جنس : جنس سے مراد اسماء کی تذکیر و تانیث ہے یعنیٰ مذکر یا مونّث ہونا۔کوئی بھی اسم یا تو مذکّر ہوگا یا پھر مونّث۔

(۲) تعداد : تعداد سے مراد اسم کا جمع یا واحد ہونا ہے۔اسم یقینی طور پر یا تو واحد ہوگا یا جمع۔

(۳) حالت : اسم کی چند حالتیں ہوتی ہیں، اور ہر اسم کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ ذیل میں سے کسی نہ کسی حالت میں ہو۔

(الف) فاعلی حالت : یعنی اسم کی حالت کام کرنے والے کی ہے مثلاً ''احمد نے روٹی کھائی''، یہاں احمد کی حالت فاعلی ہے۔

(ب) حالت مفعولی : جب اسم پر کام کا اثر پڑے تو اسے حالت مفعولی کہتے ہیں اوپر کی مثال میں ''روٹی'' اسکی مثال ہے۔

(ج) حالت ظرفی : جب کسی اسم کا تعلق زماں و مکاں سے پایا جائے تو اسے حالت ظرفی کہتے ہیں مثلاً۔ حامد گھر میں ہے۔ راشد شام سے غائب ہے۔ یہاں گھر اور شام حالت ظرفی میں ہیں۔

(د) حالت اضافی : جب کسی اسم کو دوسرے سے نسبت دی جائے تو اسے حالت اضافی کہتے ہیں جیسے۔ احمد کا گھوڑا، یہاں گھوڑے کا تعلق احمد سے ظاہر کیا گیا ہے، اس لئے یہ مضاف کہلاتا ہے اور جس سے نسبت ظاہر کی جائے اسے مضاف الیہ کہتے ہیں اور حروف اضافت ''کا'' ہے۔

(ل) حالت منادی : جب اسم کو آواز دی جارہی ہو جیسے۔ اے لڑکے، یا خدا

ضمیر

وہ الفاظ جو اسم کے بجائے بولے جاتے ہیں ضمیر کہلاتے ہیں جیسے میں، تم، وہ، ہم وغیرہ۔ ضمیر سے یہ فائدہ ہے کہ، کسی نثر میں جو اسماء پہلے گزر چکے ہیں انہیں دوہرانا نہیں پڑتا ،اور زبان میں الفاظ کے دوہران سے جو بدنمائی پیدا ہوتی ہے وہ پیدا نہیں ہونے پاتی۔

ضمائر کی اقسام : (۱)ضمیر شخصی (۲)ضمیر موصولہ (۳)ضمیر استفہامیہ (۴)ضمیر اشارہ (۵) ضمیر تنکیر

(۱)ضمیر شخصی : وہ ہیں جو اشخاص کے لئے استعمال کی جاتی ہیں۔ انکی مندرجہ ذیل قسمیں ہیں۔

جو بات کرتا ہے اسے متکلم کہتے ہیں۔

جس سے بات کی جارہی ہے اسے مخاطب کہتے ہیں۔

جس کے بارے میں بات کی جائے اسے غائب کہتے ہیں۔

ضمائر کی قسمیں

ضمائر کی تین حالتیں ہوتی ہیں (۱) فاعلی (۲) مفعولی (۳) اضافی جن کی تفصیل ذیل میں درج ہے۔

(ضمائر متکلم)

	واحد	جمع
حالت فاعلی	میں	ہم
حالت مفعولی	مجھے، مجھکو	ہمیں، ہمکو
حالت اضافی	میرا	ہمارا

(ضمائر مخاطب)

	واحد	جمع
حالت فاعلی	تو	تم
حالت مفعولی	تجھے، تجھکو	تمہیں، تمکو
حالت اضافی	تیرا	تمہارا

(ضمائر غائب)

	واحد	جمع
حالت فاعلی	وہ	وہ
حالت مفعولی	اسے، اس کو	انکو، انہیں
حالت اضافی	اس کا	ان کا

(۲) ضمیر موصولہ : ضمیر موصولہ وہ ضمیر ہے جو کسی اسم کا پتہ یا حالت بیان کرے اور ساتھ ہی دو جملوں کو ملانے کا کام بھی انجام دے جیسے وہ کتاب جو کل چوری ہو گئی تھی مل گئی ہے۔آپ کے دوست جو بیمار ہیں مجھے ملے تھے۔پہلے اور دوسرے جملے میں ''جو'' کتاب اور دوست کا پتہ دے رہا ہے اس لئے ضمیر موصولہ ہے۔ضمیر موصولہ صرف ''جو'' ہے اس کی مختلف حالتیں مندرجہ ذیل ہیں۔

(ضمیر موصولہ)

	واحد	جمع
حالت فاعلی	جو،جس نے	جو،جنہوں نے
حالت مفعولی	جسکو، جسے	جنکو،جنہیں
حالت اضافی	جسکا،جسکی	جنکا،جنکی

جنکو،جنہیں،جنہوں نے،جن کا،اگرچہ جمع ہیں مگر تعظیماً واحد کے لئے بھی آتی ہیں۔جس اسم کے لئے یہ ضمیر آتی ہے اسے مرجع کہتے ہیں۔

(۳) ضمائر استفہامیہ : وہ ضمائر جو سوال پوچھنے کے لئے آتی ہیں۔کون اور کیا کون اکثر جان داروں کے لئے آتا ہے جیسے کون کہتا ہے۔کیا اکثر بیجان کے کے لئے آتا ہے جیسے کیا چاہتے ہو۔کون کی مختلف حالتیں ذیل میں درج ہیں۔

300 خزینہ اردو اکمل نعیم صدیقی

(ضمائر استفہامیہ)

	واحد	جمع
حالت فاعلی	کون، کس نے	کون، کنھوں نے
حالت مفعولی	کسے، کسکو	کنھیں، کن کو
حالت اضافی	کس کا	کن کا

(۴) **ضمیر اشارہ** : وہ ضمائر جو اشارے کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں ضمیر اشارہ کہلاتے ہیں۔ یہ دو ہیں۔ وہ دور کے لئے اور یہ قریب کے لئے۔

(۵) **ضمیر تنکیر** : وہ ضمیر جو غیر معین شخص یا چیز کے لئے استعمال کی جاتی ہیں جیسے کوئی اور کچھ، کوئی اشخاص کے لئے اور کچھ اشیاء کے لئے جیسے کوئی ہے، کچھ تو ہے وغیرہ

1۔ عربی کے الفاظ بعض اور بعضے بھی ضمیر تنکیر کا کام دیتے ہیں جیسے بعض کا یہ خیال ہے، بعض یہ کہتے ہیں وغیرہ

2۔ فلاں، کل اور چند بھی ضمیر تنکیری کے بطور استعمال ہوتے ہیں جیسے۔ فلاں نے کہا، کل نے شور مچایا، چند نے حامی بھری وغیرہ

3۔ ضمائر تنکیری دوسرے ضمائر کے ساتھ ملکر مرکب بھی آتی ہیں جیسے۔ جو کوئی، جس کسی، کوئی اور، ہر کوئی، جو کچھ، اور کچھ، سب کچھ وغیرہ

صفت

وہ الفاظ جو کسی اسم کی خاصیت (اچھائی یا برائی) بیان کریں صفت کہلاتے ہیں۔

جس اسم کی اچھائی یا برائی بیان کی جائی اسے موصوف کہتے ہیں۔صفت ہمیشہ اسم کی حالت کو محدود کر دیتی ہے مثلاً۔ بیکار لوگ، جاہل آدمی، شریر لڑکا

صفت کی قسمیں

صفت کی ۵ قسمیں ہیں۔صفت ذاتی یا مشبہ، صفت نسبتی، صفت عددی، صفت مقداری، صفت ضمیری یا اشاری

(ا) صفت ذاتی یا مشبہ : وہ صفت جس سے کسی اسم کی اندرونی یا بیرونی کیفیت کا پتہ چلتا ہو جیسے۔اپاہج، بہادر، کالا، نرم، سبز وغیرہ

(الف) کچھ صفات افعال یا ناموں سے بنائی جاتی ہیں جیسے کھیل سے کھلاڑی، بھاگیہ سے بھاگوان، درد سے دردمند، ہنسی سے ہنسوڑ۔

(ب) دو الفاظ کے مرکب سے مثلاً۔ من چلا، منھ پھٹ، دردمند، ہنس مکھ

(ج) فارسی علامتیں عربی، ہندی الفاظ کے ساتھ ملکر صفت کا کام دیتی ہیں مثلاً۔سعادت مند، ناشکرا، سمجھ دار، بے تاب، بے بس۔

(د) فارسی، عربی کی صفات ذاتی جو اردو میں مستعمل ہیں مثلاً۔احمق، بینا، شریف، دانا، خوب، نفیس۔

صفات ذاتی کے مدارج

صفات ذاتی کے تین مدارج ہیں۔

(ا) درجہ اول جس میں صرف کسی شخص یا شے کی محض صفت بیان کرنا مقصود ہو مثلاً۔اچھا کپڑا

(۲) درجہ دوم جسمیں ایک شے کو دوسرے پر ترجیح دی جاتی ہے مثلاً **یہ کپڑا ، اس سے اچھا ہے۔** یہاں ’’سے‘‘ حرف تخصیص ہے۔

(۳) درجہ سوم جس میں کسی شے کو اس قسم کی سب اشیاء سے ترجیح دی جاتی ہے مثلاً **ان کپڑوں میں یہ سب سے اچھا کپڑا ہے۔**

منفی صفت ذاتی : اردو میں چند حروف ہندی کے ایسے ہیں جن کے لگانے سے صفت ذاتی میں نفی کے معنی پیدا ہو جاتے ہیں۔ جیسے

آ	اٹل	امر
انؔ	انجان	ان مل
نرؔ	نرمل	نراش
بےؔ	بے دھڑک	بے جوڑ
نِ	نڈر	

(۲) صفات نسبتی : صفت نسبتی وہ ہے جس میں کسی دوسری شے یا چیز سے لگاؤ، تعلق یا نسبت ظاہر ہو مثلاً۔ کشمیری شال، ہندی، جے پوری جوتا وغیرہ

(الف) یہ لگاؤ اسماء کے آخر میں یائے معروف کے بڑھانے سے ظاہر ہوتا ہے جیسے۔ فارس۔ فارسی، پیار۔ پیاری، ہند۔ ہندی وغیرہ

(ب) اگر اسم کے آخر میں ’’ی، ہ، ا‘‘ ہوتا ہے تو اسے حزف کر کے آخر میں ’’وی‘‘ جوڑ دیتے ہیں مثلاً۔ دہلی۔ دہلوی، سندیلہ۔ سندیلوی، عیسیٰ۔ عیسوی

(ج) کبھی کبھی ’’نہ‘‘ بڑھا کر نسبت ظاہر کی جاتی ہے مثلاً۔ غلام۔ غلامانہ، عاقل۔ عاقلانہ، جاہل۔ جاہلانہ

300 خزینہ اردو اکمل نعیم صدیقی

(۳) صفت عددی : وہ صفت جس سے کسی اسم کی تعداد معلوم ہو۔اس کی دو قسمیں ہیں

(الف) جب تعداد ٹھیک معلوم ہو جیسے ۵ گھوڑے، ۴ آدمی وغیرہ تو اسے **تعداد معین** کہتے ہیں۔اس کی تین قسمیں ہیں۔

پہلی قسم معمولی تعداد مثلاً تین، چار، آٹھ وغیرہ

دوسری قسم تعداد ترتیبی ہے یعنی جس سے کسی شئ کی ترتیب معلوم ہو جیسے۔تیسرا، پانچواں وغیرہ یا دونوں، پانچوں وغیرہ

تیسری قسم کو تعداد اضافی کہتے ہیں جس میں کسی عدد کا ایک یا ایک سے زائد مرتبہ دوہرانا پایا جائے مثلاً۔دگنا، تگنا، چوگنا یا اکہرا، دوہرا، تہرا، یا ایک چند، دوچند، سہ چند وغیرہ

(ب) جب تعداد کا اندازہ بیان کیا جائے جیسے چند لوگ، کچھ گھوڑے تو اسے **تعداد غیر معین** کہتے ہیں۔

نوٹ۔ بعض اوقات تعداد معین کے آگے ''ایک'' کا لفظ بڑھا دینے سے تعداد غیر معین بن جاتی ہے مثلاً پچاس ایک آدمی یعنی کم وبیش پچاس آدمی

(۴) صفت مقداری : وہ صفاتی کلمہ جس سے کسی اسم کی مقدار معلوم ہو۔اس کی دو اقسام ہیں۔

(الف) جب اسم کی صحیح مقدار معلوم ہو جیسے چار کلو آلو۔تو اسے **صفت مقداری معین** کہتے ہیں۔

(ب) جب اسم کی مقدار معلوم نہ ہو جیسے۔کچھ آلو۔تو اسے **صفت مقداری غیر معین** کہتے ہیں۔

(۵) صفت ضمیری یا اشاری : وہ ضمائر جو صفات کا کام دیتی ہیں۔مثلاً وہ، یہ، کون، کونسا، جو، وغیرہ صفات ضمیری کہلاتی ہیں۔یہ الفاظ جب تنہا آتے ہیں تو ضمیر ہیں مگر کسی اسم

کے ساتھ آنے پر صفات ہوتے ہیں۔ وہ عورت آئی تھی۔ یہ کام مجھ سے نہیں ہوسکتا۔ کیا چیز گر پڑی۔

﴿300﴾ خزینہ اردو اکمل نعیم صدیق

نوٹ۔ صفات ذاتی جب اسم کے ساتھ آتے ہیں تو اسم کی صفت ہوتے ہیں اور جب تنہا آتے ہیں تو اسم کیفیت ہوتے ہیں مثلاً اچھا آدمی جملہ میں ''اچھا'' صفت ہے جبکہ لفظ ''اچھا'' اسم کیفیت ہے۔

فعل

فعل : وہ کلمہ جس سے کسی کام کے کرنے یا ہونے کا پتہ چلتا ہے فعل کہلاتا ہے جیسے ریل چلی، اس نے خط لکھا وغیرہ اس کی تین قسمیں ہوتی ہیں۔

(۱) فعل لازم (۲) فعل متعدی (۳) فعل ناقص

(۱) **فعل لازم** : وہ فعل ہے جس میں کام کا اثر صرف فاعل تک رہے جیسے حامد آیا، خالد بھاگا وغیرہ

(۲) **فعل متعدی** : جس فعل کا اثر فاعل سے گزر کر مفعول تک پہنچے جیسے احمد نے خط لکھا۔ یہاں خط جس پر لکھنے کا فعل واقع ہوا مفعول ہے۔

(۳) **فعل ناقص** : فعل ناقص وہ فعل ہے جو کسی پر اثر نہ ڈالے بلکہ کسی اثر کو ثابت کرے جیسے احمد بیمار ہے۔ اس جملہ میں نہ کوئی فاعل ہے نہ مفعول کیونکہ نہ تو کوئی کام کرنے والا ہے اور نہ کسی پر کام واقع ہوتا ہے، بلکہ فعل (ہے) بیماری کے اثر کو احمد پر ثابت کرتا ہے لہذا اس جملہ میں احمدؔ اسم ہے اور بیمارؔ اسکی خبر ہے۔ پنکھا چل رہا ہے۔

لوازم فاعل

لوازم افعال درج ذیل ہیں۔

(۱) طور (۲) صورت (۳) زمانہ

(۱) طور : طورفعل وہ حالت ہے جس یہ **معلوم** ہوتا ہے کہ کام خود فاعل سے ڈادر ہوا ہے یا کام کا اثر کسی پر واقع ہوا ہے۔ جب فاعل کے کام کا اثر کسی دوسرے شخص یا شے پر واقع ہوتو اسے طور معروف کہتے ہیں جیسے احمد نے نوکر کو مارا۔ یہاں فاعل کے کام کا اثر نوکر پر واقع ہوتا ہے، مگر جب صرف وہ شخص یا شے معلوم ہو جس پر اثر واقع ہوا ہے اور فاعل معلوم نہ ہو تو اسے طور مجہول کہتے ہیں جیسے اسے خط سنایا گیا۔ مجہول کے معنیٰ نا معلوم کے ہیں۔ فعل مجہول کا مفعول **قائم مقام فاعل** کہلاتا ہے۔ وہ شہر سے نکلوا دیا گیا، اسے سمجھا دیا گیا۔ یہاں ''وہ'' اور ''اسے'' مفعول قائم مقام ہیں۔

(۲) صورت : ہر فعل کی کوئی نہ کوئی صورت ہوتی ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ فعل یعنیٰ کام کس ڈھنگ سے ہوا ہے۔ فعل کی پانچ صورتیں ہیں۔

۱۔خبریہ ۲۔شرطیہ ۳۔احتمالی ۴۔امریہ ۵۔مصدریہ

۱۔ صورت خبریہ وہ ہے جو کسی فعل کے وقوع کی خبر دے یا کسی امر کے متعلق استفسار کرے جیسے حامد گر پڑا۔ آپ پانی پئیں گے؟

۲۔فعل کی وہ صورت جس میں شرط یا تمنّا پائی جائے، خواہ حرف شرط ہو یا نہ ہو، جیسے اگر شام کو آپ جائیں تو میں بھی آپ کے ساتھ چلوں۔ وہ آتے تو میں بھی چلتا۔ اس میں بعض مرتبہ توقع اور خواہش کا بھی اظہار ہوتا ہے جیسے وہ آتا تو خوب ہوتا۔ یہ گھر مجھے مل جاتا تو اچھا ہوتا۔

۳۔ صورت احتمالی جس میں شک یا احتمال پایا جائے جیسے اسی نے لکھا ہوگا۔ شاید وہ آئیگا۔

۴۔ صورت امر جس میں حکم یا التجا پائی جائے جیسے پانی لاؤ، تشریف لائیے۔

۵۔ صورت مصدر یہ کہ جس میں کام کا ہونا بلا تعین وقت کے ہو۔ اس کے آخر میں ہمیشہ ناؔ ہوتا ہے جیسے ہونا، کرنا، کھانا

300 خزینہ اردو اکمل نعیم صدیقی

زمانہ

فعل کے لئے زمانہ ضروری ہے۔فعل کسی نہ کسی زمانہ میں ہی واقع ہوتا ہے۔زمانے تین ہیں ماضی یعنی گزرا ہوا زمانہ، حال یعنی موجودہ زمانہ اور مستقبل یعنی آنے والا زمانہ۔

واحد اور جمع

واحد و جمع تعداد کے صیغے ہیں۔اسم واحد وہ ہے جس سے ایک اسم مراد ہو جبکہ اسم جمع وہ ہے جس سے ایک سے زائد اسم مراد ہوں۔

اسم جمع : اردو میں بعض الفاظ ایسے ہوتے ہیں جو بظاہر واحد معلوم ہوتے ہیں اور ان کا استعمال بھی واحد کے طریقہ پر ہی ہوتا ہے مگر معنی کے اعتبار سے یہ جمع ہوتے ہیں۔اسم جمع کی خاصیت یہ بھی ہے کہ ان کا واحد نہیں ہوتا ہے اور ان کے ساتھ کا فعل بھی واحد کے صیغے میں ہی استعمال کیا جاتا ہے۔مثلاً۔قافلہ، کارواں، قوم، لشکر، فوج، جماعت وغیرہ

کارواں روانہ ہو گیا۔

مندرجہ بالا جملے میں فعل ''روانہ ہو گیا'' واحد ہے جبکہ کارواں اسم جمع ہے۔

جمع الجمع: اسم جمع کی جمع کو جمع الجمع کہتے ہیں جیسے۔

جمع	جمع الجمع
قافلہ	قافلوں
قوم	اقوام
اخبار	اخباروں
فوج	فوجوں

واحد سے جمع بنانے کے اصول

اردو میں عربی، فارسی اور سنسکرت کے الفاظ کثیر تعداد میں موجود ہیں لٰہذا ان کی جمع بنانے کا قاعدہ ان زبانوں کے قواعد کے مطابق ہی ہے جن زبانوں کے یہ الفاظ ہیں۔ یعنی فارسی الفاظ کو فارسی قاعدے کے مطابق اور عربی الفاظ کو عربی قاعدے کے مطابق واحد سے جمع بنایا جاتا ہے۔ واحد سے جمع بنانے کے کچھ عام اصول درج ذیل ہیں۔

(۱) 'ا' اور 'ہ' پر ختم ہونے والے اسم کی جمع بنانے کے لئے اسم سے 'ا' اور 'ہ' کو حذف کر کے 'ے' لگا دی جاتی ہے۔ مثال۔ کپڑا ۔ کپڑے

(۲) 'یا' پر ختم ہونے والے اسم میں 'ں' کا اضافہ کر دینے سے جمع بن جاتی ہے۔ گڑیا۔ گڑیاں

(۳) 'ی' پر ختم ہونے والے اسم مونث کے آخر میں 'اں' کا اضافہ کر کے جمع بنائی جاتی ہے۔ مثلاً لڑکی۔ لڑکیاں

(۴) اسم کے آخر میں 'الف'، 'واؤ' یا 'ہائے خفی' ہونے پر اسم کے آخر میں 'ئیں' بڑھا کر جمع بنائی جاتی ہے۔ گھٹا۔ گھٹائیں

(۵) اسم مونث 'ی' یا 'یا' پر ختم نہ ہو رہے ہوں تو ان کے آخر میں 'یں' کا اضافہ کر کے جمع بنائی جاتی ہے۔ تقدیر۔ تقدیریں

اردو میں رائج عربی الفاظ کے جمع بنانے کے اصول

عدد کے اعتبار سے عربی میں تین درجے ہیں ۔ واحد، تثنیہ اور جمع۔ تثنیہ عربی کی خاصیت ہے اور یہ اسماء وافعال میں واحد اور جمع کی طرح مستقل حیثیت رکھتا ہے۔ اردو کے قواعد میں تثنیہ نہیں ہے لیکن عربی صیغہ کے زیر اثر بہت سے الفاظ اردو میں مستعمل ہیں مثلاً۔

والدین، زوجین، قوسین، کونین، شیخین، دارین، نعلین، طرفین، قطبین، حرمین شریفین وغیرہ

عربی میں جمع کی دو قسمیں رائج ہیں۔جمع سالم اور جمع تکسیر۔ یہ دونوں قسمیں اردو میں بھی پائی جاتی ہیں۔

(الف) جمع سالم : یہ وہ جمع ہے جس میں کلمۂ واحد سالم رہتا ہے۔ایسی جمع کلمۂ واحد کے آخر میں لاحقہ جوڑ کر بنائی جاتی ہے۔

❁ کلمۂ واحد کے آخر میں 'ین' لاحقہ جوڑ کر جمع بنایا جاتا ہے جیسے۔

سامع	سامعین
حاضر	حاضرین
مومن	مومنین
مصلح	مصلحین
ناظر	ناظرین

❁ کلمۂ واحد کے آخر میں 'ات' لاحقہ جوڑ کر جمع بنایا جاتا ہے جیسے۔

خیال	خیالات
حیوان	حیوانات
مشکل	مشکلات
تصور	تصورات

❁ بعض عربی الفاظ 'ہائے مختفی' یا 'ت' پر ختم ہوتے ہیں ان کی جمع بناتے وقت 'ہائے مختفی' یا 'ت' کو حذف کر کے 'ات' لگا دیتے ہیں۔ یہ طریقہ 'جمع مونث سالم' بنانے کے لئے اختیار کیا جاتا ہے۔مثلاً

جذبہ	جذبات

حادثہ حادثات

معاملہ معاملات

واقعہ واقعات

عادت عادات

خدمت خدمات

علامت علامات

کرامت کرامات

'جمع مذکر سالم' میں 'ن' کو 'ں' میں تبدیل کر دیا جاتا ہے۔مثلاً

عالمون عالموں

جاہلون جاہلوں

کافرون کافروں

بالغون بالغوں

عاقلون عاقلوں

(ب) **جمع تکسیر** : اس طرح کی جمع میں کلمۂ واحد سالم نہیں رہتا اور اس میں مختلف قسم کی صوتی تبدیلیاں رونما ہو جاتی ہیں۔جمع تکسیر عربی کے اوزان پر بنائی جاتی ہیں۔ان کی تعداد بہت کثیر ہے تاہم کثیر الاستعمال اوزان اور ان کی امثال درج ذیل ہیں۔

اَفعَال ابرار،اقسام،اوزان،اخبار

فُعُول امور،اصول،وجود،فتوح،عیوب

مَفَاعِل محاسن،محامد،محافل،مدارج،مشاغل

فَوَاعِل	سواحل، دوائر، جواہر، طوائف
فُعَلَاء	شعراء، قدماء، فصحاء، بلغاء، علماء
فُعَّال	عشاق، تجّار، عمّال، عبّاد
فُعُل	کتب، سہل، رسل، مدن
فِعَال	ریاح، ریاض، جبال، نکات
اَفْعُل	انفُس، اعیُن، السن
اَفْعِلَاء	اولیاء، انبیاء، اقرباء،

واحداورجمع کی مزید مثالیں

واحد	جمع	واحد	جمع
اسم	اسماء	فلک	افلاک
ادیب	ادباء	عمر	اعمار
امیر	امراء	قول	اقوال
رئیس	رؤساء	طور	اطوار
غریب	غرباء	موت	اموات
فقیر	فقراء	دور	ادوار
رفیق	رفقاء	قوم	اقوام
تدبیر	تدابیر	فوج	افواج
تقدیر	تقادیر	قسم	اقسام

تصویر	تصاویر	روح	ارواح
سلطان	سلاطین	غیر	اغیار
تکلیف	تکالیف	مثال	امثال
مقصد	مقاصد	موقع	مواقع
تفسیر	تفاسیر	صاحب	اصحاب
مرتبہ	مراتب	مدد	امداد
عقرب	عقارب	عدد	اعداد
عجیب	عجائب	فرد	افراد
عزم	عزائم	مرض	امراض
عقیدہ	عقائد	غرض	اغراض
رسم	مراسم	حال	احوال
وسیلہ	وسائل	حکم	احکام
قبیلہ	قبائل	ترکیب	تراکیب
وظیفہ	وظائف	آفت	آفات
لطیفہ	لطائف	ملک	ممالک
نتیجہ	نتائج	مطلب	مطالب
فریضہ	فرائض	ادب	آداب
جرم	جرائم	اُفق	آفاق
تحفہ	تحائف	اثر	آثار

جزیرہ جزائر جسم اجسام

دلیل دلائل نشان نشانات

حقیقت حقائق مکان مکانات

خزانہ خزائن خیال خیالات

ذخیرہ ذخائر حال حالات

افسر افسران احسان احسانات

مہمان مہمانان جواب جوابات

دیوان دواوین احساس احساسات

عیب عیوب جنگل جنگلات

لحد لحود مقام مقامات

شغل مشاغل اخبار اخبارات

حق حقوق مشروب مشروبات

خط خطوط اطلاع اطلاعات

امر امور معلوم معلومات

اصل اصول آلا اٰالات

آخر اواخر مشکل مشکلات

یوم ایام بیگم بیگمات

حد حدود اختیار اختیارات

حرف حروف شکایت شکایات

رقم	رقوم	محاورا	محاورات
رسم	رسوم	اتفاق	اتفاقات
وجہ	وجوہ	معاملہ	معاملات
عقل	عقول	نقصان	نقصانات
فرش	فروش	خدمت	خدمات
قبر	قبور	آفت	آفات
نجم	نجوم	سوال	سوالات
عیب	عیوب	جواب	جوابات
غیب	غیوب	احساس	احساسات
نفس	نفوس	جذبہ	جذبات
ماہر	ماہرین	ناظر	ناظرین
کافر	کافرین	کامل	کاملین
عامل	عاملین	صالح	صالحین
جاذب	جاذبین	مضمون	مضامین
عدد	اعداء	عالم	علماء
عضو	اعضاء	شے	اشیاء
تحفہ	تحفے	پرندہ	پرندے
بات	باتیں	طوطا	طوطے
چشمہ	چشمے		

جنس (تذکیر و تانیث)

کسی اسم کی 'نر' یا 'مادہ' شناخت کو جنس کہتے ہیں۔ اسم یا تو مذکر ہوگا یا پھر مونث۔ اردو میں عربی الفاظ کی مذکر عربی قواعد کے مطابق بنائی جاتی ہے۔ عربی میں مذکر سے مونث بنانے کے لئے، مذکر کے آخر میں 'تائے مُدَوِّرہ' (ۃ) کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ اردو میں عربی کے ایسے مونث بکثرت ملتے ہیں البتہ اردو میں آخر کی 'ۃ' وقف کی بناء پر 'ہ' ہو جاتی ہے۔ جیسے۔ صفحہ، روضہ، واقعہ، مشاعرہ، محاکمہ، مجادلہ، مناظرہ، معاملہ، مشغلہ، صالحہ، معلمہ، متعلقہ، عاقلہ، بالغہ وغیرہ۔

اس کے علاوہ الف مقصورہ کی وجہ سے مونث قرار پانے والے اسماء بھی اردو میں مستعمل ہیں۔ جیسے سلمیٰ، لیلیٰ، کبریٰ وغیرہ۔

اردو میں تذکیر و تانیث کے کچھ عام اصول مندرجہ ذیل ہیں۔

(الف) اگر اسم مذکر کا آخری حرف ''الف'' ہو تو اسے مونث میں تبدیل کرنے کے لئے الف کو حذف کر کے اس کی جگہ ''ی'' جوڑ دیتے ہیں۔

مذکر	مونث
چھورا	چھوری
بکرا	بکری
چاچا	چاچی
لڑکا	لڑکی
ٹوکرا	ٹوکری

(ب) اگر اسم مذکر کا آخری لفظ حروف علت کے بجائے حروف صحیح پر ختم ہوتا

300 خزینہ اردو اکمل نعیم صدیقی

ہے تو تانیث کے لئے ''نی'' یا ''انی'' بڑھا دیا جاتا ہے۔

مذکر	مونث
جاٹ	جاٹنی
نٹ	نٹنی
دیور	دیورانی
جیٹھ	جیٹھانی
مغل	مغلانی

(ج) اگر واحد مذکر ''ی'' پر ختم ہوتا ہے تو تانیث کے لئے ''ی'' کو حذف کر کے ''ن'' لگا دیا جاتا ہے۔

مذکر	مونث
دھوبی	دھوبن
موچی	موچن
درزی	درزن
جوگی	جوگن
کھاتی (بڑھئی)	کھاتن
نائی	نائین

بہت سے بے جان اسماء بھی مذکر اور مونث کے صیغہ مین آتے ہیں۔ ان کے جنس کی پہچان جملہ میں ان کے استعمال سے کی جا سکتی ہے۔ ان کی مثالیں درج ذیل ہیں۔

مذکر اسماء	مونث اسماء
وطن	عزت
دریا	دولت
باغ	جنت
پھول	نہر
جنگل	وادی
درخت	جگہ
کھیل	حفاظت
جانور	دیمک
آرام	خارش
کپڑا	گٹھلی
صندوق	چھال
پانی	ٹہنی

مترادف الفاظ

ہم معنیٰ الفاظ کو مترادف الفاظ کہتے ہیں۔ زبان و بیان میں خوبصورتی اور وزن پیدا کرنے کے لئے مترادف الفاظ کا استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

لفظ	مترادف الفاظ
امیر	مالدار، دولت مند، تونگر
آہن	لوہا، فولاد
آسمان	فلک، چرخ، گردوں
آنکھ	چشم، بصر، دیدہ
آواز	صدا، ندا، پکار
آرام	عیش، سکھ، سکون، چین
بیماری	مرض، علالت، روگ
بھول	غلطی، سہو، چوک
پانی	آب، عرق
پیڑ	شجر، درخت، پودا، جھاڑ
پیار	عشق، محبت، الفت، چاہت
تلوار	سیف، تیغ، شمشیر
تسلّی	دلاسا
تکلیف	پریشانی، دکھ، کرب

جھرنا	آبشار، چشمہ
ثواب	اجر، انعام، جزا
جنت	خلد، فردوس، بہشت
جنگل	دشت، بیابان
چاند	قمر، ماہ، ماہتاب
حیات	زندگی، ہستی، زیست
حسن	جمال، خوبصورتی
خدا	رب، پروردگار، خالق، مالک
خاک	گرد، دھول، مٹی
دوست	حبیب، رفیق، یار، خلیل
دشمن	رقیب، عدو، حریف
دنیا	جگ، عالم، سنسار
دوزخ	جہنم، سقر، نار
زہر	سم، بِس، ہلاہل
سورج	شمس، آفتاب، مہر
سایہ	پرچھائی، پرتو، عکس
شاد	خوش، مسرور، نشاط
شہنشاہ	شاہ، بادشاہ، سلطان، راجا
شکست	مات، ہار، ناکامی

ظرافت	مزاق، تمسخر، دل لگی
ظلم	ستم، زیادتی، بے انصافی
عقل	سمجھ، فہم، دانائی، دانش
عمدہ	اچھا، نفیس، خوب، بہترین
غریب	نادار، مفلس، مسکین
غرور	گھمنڈ، تکبر، فخر
فقیر	بے نوا، بھکاری، گدا، سوالی
فتح	جیت، کامیابی، کامرانی
قبر	مزار، لحد، گور، تربت
قاتل	خونی، ہلاکو،
قید	زندان، قفس، بند
قاصر	ناچار، مجبور
کرم	عنایت، مہربانی، رحم
گلشن	باغ، چمن، گلستاں
لباس	پوشاک، پیراہن
محبت	پیار، چاہت، الفت، انس
موت	انتقال، رحلت، وفات، فنا
نغمہ	گیت، راگ، ترانہ
وہم	شک، شبہ، گمان

وعدہ — قول، عہد، پیمان، اقرار

وصال — ملن، ملاقات

ہوا — نسیم، صبا، سموم، باد

ہجر — جدائی، مفارقت، فراق

ثمر — پھل، فائدہ، حاصل، عوض

خیر — بھلائی، سلامتی، برکت

نظر — آنکھ، چشم، دیدہ، نگاہ

طور — طریقہ، ڈھنگ

پہاڑ — کوہ، جبل، پربت

زمانہ — دور، عصر، عہد

اعلیٰ — اونچا، بڑا، بلند

برباد — تباہ، شکستہ، خستہ، تباہ

نفع — فائدہ، حاصل، منافع

غصہ — غضب، قہر

پیر — ہادی، رہبر، رہنما

طبل — ڈھول، نقارہ، دمامہ

خیر — بھلائی، سلامتی

متضاد الفاظ

ایسے الفاظ جو معنیٰ کے اعتبار سے ایک دوسرے کی ضد ہوں متضاد الفاظ کہلاتے ہیں۔ متضاد الفاظ کی کچھ مثالیں درج ذیل ہیں۔

لفظ	متضاد	لفظ	متضاد
نرمی	سختی	شروع	ختم
پہلے	بعد	شروعات	اختتام
عالم	جاہل	عقل مند	بے وقوف
ناراض	خوش	آسمان	زمین
بہار	خزاں	بہادر	ڈرپوک
وفا	جفا	اعلیٰ	ادنیٰ
آسانی	مشکل	اول	آخر
صحیح	غلط	عروج	زوال
بلندی	پستی	فتح	شکست
عاقل	جاہل	محبت	نفرت
بہار	خزاں	رنج	راحت
خرید	فروخت	آمد	رفت
مہر	ماہ	شمس	قمر
آفتاب	ماہتاب	خیر	شر
بشر	زن	نظم	نثر

حلال	حرام	تحریر	تقریر
دین	دنیا	مرد	زن
شاہ	فقیر	زیر	زبر
دیر	حرم	ابتداء	انتہا
آغاز	انجام	مشرق	مغرب
شمال	جنوب	غروب	طلوع
الفت	نفرت	ارض	سماء
استاد	شاگرد	شروع	ختم
اقرار	انکار	رزم	بزم
عروج	زوال	شاہ	گدا
طفل	جواں	شب	روز
صغیرہ	کبیرہ	اصغر	اکبر
صغیر	کبیر	ظاہر	باتن
بہار	خزاں	خشک	تر
قریب	بعید	بیمار	تندرست
داخل	خارج	خاص	عام
گل	خار	سست	چست
خورد	کلاں	شرافت	رذالت
شریف	رذیل	اقلیت	اکثریت

تنزلی ترقی
شاعر مصنف
قدرتی مصنوعی
راہبر راہزن
تلخ شیریں
تنگ کشادہ
لائق نالائق
امن جنگ
عاشق معشوق
عیاں نہاں
فانی باقی
معلوم نامعلوم
تیز کند
خادم مخدوم
بھوکا سیر
عرب عجم
موافق مخالف
ہموار ناہموار
فنا بقا

مزکر مونث
خوش نما بدنما
بنجر زرخیز
شادی غم
خیرخواہ بدخواہ
خوش گوار ناگوار
رحم دل سنگ دل
اتحاد انتشار
ظاہر پوشیدہ
فنا بقا
ہموار ناہموار
طمع قناعت
تاخیر تعجیل
انسان حیوان
ہدایت گمراہی
ابتر کمتر
ظلمت نور
فانی باقی
عیاں نہاں

محاورے اور کہاوتیں

محاورے : محاورہ اس جملے کو کہتے ہیں جو کسی نہ کسی مصدر سے مل کر بنا ہو اور اپنے حقیقی معنی کے بجائے کوئی دوسرے معنی دیتا ہو۔ محاوروں کی مثالیں مندرجہ ذیل ہیں۔

محاورہ	محاورہ کے معنی
بیڑا پار لگنا	کامیاب ہونا، کام پورا ہو جانا
ٹھنڈا ہونا	مر جانا
رنج اٹھانا	صدمہ برداشت کرنا
دل پھٹنا	بہت افسوس کرنا
گھٹ گھٹ کر مر جانا	تکلیف اٹھا اٹھا کر مر جانا
پر نکل آنا	اڑنے کے قابل ہو جانا
نیچا دکھانا	ذلیل کرنا
زمین آسمان ایک کر دینا	بہت کوشش کرنا
جان چھڑانا	پیچھا چھڑانا
پالا پڑنا	واسطہ پڑنا
آڑے ہاتھوں لینا	برا بھلا کہنا
ناک میں دم کرنا	پریشان کرنا
اپنا الّو سیدھا کرنا	اپنا مطلب نکالنا
ہوا کے گھوڑے پر سوار ہونا	تیز رفتاری سے کام کرنا، چلنا
تاک میں رہنا	موقع کی تلاش میں رہنا

بن آنا	قسمت کھلنا
بازار گرم ہونا	رونق، چہل پہل
دل بھر آنا	ترس آنا، رحم آنا
جوتا چل جانا	لڑائی ہو جانا
ایک جان دو قالب ہونا	گہری دوستی ہونا
آٹھ آٹھ آنسو رونا	بہت رونا
آسمان ٹوٹ پڑنا	شدید مصیبت آنا
آنکھ کا کاجل چرانا	دھوکا دینا
آنکھ میں کھٹکنا	ناگوار گزرنا
ایک اور ایک گیارہ	اتحاد میں طاقت
بتہ لگانا	بدنام کرنا
بیڑا اٹھانا	ذمہ داری لینا
بیڑا پار لگنا	مشکل آسان ہونا
پردہ ڈالنا	کسی بات کو چھپانا
پگڑی سنبھالنا	عزت بچانا
پگڑی اچھالنا	بے عزتی کرنا
تین پانچ کرنا	فضول باتیں کرنا
جوتیوں میں دال بٹنا	نا اتفاقی ہونا
چراغ سحری ہونا	موت کے قریب ہونا

چراغ پا ہونا	خفا ہونا
چیونٹی کے پر نکلنا	کمزور کا بہادری دکھانا
چشم پوشی کرنا	عیب چھپانا
خواب خرگوش ہونا	غفلت میں ہونا
سر پر ہاتھ رکھنا	ہمدردی کرنا
سر پر خاک اڑانا	ماتم کرنا
سر کے بل چلنا	بہت عزت کرنا
شیر وشکر ہونا	بہت میل جول ہونا
طوطا چشمی کرنا	بے مروتی کرنا
عش عش کرنا	تعجب کرنا
عرش پر دماغ ہونا	بہت غرور ہونا
آسمان کے تارے توڑنا	کوئی بڑا یا انوکھا کام کرنا
قافیہ تنگ کرنا	پریشان کرنا
گیہوں کے ساتھ گھن پسنا	مجرم کے ساتھ بے گناہ کا بھی سزا پانا
لکیر کا فقیر ہونا	پرانی روایتوں کا قائل ہونا
لوہا ماننا	ہار تسلیم کر لینا
آستین چڑھانا	لڑنے کو تیار ہونا
تر دامن ہونا	گنہ گار ہونا
قلعی کھلنا	بھید کھلنا

300

گھی کے چراغ جلانا	خوشی منانا
گریبان میں منھ ڈالنا	اپنی حالت پر غور کرنا
مٹھی گرم کرنا	رشوت دینا
ناک کا بال ہونا	بہت پیارا ہونا
نفسا نفسی کا عالم ہونا	اپنی اپنی پڑنا
ہتھیلی پر سرسوں جمانا	جلدی کرنا

کہاوتیں (ضرب الامثال) : ضرب الامثال یا کہاوتیں معاشرے میں رائج ایسے جملے ہوتے ہیں جو اپنی اصل عبارت کے بجائے معاشرے میں رائج دوسرے معنی دیتے ہوں۔ ضرب المثل ایک مکمل جملہ ہوتا ہے اور اپنا مفہوم بغیر کسی دوسرے جملے کے مکمل کرتا ہے جبکہ محاورہ کسی دوسرے جملے یا اضافی عبارت کے بغیر اپنا مکمل مفہوم ادا نہیں کرسکتا ہے۔

ضرب الامثال کی مثالیں ذیل میں درج ہیں۔

ضرب المثل	مفہوم و معنیٰ
اونچی دوکان پھیکے پکوان	صرف نام ہی نام ہونا
دور کے ڈھول سہانے	کسی کو بغیر برتے اسکے بارے میں اچھا گمان کرنا
ڈوبتے کو تنکے کا سہارا	مصیبت میں تھوڑی سی مدد بھی بڑی معلوم ہوتی ہے
ایک تو کریلا اوپر سے نیم چڑھا	بگڑیل آدمی، برے کو اور بری صحبت مل جانا
اندھیر نگری چوپٹ راجہ	بدانتظامی
اونٹ کے منھ میں زیرا	ضرورت سے بہت کم

ایک انڈا وہ بھی گندہ	ایک ہی اولاد وہ بھی ناکارہ
بوڑھی گھوڑی لال لگام	بڑھاپے میں بھی سجنا سنورنا
بھینس کے آگے بین بجانا	جاہل کے سامنے عالمانہ بات کہنا
سورج کو چراغ دکھانا	عالم یا عقل مند کے سامنے عقل کی بات کہنا
بکرے کی ماں کب تک خیر منائیگی	برائی کی سزا ضرور ملیگی
بھاگتے بھوت، چور کی لنگوٹی	جو مل جائے غنیمت ہے
بندر کے ہاتھ میں ناریل	اناڑی کے ہاتھ میں کوئی کارآمد چیز
بن مانگے موتی ملے مانگے ملے نہ بھیک	جو مقدر میں ہے وہ ہی مل کے رہتا ہے
تولہ بھر آرسی نانی بولے فارسی	تھوڑا سا احسان کر کے جتانا
تھوتھا چنا باجے گھنا	کم ظرف آدمی شیخی زیادہ مارتا ہے
جو گرجتا ہے وہ برستا نہیں	باتونی صرف باتیں کرتے ہیں کام نہیں کرتے
چور کی داڑھی میں تنکا	گنہ گار کو ہمیشہ ڈر رہتا ہے
دودھ کا دودھ پانی کا پانی	انصاف ہوجانا
آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا	ایک مصیبت سے نکل کر دوسری میں پھنسنا
آدھا تیتر آدھا بٹیر	بے میل
آم کے آم گٹھلیوں کے دام	دوہرا فائدہ
گھر کی مرغی دال برابر	گھر کی چیز کی قدر کم ہوتی ہے
قاضی کے گھر کے چوہے بھی سیانے	چالاک آدمی کی اولاد بھی چالاک
دریا کو کوزہ میں بند کرنا	لمبے مضمون کو مختصر لفظوں میں بیان کرنا

ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنانا
اپنی الگ رائے رکھنا

سارے شہر میں اونٹ بدنام
بدنام ہر جگہ برا کہلاتا ہے

بلی کے بھاگ سے چھینکا ٹوٹنا
قسمت سے کسی چیز کا ملنا

پانچوں انگلیاں گھی میں ہونا
ہر طرف سے فائدہ ہونا

جس کی لاٹھی اس کی بھینس
طاقتور کی ہی جیت ہوتی ہے

جیسا بوئے گا ویسا کاٹے گا
جو جیسا کرے گا ویسا پھل پائے گا

اردو ادب کی تاریخ

اردو زبان کی ابتدا اور ارتقا

اردو زبان کا آغاز و ارتقا ۔ مختلف نظریات

(DIFFERENT THEORIES : ORIGIN AND DEVELOPMENT OF THE URDU LANGUAGE)

اردو زبان کے آغاز و ارتقا سے متعلق مختلف ماہر لسانیات اور محققین کے متعدد نظریات و خیالات اب تک منظر عام پر آ چکے ہیں مگر ایسا کوئی نظریہ ابھی تک سامنے نہیں آیا ہے کہ جس کی صداقت اور دلالت کے آگے سبھی ماہر لسانیات، علماء اور محققین سرِ خم تسلیم کر سکیں۔ اس معاملے میں جہاں قدیم دور کے دانشوروں نے محض قیاس آرائی اور اپنے ذاتی خیالات کی بنیاد پر اپنے نظریات پیش کئے ہیں بلکہ یوں کہا جائے کہ اپنی رائے کا اظہار کیا ہے وہیں بعد کے دور میں محققین نے مختلف زاویوں سے اور لسانیاتی نقطۂ نظر سے اس موضوع پر تحقیق کر کے اپنے نظریات مدلّل طریقہ سے پیش کئے ہیں۔

''اردو کے آغاز و ارتقا سے متعلق بحث کا سلسلہ میر امن سے شروع ہوتا ہے جنھوں نے فورٹ ولیم کالج، کلکتہ کی ملازمت کے دوران انیسویں صدی کی ابتداء میں 'باغ و بہار' لکھی اور اس کے دیباچے میں اردو کے آغاز کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اس کے بعد مولانا محمد حسین آزاد نے 'آب حیات' لکھ کر اردو کے آغاز کے بارے میں اپنا ایک الگ نظریہ پیش کیا۔ بیسویں صدی کے نصف اول میں سید سلیمان ندوی نے 'نقوش سلیمانی' میں اردو کے آغاز کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کیا۔ اسی زمانے کے آس پاس حافظ محمود خاں شیرانی اور سید محی الدین قادری زور جیسے جید عالموں اور محققوں نے بھی اردو کے آغاز و ارتقا کے بارے میں نہایت وقتِ نظر اور محققانہ استدلال کے ساتھ

اپنے اپنے نظریات پیش کئے۔'مقدمہ تاریخ زبان اردو' میں مسعود حسین خاں نے اردو کے آغاز و ارتقا کا سب سے قابل قبول نظریہ پیش کیا۔ اس کے بعد شوکت سبزواری کے تحقیقی کارنامے سامنے آئے پھر عہدِ حاضر میں گیان چند جین اور صحیحل بخاری جیسے محققین نے اس موضوع پر خامہ فرسائی کی''۔[1]

گیان چند جین، اردو کی لسانی تشکیل میں اپنے مضمون ''اردو کے آغاز کے نظریے'' میں لکھتے ہیں۔ ''کسی زبان کے آغاز کا مسئلہ طے کرنا ماہرِ لسانیات کا کام ہونا چاہئے لیکن آزادی سے قبل جن زعمانے اردو کے آغاز کے مسئلے پر بڑے اعتماد سے قولِ فیصل جاری کیا وہ لسانیات سے نابلد تھے۔ انھیں یہ معلوم نہ تھا کہ ۱۰۰۰ء یا ۱۵۵۰ء میں ہندوستان کا لسانی نقشہ کیا تھا۔ وہ زبان اور بولی کے فرق کو بھی نہ جانتے تھے۔ آج بھی ایسے معصوم نظر آتے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ بولی میں تحریری ادب وجود میں آجاتا ہے تو اسے زبان کہتے ہیں اور جس زبان میں تحریریں نہ ہوانھیں بولی ہی کہا جائیگا۔

اردو کے مسئلے پر غور کرنے والوں کو دو زمروں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ایک تو وہ بزرگ ہیں جو لسانیات کا درک نہیں رکھتے مثلاً میر امّن، محمد حسین آزاد، نصیر الدین ہاشمی، سلیمان ندوی اور محمود شیرانی۔ یہ حضرات جدید ہند آریائی زبانوں کے آغاز و ارتقا سے اس قدر نابلد ہیں کہ کھڑی بولی، اردو اور ہندی کے اشتراک و اختلاف کے احساس و عرفان نہیں رکھتے۔ وہ اردو سے واقف ہیں اور بس۔ دوسرے وہ اہل نظر ہیں جو تاریخی لسانیات پر نظر رکھتے ہیں مثلاً ڈاکٹر زور، ڈاکٹر مسعود حسین خان، ڈاکٹر شوکت سبزواری اور ڈاکٹر صحیحل بخاری۔'' اسی مضمون میں آگے وہ ایک اور اہم بات لکھتے ہیں۔ ''ایک معیاری زبان کی کئی

---

[1] مرزا خلیل احمد بیگ، اردو کی لسانی تشکیل، چوتھا ایڈیشن (علی گڑھ : ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۲۰۱۴) ص ۳۵ تا ۳۶

سطحیں ہوتی ہیں جن میں تحریری اور تقریری دو خاص سطحیں ہیں۔ تحریری کی بھی دو سطحیں
(۱) ادبی (۲) کاروباری یا علمی ہوتی ہیں۔ تقریری زبان کی کم سے کم تین سطحیں ہوتی ہیں۔

(۱) معیاری بولی یعنی پڑھے لکھے لوگوں کی بول چال کی زبان

(۲) پست معیاری یعنی شہر کے کم پڑھے لکھوں کی بول چال کی زبان

(۳) دیہاتی یعنی معیاری زبان کے علاقے میں دیہات کی مسخ شدہ بولی

یہ قسمیں طبقاتی اور عمودی ہیں اور سماجی لسانیات سے تعلق رکھتی ہیں۔ واضح رہے کہ زبان کے تعین میں تقریری روپ ہی معتبر ہوتا ہے، تحریری یا ادبی روپ نہیں۔ کسی ملک کا لسانی جائزہ لیا جاتا ہے یا بولی ایٹلس تیار کیا جاتا ہے تو مختلف علاقوں کی بول چال کی زبان اور بولی کا تجزیہ کیا جاتا ہے، اہل ادب کی انشا کا نہیں۔ اردو کے آغاز کے مسئلے کو بھی بول چال میں مستعمل زبان یا بولی تک محدود رکھنا ہوگا۔'' [۱]

اردو کے آغاز وارتقا کے تمام نظریات کو علی رفاد فتیحی نے اپنی کتاب 'اردو لسانیات' میں تین درجوں مین تقسیم کیا ہے۔

(۱) سامی نظریہ (۲) مسلم آریائی نظریہ (۳) آریائی نظریہ

سامی نظریے میں اردو کا تعلق سامی لسانی خاندان سے جوڑنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان نظریات کے حامیوں میں ''دکن میں اردو'' کے مصنف نصیر الدین ہاشمی اور ''نقوش سلیمانی'' کے مصنف سید سلیمان ندوی ہیں۔ سلیمان ندوی اردو کی جائے پیدائش سندھ قرار دیتے ہیں وہیں نصیر الدین ہاشمی کے نزدیک یہ دکن کی سرزمین ہے جہاں اردو کا ہیولیٰ تیار ہوا تھا۔

مسلم آریائی نظریہ کے تحت وہ نظریات آتے ہیں جن کے مطابق اردو کی داغ

---

۱ مرزا خلیل احمد بیگ، اردو زبان کی تاریخ، دوسرا ایڈیشن (علی گڑھ : ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۲۰۱۱) ص ۴۰

بیل شمالی ہندوستان میں پڑی حالانکہ اس درجہ کے ماہر لسانیات کے نظریات میں شدید اختلافات پائے جاتے ہیں مثلاً حافظ محمود خاں شیرانی کے مطابق اردو کی پیدائش پنجاب میں ہوئی جبکہ محمد حسین آزاد اسکی ابتداء برج بھاشا سے بتاتے ہیں۔ژول بلاک اس ضمن میں ہریانوی کی طرف ہماری توجہ دلاتے ہیں وہیں پروفیسر مسعود حسین خاں اسے دہلی اور نواح دہلی کی بولیوں سے منسوب کرتے ہیں۔شوکت سبزواری پالی سے اردو کی ابتداء ثابت کرتے ہیں وہیں پاکستان کے فتح محمد ملک اُڑیسہ کو اردو کی جائے پیدائش بتاتے ہیں ۔بہر حال اس ضمن میں مزید تحقیقات جاری ہیں اور آنے والے وقت میں مزید نظریات سامنے آئیں تو کچھ تعجب خیز نہ ہوگا۔

اردو کی پیدائش کے سامی نظریات

ا۔ اردو کی پیدائش وادیِ سندھ میں ہونے کا نظریہ :

مولانا سلیمان ندوی کا نظریہ ہے کہ اردو کی پیدائش سندھ میں ہوئی ہے کیونکہ ۷۱۲ء میں محمد بن قاسم نے سندھ کو فتح کر لیا تھا اور اس فتح کے بعد کثیر تعداد میں مسلم وادی سندھ میں مقیم ہو گئے اور تقریباً تین سو سال تک سندھ تک ہی محدود رہے۔اس طویل عرصے کے دوران عربوں اور مقامی باشندوں کے مابین سماجی میل جول نے عروج پایا اور سندھ کی مقامی بولی یعنی سندھی اور عربوں کی زبان عربی کے مابین بھی روابط قائم ہوئے اسی بنیاد پر سلیمان ندوی نے اپنے نظریہ کو اپنی تصنیف ’’نقوش سلیمانی میں پیش کیا۔بمطابق ان کے’’ قرین قیاس یہی ہے کہ جس کو آج ہم اردو کہتے ہیں اس کا ہیولیٰ وادی سندھ میں تیار ہوا ہوگا۔ لہٰذا ان کا خیال ہے کہ اسی دوران عربی نے سندھ کی مقامی بولی سے مل کر اردو کی داغ بیل

ڈالی ہوگی۔'' ۱

سید سلیمان ندوی کے اس نظریہ کی تردید تقریباً تمام ماہر لسانیات نے کی ہے کیونکہ سندھ کی مقامی زبان پر عربی کے اثر سے جو زبان وجود میں آئی دراصل وہ اردو نہیں بلکہ سندھی زبان تھی۔ سندھی میں ہمیں عربی زبان کے بے شمار الفاظ ملتے ہیں مگر ماہر لسانیات کے مطابق کسی زبان میں غیر زبانوں کے الفاظ کی موجودگی اس زبان کے بنیادی ڈھانچے اور ساخت کو نہ تو متاثر کرتی ہے نہ ہی اس کی قدیم بناوٹ کا کوئی پتہ دیتی ہے۔ اردو کا تعلق ہند آریائی گروہ سے ہے کیونکہ جن ترکیبی اجزا سے اس کا بنیادی ڈھانچہ تیار ہوا ہے وہ ہند آریائی ہے نہ کہ سامی یا ایرانی۔ کسی زبان کے بنیادی ڈھانچے اور ترکیبی اجزا کو نظر انداز کر کے محض اس کے سرمایہ الفاظ کی بنیاد پر اس کا تعلق سندھ سے یا عربی زبان سے جوڑنا دراصل غلط طریقہ کار ہے۔ اس نظریہ کی پختگی کے لئے کسی طرح کے شواہد اور لسانی دلائل بھی ندوی صاحب نے پیش نہیں کئے بلکہ یہ پورا نظریہ صرف قیاس کی بنیاد پر ٹکا ہوا ہے اور اسی لئے سلیمان ندوی کے اس نظریہ کو اردو ادب میں زیادہ اہمیت حاصل نہیں ہو پائی۔

۲۔ دکن میں اردو کی ابتداء

اس نظریہ کو **نصیر الدین ہاشمی** نے اپنی تصنیف ''دکن میں اردو'' کے ذریعہ پیش کیا جسے جدید دور کے کچھ عالموں نے مزید تقویت بخشی ہے۔ اس نظریہ کی بنیاد یہ ہے کہ جنوبی ہند سے عرب سوداگروں کے تعلقات بہت قدیم تھے اور اس علاقے میں ان کی آمد و رفت عرصہ دراز تک قائم رہی لہٰذا یہاں کی مقامی دکنی زبان اور عربی زبان کی آمیزش سے اردو زبان نے وجود پایا۔ نصیر الدین ہاشمی اپنی تصنیف ''دکن میں اردو'' میں اس ضمن میں رقم

۱سلیمان ندوی، نقوش سلیمانی، ص ۳۱

طراز ہیں کہ ''یہ امر تقریباً تصفیہ شدہ ہے کہ اردو مسلمانوں اور ہندوؤں کے باہمی میل جول سے پیدا ہوئی ہے۔ اس لئے جن اصحاب کا یہ دعویٰ ہے کہ اس کی ابتداء سندھ اور دکن سے ہوئی، وہ ایک حد تک غلط نہیں ہوسکتا، کیوں کہ مسلمانوں کی آمد سب سے پہلے ان ہی مقامات پر ہوئی۔''[۱] اور آگے وہ لکھتے ہیں۔ ''اب یہ امر خاص طور سے غور طلب ہے کہ جب مسلمانوں نے مدتوں دکن میں بود و باش کی تو ظاہر ہے کہ ایک خاص زبان کا پیدا ہونا ضروری تھا، جو دونوں غیر قوموں کے لئے تبادلہ خیال کا ذریعہ ہوتی۔ اس لحاظ سے جو دعویٰ اردو کے دکن سے پیدا ہونے کا کیا جاتا ہے، وہ بہت بڑی حد تک صحیح ہوسکتا ہے۔''[۲] اس ضمن میں دکن کی ڈاکٹر **آمنہ خاتون** کا ذکر کرنا بھی ضروری ہو جاتا ہے کیونکہ انہوں نے، 'دکنی کی ابتداء' کے نام سے تحریر کردہ اپنے ایک کتابچہ میں دعویٰ کیا ہے کہ دکنی زبان کے ارتقا کا تعلق شمالی ہند کی بولیوں سے نہیں بلکہ دکن کی سرزمین سے ہی ہے۔ آمنہ خاتون کے خیال کے مطابق مسلمانوں کی دہلی آمد سے کم سے کم ساڑھے پانچ سو سال قبل ہی دکن میں مرہٹی زبان میں عربی، فارسی الفاظ کی آمیزش سے دکنی کی داغ بیل پڑی۔ اس ضمن میں وہ اپنے کتابچہ 'دکنی کی ابتداء میں رقم طراز ہیں۔

'تاریخ شاہد ہے کہ بندرگاہ تھانہ پر قبضے (۶۳۶ء) کے زمانے سے دولت آباد کے پایہ تخت قرار پانے (۱۳۲۷ء) کے زمانے تک مہاراشٹرا کے مسلمانوں کی زبان پہلے بلاشبہ شورسینی اپ بھرنش اور بلاشبہ اس کی مقامی پیداوار مراٹھی تھی اور اس کے شواہد موجود ہیں کہ شورسینی اپ بھرنش اور مرہٹی میں عربی اور فارسی کی سات سو سال کے عرصے میں بتدریج آمیزش اور پڑوس کی جدید آریائی زبانوں سے لین دین اور راہ و رسم کی وجہ سے

---

۱ نصیر الدین ہاشمی، دکن میں اردو، (۱۹۸۵ء) ص ۳۳
۲ نصیر الدین ہاشمی، دکن میں اردو، (۱۹۸۵ء) ص ۳۵

مرہٹی کے دوش بدوش دکنی کی نشو نما ہوئی۔"[1]

اردو کے آغاز و ارتقا کے بارے میں، دیگر نظریات پیش کرنے والے عالموں پر تنقید کرتے ہوئے وہ اپنے کتابچہ میں فرماتی ہیں کہ۔"یہ فرض کرنا کہ دکن میں ان پورے پونے سات سو سالوں کے عرصے میں مرہٹی میں عربی اور فارسی کے شمول اور راجستھانی، گجراتی اور برج بھاکا کے ماحول کے اثر سے دکنی وجود میں نہیں آئی بلکہ دفعتاً ۱۳۲۷ء میں دہلی کی آبادی کے دولت آباد میں منتقل ہو جانے سے موجود ہو گئی ہے، کسی زبان کے وجود میں آنے اور اس کے نشو و نما پانے کے کل مسلمہ لسانیاتی اصولوں کے سراسر خلاف ہے اور اس حقیقت سے چشم پوشی ہے کہ دولت آباد، گلبرگہ اور بیدر جو سلطنت دہلی کے مرکز حکومت تھے مرہٹواڑی میں واقع تھے اور یہاں کے باشندوں کی زبان مرہٹی تھی۔"[2]

اردو کے دکن میں پیدا ہونے کا نظریہ زیادہ تر ماہر لسانیات کے نزدیک صحیح نہیں ہے کیوں کہ عرب جب دکن آئے تو دکن میں جو زبانیں رائج تھیں مثلاً کنڑ، تامل، ملیالم وغیرہ وہ سب دراویڑی خاندان سے تعلق رکھتی ہیں جبکہ عربی بالکل ہی الگ لسانیاتی خصوصیات کے حامل خاندان، سامی خاندان سے تعلق رکھتی ہے اور یہ خیال کہ ان دو مختلف خاندانوں (دراویڑی اور سامی) کی دو زبانوں کے میل سے ایک تیسرے خاندان یعنی ہند آریائی خاندان سے تعلق رکھنے والی زبان وجود میں آئی کسی بھی نقطہ نظر سے صحیح نہیں ہو سکتا۔

مسعود حسین خان مقدمہ تاریخ اردو زبان میں لکھتے ہیں۔"آمنہ خاتون نے اگر دہلی اور نواح دہلی کی دو بولیوں، کھڑی بولی اور ہریانوی کا لسانیاتی تجزیہ اور دکنی سے اس کا

---

[1] ڈاکٹر آمنہ خاتون، دکنیکی ابتداء، (سنہ ۱۹۷۰ء) ص ۳۴

[2] (۲۰) ۲۰۔ ڈاکٹر آمنہ خاتون، دکنیکی ابتداء، (سنہ ۱۹۷۰ء) ص ۳۴

تقابل کرلیا ہوتا تو انھیں اندازہ ہوجاتا کہ دکنی کی اصل واساس یہی دونوں بولیاں ہیں نہ کہ مرہٹی (مراٹھی)۔دکنی پر مراٹھی کے اثرات محض چند عناصر تک ہی محدود ہیں، مثلاً ''نکو'' اور ''چ'' تاکیدی وغیرہ، یا مراٹھی کے چند الفاظ جو دکنی میں درآئے ہیں۔[۱]

گیان چند جین، اردو کی لسانی تشکیل میں اپنے مضمون ''اردو کے آغاز کے نظریے'' میں لکھتے ہیں۔ ''اردو ہند آریائی زبان ہے اس لئے دراویڑی زبانوں کے علاقے میں اس کے وضع ہونے کا سوال ہی نہیں، سندھ میں عربوں کے آنے سے قدیم سندھی متاثر ہوئی ہوگی۔عربی اور سندھی کے میل سے اردو نہیں پیدا ہوسکتی۔''[۲]

اردو کی پیدائش کے مسلم آریائی نظریات

اردو کی پیدائش کے مسلم آریائی نظریات کے ضمن میں مندرجہ ذیل اہم نظریات آتے ہیں۔

(ا) پنجاب میں اردو کی ابتداء کا نظریہ :

اس نظریہ کی بنیاد یہ ہے کہ محمود غزنوی اور اس کے بعد شہاب الدین غوری کی فتوحات کے باعث فارسی اور پنجاب کی مقامی زبان کے میل جول سے اردو زبان کا ڈھانچا تیار ہوا اور جب یہ فارسی آمیز پنجابی یعنی قدیم اردو دہلی پہنچی تو اس نے ترقی کی نئی منزلیں طے کیں۔اس نظریہ کی طرف سب سے پہلے شیر علی خاں سرخوش نے اپنے تذکرے ''اعجاز سخن'' (۱۹۲۳ء) میں اشارہ کیا تھا۔سرخوش کے علاوہ سید محی الدین قادری زور نے بھی اس

۱مرزا خلیل احمد بیگ، لسانی تناظر (علی گڑھ : ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۹۷) ص ۱۵۳ تا ۱۵۷

۲مرزا خلیل احمد بیگ، اردو زبان کی تاریخ، دوسرا ایڈیشن (علی گڑھ : ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۲۰۱۱) ص ۴۲

امر کی طرف اشارہ کیا تھا کہ اردو پنجاب میں پیدا ہوئی ہے۔ اس نظریے کو انہوں نے اپنی تصنیف ''ہندوستانی لسانیات'' میں ان الفاظ میں کیا ہے۔ ''اردو کا سنگ بنیاد دراصل مسلمانوں کی فتح دہلی سے بہت پہلے ہی رکھا جا چکا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ اس نے اس وقت تک ایک مستقل زبان کی حیثیت نہیں حاصل کی تھی، جب تک کہ مسلمانوں نے اس شہر کو اپنا پایہ تخت نہ بنا لیا۔ اگر یہ کہا جائے تو صحیح ہے کہ اردو اس زبان پر مبنی ہے جو پنجاب میں بارہویں صدی عیسویں میں بولی جاتی تھی۔''[1]

اس نظریہ کو حافظ محمود خاں شیرانی نے اپنی تصنیف ''پنجاب میں اردو'' میں بڑے مفصل اور مدلل انداز میں پیش کیا۔ وہ لکھتے ہیں۔ ''اردو دہلی کی قدیم زبان نہیں بلکہ وہ مسلمانوں کے ساتھ دہلی جاتی ہے اور چوں کہ مسلمان پنجاب سے ہجرت کر کے جاتے ہیں اس لئے یہ ضروری ہے کہ وہ پنجاب سے کوئی زبان اپنے ساتھ لے کر گئے ہونگے۔''[2]

دراصل محمد بن قاسم کے بعد دوسری مرتبہ مسلمان دسویں صدی عیسوی کے آخر میں غزنی کے بادشاہ امیر سبکتگین کی سرکردگی میں پنجاب میں داخل ہوئے۔ ان دنوں ہندوستان میں دہلی سے کابل کے قرب تک راجا جے پال کی حکومت تھی جس کا دارالخلافہ لاہور تھا۔ امیر سبکتگین نے جے پال کو شکست دے کر پنجاب اور پشاور کے علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ امیر سبکتگین کی وفات (۹۹۷ء) کے بعد اس کے فرزند محمود غزنوی نے پنجاب اور دیگر علاقوں پر یکے بعد دیگر حملے کئے اور لاہور کو اپنی سلطنت میں شامل کر کے (۱۰۲۷ء) ایک ترکی کو حاکم مقرر کیا اور خود غزنی واپس چلا گیا جہاں ۱۰۳۰ء میں اس کا انتقال ہو گیا۔ غزنوی

---

[1] محی الدین قادری زور، ہندوستانی لسانیات، ایڈیشن ۲۰۱۱ (علی گڑھ : ایجوکیشنل بک ہاؤس) ص ۹۳

[2] محمود خاں شیرانی، پنجاب میں اردو، پہلا ایڈیشن (دہلی : قومی اردو کونسل، ۲۰۰۵) ص ۱۳

سلطنت کے قیام کے بعد مسلمان رفتہ رفتہ سارے پنجاب میں پھیل گئے مگر یہ وادی سندھ اور مالابار کے ساحلوں پر وارد ہوئے مسلمانوں کے برخلاف عربی کی جگہ فارسی بولتے تھے جبکہ کچھ کی مادری زبان ترکی بھی تھی۔ پنجاب میں مسلمانوں نے تقریباً دوسوسال تک قیام کیا جس کی بدولت مقامی باشندوں کے ساتھ ان کے مضبوط سماجی روابط قائم ہو گئے۔ اسی بنیاد پر حافظ محمود خاں شیرانی نے اپنے نظریہ کی بنیاد رکھی اور ان کے مطابق اردو کا جنم سر زمین پنجاب میں ہوا اور یہیں سے بعد کو وہ دہلی پہنچی۔

محمود خاں شیرانی نے اپنے اس نظریہ کو ثابت کرنے کے لئے نہ صرف تاریخی دلائل پیش کئے ہیں بلکہ پنجابی، دکنی اور اردو کی لسانی خصوصیات کا مطالعہ اور اردو، پنجابی کی صرف ونحو کا تقابلی مطالعہ بھی پیش کیا ہے۔ اس کے بعد وہ لکھتے ہیں۔ ''ان کی تذکیر و تانیث اور جمع اور افعال کی تصریف کا اتحاد اسی ایک نتیجے کی طرف ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ اردو اور پنجابی زبانوں کی ولادت گاہ ایک ہی مقام ہے۔ دونوں نے ایک ہی جگہ تربیت پائی ہے، اور جب سیانی ہوگئیں ہیں تب ان میں جدائی واقع ہوئی ہے۔''[۱]

ٹی۔ گراہم بیلی جو پنجابی زبان کے ایک مستند عالم سمجھے جاتے تھے اردو کے آغاز کے بارے میں محمود خاں شیرانی کے خیال سے پورے طور پر اتفاق کرتے ہوئے رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے مجلّے میں لکھتے ہیں۔ ''اردو ۱۰۲۷ء کے لگ بھگ لاہور میں پیدا ہوئی۔ قدیم پنجابی اس کی ماں ہے اور قدیم کھڑی بولی سوتیلی ماں، برج سے براہ راست اس کا کوئی رشتہ نہیں ہے۔ مسلمان سپاہیوں نے پنجابی کے اس روپ کو جوان دنوں دہلی کی قدیم کھڑی بولی سے زیادہ مختلف نہ تھا اختیار کیا اور اس میں فارسی الفاظ اور فقرے شامل کر

---

[۱] محمود خاں شیرانی، پنجاب میں اردو، پہلا ایڈیشن (دہلی : قومی اردو کونسل، ۲۰۰۵) ص ۹۳

دئے۔''[1]

محمود خاں شیرانی کی'' پنجاب میں اردو'' کی اشاعت سے قبل ڈاکٹر سنیتی کمار چٹر جی نے اپنی ایک تحقیقی تصنیف'' دی اوریجن اینڈ ڈیولپ مینٹ آف دی بنگالی لینگویجز'' کی پہلی جلد کے مقدمے میں یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ نواح دہلی کی موجودہ بولیوں کا تشخص مسلمانوں کے داخلہ دہلی کے وقت نہیں ہوا تھا اور لاہور تا الہٰ آباد تقریباً ایک ہی زبان رائج تھی۔اس خیال کی تائید بعد میں ڈاکٹر محی الدین قادری زور نے بھی کی اور اردو کو اس زبان پر مبنی بتایا جو پنجاب میں بارہویں صدی میں بولی جاتی تھی۔

پنجاب میں اردو کے پیدا ہونے اور پھر دہلی پہنچنے کی دلیل دراصل ایک قیاس ہے۔ کیونکہ شیرانی صاحب کے نظریہ کے مطابق مسلمانوں نے لاہور سے دہلی کی جانب بڑی تعداد میں نقل مکانی کی تھی اور وہ اردو زبان کو اپنے ساتھ لے کر دہلی گئے تھے، کسی بھی طرح سے ثابت نہیں ہوتا۔اتنی بڑی تعداد میں نقل مکانی کی شہادت کہیں نہیں ملتی کہ وہ دہلی اور اطراف دہلی کے لسانی مزاج کو بدل ڈالے۔ان کے نظریہ کی دوسری بنیاد دکنی اور پنجابی زبان کی مماثلتیں ہیں مگر یہ جزوی مماثلتیں کسی بھی ایک خاندان کی دو بولیوں میں مل جائیں گی اور اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ ایک زبان دوسری زبان سے ماخوذ ہے۔

اس نظریہ پر ڈاکٹر مسعود حسین خاں نے اپنی تصنیف'' مقدمہ تاریخ زبان اردو'' اور ڈاکٹر شوکت سبزواری نے'' داستان زبان اردو'' میں تنقید کی ہے اور اس نظریہ کی تردید کی ہے۔دونوں حضرات نے پنجابی اور اردو کے بہت سارے اختلافات کو نمایاں کیا ہے وہیں ڈاکٹر سبزواری نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ اردو کے بعض روپ پنجابی روپوں سے زیادہ

---

[1] جرنل، رائل ایشیاٹک سوسائٹی، (۱۹۳۰ء) ص ۳۹۱، بحوالہ شوکت سبزواری، داستان زبان اردو، ص ۵۰

قدیم تر اور سنسکرت سے نزدیک تر ہیں۔

ڈاکٹر مسعود حسین خاں اپنے ایک انگریزی مضمون Some observations on the origin of urdu میں لکھتے ہیں (ترجمہ ڈاکٹر مرزا خلیل احمد بیگ)۔

''میں آخر الذکر نظریے (سنیتی کمار چٹرجی اور محی الدین قادری زور) کا ذکر پہلے کرنا چاہتا ہوں۔ یہ نظریہ اس مغالطے کی وجہ سے وجود میں آیا جس کا ذکر میں بالکل شروع میں کر چکا ہوں یعنی یہ کہ علاقائی بولیوں کے اختلافات کو نظر انداز کر کے ہند آریائی کی تاریخ کا مطالعہ کلّی حیثیت سے ممکن نہیں۔ ہمارے محققین کی یہ کمزوری رہی ہے کہ وہ کلیت میں اتنا زیادہ کھو جاتے ہیں کہ بعض اوقات وہ ان شواہد کو بھی نظر انداز کر جاتے ہیں جن کی مدد سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی علاقے میں بولیوں کا پھوٹ (split) بھی عمل میں آیا ہے۔

سنہ ۱۳۱۸ء میں لکھی گئی اپنی فارسی مثنوی ''نہ سپہر'' میں خسرو نے ہندوستانی زبانوں کا ذکر کیا ہے اور اپنے عہد کی لسانی صورت حال کو یوں بیان کیا ہے۔ ' قدیم زمانے سے ہندوستان کی زبان ''ہندوی'' رہی ہے، جب غوریوں اور ترکوں نے یہاں کا رخ کیا تو فارسی زبان نمودار ہوئی، جب لوگوں کا ان سے (ترکوں) سابقہ پڑا تو ہر شخص نے فارسی سیکھنا شروع کر دی، اس طرح دوسری زبانوں کا ارتقا رک گیا۔''

خسرو نے ہندوستانی زبانوں کی فہرست یوں پیش کی ہے۔

سندی، لاہوری و کشمیر وڈُگر　　　دھور سمندری، تلنگی و گجر

معبری، گوڑی و بنگال و اود　　　دہلی و پیرانش، اندر ہمہ حد

خسرو کے مطابق قدیم زمانے سے یہ ہندوی زبانیں رائج ہیں اور لوگ ہر مقصد

کے لئے انھیں استعمال کرتے ہیں، وہ آگے لکھتے ہیں۔ ’’لیکن ایک دوسری زبان بھی ہے

جسے سارے برہمن برتر تسلیم کرتے ہیں۔ قدیم زمانے سے اس کا نام سنسکرت ہے جس کے بارے میں لوگوں کو بہت کم واقفیت ہے۔‘‘

اس طرح کے واضح لسانی بیان کی موجودگی میں جو اس دور کے سب سے بڑے ادیب اور کئی زبانوں کے ماہر کے قلم سے نکلا ہو یہ کیسے دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ اردو اور اس کی نسبت سے ہندی کی اساس اس زبان پر قائم ہے جو شمالی ہندوستان میں لاہور تا الہٰ آباد بولی جاتی تھی۔[۱]

(۲) برج بھاشا سے اردو کی ابتداء کا نظریہ :

اس نظریہ کے حامیوں میں ہیورنلے، محمد حسین آزاد، میر امّن، سر سید احمد خاں، امام بخش صحبائی اور سید شمس اللہ قادری کے نام قابل ذکر ہیں۔

اردو زبان کی ابتدا برج بھاشا سے ہونے کا نظریہ سب سے پہلے **روڈولف ہیورنلے** نے پیش کیا تھا۔ روڈولف ہند آریائی لسانیات کے ماہر تھے۔ انہوں نے اس ضمن میں اپنے مقدمہ ’’گوڑی زبانوں کی قوائد‘‘ میں اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ اردو بارہویں صدی میں دہلی کے نواح میں، جو مسلم اقتدار کا علاقہ تھا، پیدا ہوئی۔ یہ علاقہ برج، مارواڑی، پنجابی کا سنگم ہے۔ یہیں مقامی باشندوں اور مسلم سپاہیوں کے اخطلاط و ارتباط سے ایک ملی جلی زبان وجود میں آئی جو صرفی، نحوی اصول کی حد تک برج ہے، اگرچہ اس میں پنجابی اور مارواڑی کی آمیزش بھی ہے۔ **محمد حسین آزاد** نے اپنی تصنیف ’’آب حیات‘‘ میں اپنے اس نظریہ کو ان الفاظ میں پیش کیا ہے۔ ’’اتنی بات ہر شخص جانتا ہے کہ

---

[۱] مسعود حسین خان؛ سم آبزرویشن آن دی آریجن آف اردو، بحوالہ مرزا خلیل احمد بیگ؛ اردو زبان کی تاریخ، دوسرا ایڈیشن (علی گڑھ : ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۲۰۱۱) ص ۳۲ تا ۳۴

ہماری اردو زبان برج بھاشا سے نکلی ہے اور برج بھاشا خاص ہندوستانی زبان ہے۔"[1]

سید شمس اللہ قادری بھی اس نظریہ کی تائید میں رسالہ "تاج اردو" کے "قدیم نمبر" لکھتے ہیں۔ "مسلمانوں کے اثر سے برج بھاشا میں عربی فارسی الفاظ داخل ہونے لگے جس کے باعث اس میں تغیر شروع ہوا جو روز بروز بڑھتا گیا اور ایک عرصہ کے بعد اردو زبان کی صورت اختیار کر لی۔"[2]

اس نظریہ کو ایک زمانے بہت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا حالانکہ بعد کے دور میں یہ نظریہ بھی تنقید کی زد میں آ گیا کیونکہ اس نظریہ یا خیال کے پیچھے مضبوط دلائل نہیں تھے اور اس کا کوئی لسانیاتی جواز بھی پیش نہیں کیا جا سکا تھا۔ اس نظریہ کے وجود میں آنے کے پیچھے دو اہم وجوہات تھیں جن کو ذہن میں رکھ کر یہ نظریہ منظر عام پر آیا۔ اول برج بھاشا کی مقبولیت ۔ یہ بات کسی سند کی محتاج نہیں کہ ایک زمانے میں برج زبان نے صوفیائے کرام، سادھو، سنتوں اور سنگیت کاروں کو اپنی مٹھاس کے جادو سے ایسا جکڑا کہ ہر شخص اس کا دلدادہ ہو گیا اور برج بھاشا اپنے علاقے کے باہر بھی کافی مقبول ہو گئی ۔ برج بھاشا، دوہوں اور گیتوں کی زبان بن گئی یہی وجہ ہے کہ امیر خسرو، نام دیو، کبیر داس، گرو نانک وغیرہ کے کلام میں برج کے عمدہ نمونے ملتے ہیں۔ دوسری وجہ ہے آگرہ کا دار السلطنت ہونا۔ سلطان بہلول لودھی کے بعد سکندر لودھی کے زمانے میں برج کو پھلنے پھولنے کا بہت موقع ملا۔ اکبر، جہانگیر، اور شاہ جہاں کے عہد میں یہ سلسلہ جاری رہا اور ایک وقت ایسا آیا کہ شمالی ہند میں ادبی اظہار کے لئے اس سے بہتر زبان کوئی دوسری تسلیم نہیں کی

---

[1] محمد حسین آزاد، آب حیات (ایڈیشن ۱۹۶۷ء) ص ۱۳

[2] بحوالہ حافظ محمود خاں شیرانی؛ پنجاب میں اردو (دہلی؛ قومی کونسل برائے فروغ زبان اردو بہ اشتراک اتر پردیش اردو اکادمی، ۱۹۸۲ء) ص ۵۵

جاتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ شاہی دربار میں بھی اس کی رسائی ہوگئی تھی۔ اکبر کے دربار میں عبد الرحیم خان خانہ برج کا ہی بہترین شاعر تھا۔ شاہ جہاں کے آگرہ سے دہلی کو دارالسلطنت بنائے جانے کے بعد بھی برج کا اثر قائم رہا اور دہلی میں ہی برج بھاشا کی قواعد کی کتاب ''تحفۃ الہند'' کی تصنیف ہوئی جسے مرزا خاں نے غالباً مغل شہزادوں کو ہندی پڑھانے کی غرض سے فارسی میں لکھا تھا۔

اردو کے برج بھاشا سے نکلنے کے نظریہ پر محمود شیرانی نے اپنی کتاب ''پنجاب میں اردو'' اور مسعود حسین خاں نے ''مقدمہ تاریخ زبان اردو'' اور ڈاکٹر شوکت سبزواری نے ''داستان زبان اردو'' میں تنقید کی ہے۔ ان سبھی محققین نے لسانیاتی تجزیہ کی بنیاد پر اس نظریہ کو غلط ثابت کیا ہے۔

مسعود حسین خاں کہتے ہیں ''اس میں شک نہیں کہ قدیم اردو کو جدید اردو میں تبدیل کرنے میں برج بھاشا اور آگرہ کا بڑا ہاتھ رہا ہے لیکن اردو اور برج بھاشا کا رشتہ بیٹی اور ماں کا نہیں بلکہ بہنوں بہنوں کا ہے۔ آزاد نواحِ دہلی کی بولیوں کے نازک اختلافات سے ناواقف تھے اور محض روایتاً انھوں نے برج کو اردو کا ماخذ بتایا ہے۔ انھوں نے شیرانی کی طرح اس سلسلہ میں کوئی حجّت یا دلیل پیش نہیں کی ہے۔ برج بھاشا اس گروہ سے تعلق رکھتی ہے جس کے اسماء وافعال (اوَ) پر ختم ہوتے ہیں جب کہ اردو نے اپنے ارتقا کے کسی مرحلہ میں اس کو قبول نہیں کیا ہے۔ برج بھاشا طویل مصوتوں کو اپناتی ہے جبکہ قدیم اردو مختصر مصوتوں یا مشدد الفاظ کو ترجیح دیتی ہے۔ صوتی نقطہ نظر سے بھی یہ بات غیر تسلیم شدہ ہو جاتی ہے جیسے برج میں (ش) کی آواز (ش) نہ ہو کر (س) ہو جاتی ہے۔''[1]

---

[1] مسعود حسین خان؛ مقدمہ تاریخ زبان اردو، تیرہواں ایڈیشن (علی گڑھ : ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۲۰۱۳) ص ۱۸۹

(۳) اردو کے کھڑی بولی سے پیدا ہونے کا نظریہ :

اردو کے آغاز کا یہ ایک اہم اور بہت مقبول یا یوں کہا جائے کہ سب سے مقبول نظریہ ہے۔ اس نظریہ کے مطابق اردو کا ارتقا کھڑی بولی سے ہوا ہے۔ ڈاکٹر شوکت سبزواری، ڈاکٹر صحیحل بخاری اور پروفیسر گیان چند جین جیسے دانشور کھڑی بولی کو اردو کی اصل بیان کرتے ہیں۔ صحیحل بخاری اور شوکت سبزواری کا اس بات پر اتفاق ہے کہ لسانیاتی نقطہ نظر سے اردو، ہندی اور کھڑی بولی ایک ہی ہیں۔ ہندی میں جہاں سنسکرت کے تتسم الفاظ کی زیادتی ہے وہیں اردو میں عربی، فارسی الفاظ زیادہ ہیں لیکن اس کے باعث یہ کھڑی بولی سے الگ زبان نہیں ہو جاتی۔

شوکت سبزواری نے اپنی تصنیف ''داستان زبان اردو'' میں اردو کے آغاز و ارتقا سے متعلق تفصیل سے مدلل بحث کی ہے اور اپنے نظریہ کو پیش کیا ہے۔ ان کے مطابق اردو، ہندوستانی یا کھڑی بولی سے ترقّی پا کر بنی ہے جو دہلی اور میرٹھ کے نواح میں گیارھویں صدی عیسوی میں بولی جاتی تھی۔ ان کا نظریہ یہ بھی ہے کہ کھڑی بولی یا ہندوستانی یعنی اردو مسلمانوں کی آمد سے پہلے دہلی کے بازاروں میں بولی جاتی تھی۔ بقول ان کے۔'' اردو ہندوستانی سے ترقی پا کر بنی جو دہلی، میرٹھ اور اس کے نواح میں بولی جاتی تھی۔ جب مسلمان فاتحانہ شان سے دہلی میں داخل ہوئے تو ہندوستانی، دہلی کے بازاروں میں بول چال کی حیثیت سے رائج تھی۔ امیر خسروؔ، ابوالفضل، شیخ بہا الدین باجن، نے اسے دہلوی کہا۔ ہندو اہل علم عام طور سے برج، قنوجی، بندیلی وغیرہ بولیوں سے امتیاز کے لئے جو اس وقت 'پڑی' کہلاتی تھیں، کھڑی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ جب یہ زبان ترقی پا کر آگے بڑھی، مسلمانوں کی سرپرستی میں پروان چڑھی، ملک کے گوشے گوشے میں پہنچی، گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا تو ہندوستانی کہلائی۔ زبان بنیادی طور

سے وہی رہی جو آج ہے۔اس کے نام ایک سے زیادہ تجویز ہو گئے۔"[1]

شوکت سبزواری کے نظریہ کا ایک اہم پہلو اور بھی ہے۔ وہ یہ کہ بقول انکے اردو اور پراکرت کی درمیانی کڑی اپ بھرنش ہے یعنیٰ اردو کا ارتقا اپ بھرنش ہوا ہے اور یہ بول چال کی اپ بھرنش گیارھویں صدی عیسوی میں دہلی اور میرٹھ میں رائج تھی اسی سے اردو نے ارتقا پایا۔ گریرسن کی مغربی ہندی اور اسکی پانچ بولیوں کا تصوّر ان کی نظر میں محض ایک منطقی اُپج ہے۔ لہٰذا وہ لکھتے ہیں۔ "اردو اور پراکرت کی درمیانی کڑی اپ بھرنش ہے۔ اس لئے مغربی ہندی کو درمیان سے نکال کر یہ کہنا کہ اردو اپ بھرنش سے ارتقا پا کر وجود میں آئی زیادہ صحیح ہے۔"[2]

"اردو یا ہندوستانی اپ بھرنش کے اس روپ سے ماخوذ ہے جو گیارھویں صدی عیسوی کے آغاز میں مدھیہ دیش میں رائج تھا۔ مغربی اپ بھرنش اس کی ادبی شکل ہے، اور جیسا کہ میں نے عرض کیا وہ بول چال کی اپ بھرنش سے مختلف ہے۔ یہ بول چال کی اپ بھرنش دہلی اور میرٹھ میں بولی جاتی تھی۔"[3]

سنیتی کمار چٹرجی کا نظریہ بھی یہی ہے وہ شوکت سبزواری کی 'مغربی اپ بھرنش' کو 'ترقی یافتہ مغربی اپ بھرنش' کہتے ہیں اور اسی کو "ہندی"، "ہندوی"، "زبان اردو" کی اصل قرار دیتے ہیں۔ چٹرجی ان تینوں زبانوں کو ایک ہی مانتے ہوئے اسے "ہندوستھانی" کے نام سے پکارتے ہیں۔ یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ وہ اس "ترقی یافتہ مغربی اپ بھرنش" سے کھڑی بولی کا ہی نکھرا ہوا اور ترقی یافتہ وہ روپ مراد لیتے ہیں جو مسلمانوں کے داخلہ دہلی کے

---

[1] ڈاکٹر شوکت سبزواری ؛ داستان زبان اردو (دہلی : چمن بک ڈپو) ص ۹۴

[2] ڈاکٹر شوکت سبزواری ؛ داستان زبان اردو (دہلی : چمن بک ڈپو) ص ۹۹

[3] ڈاکٹر شوکت سبزواری ؛ داستان زبان اردو (دہلی : چمن بک ڈپو) ص ۱۰۳ تا ۱۰۴

وقت شمالی ہندوستان میں رائج تھا۔ دیکھئے انکی تصنیف ''INDO-ARYAN AND HINDI''
جس میں وہ لکھتے ہیں۔ ''ترکوں اور ایرانیوں کے یہاں سکونت پذیر ہونے اور دہلی میں
پہلی بار اسلامی سلطنت کے قیام کے بعد صرف ترقی یافتہ مغربی اپ بھرنش ہی شمالی ہندوستان
کے میدانی علاقوں کے عوام کی مشترکہ زبان کی حیثیت سے رائج ہوئی۔''[۱]

مزید لکھتے ہیں۔

''اسے کسی نے نئی زبان کی حیثیت سے شعوری اور باضابطہ طور پر ایجاد نہیں کیا یہ تو
مغربی ہندی کی بولیوں ('ا' پر ختم ہونے والی) کے غیر محسوس ارتقا کا نتیجہ تھی، اور اسے اولین
ہندوستانی مسلمانوں کی پنجابی زبان سے تقویت حاصل ہوئی تھی۔ یہ آگے چل کر دہلی کے
بازاروں میں بولی جانے لگی کہ دہلی بانگڑو کے علاقے میں واقع ہے جہاں 'ا' پر ختم ہونے
والی بولی رائج ہے۔ یہ دہلی کے ترک حکمرانوں کے دربار یا لشکر میں ارتقا پذیر ہونے والی
کوئی مصنوعی زبان نہ تھی۔ اس کا پہلا نام ''ہندی'' یا ''ہندوی'' تھا جس کا سادہ سا مطلب
ہے ہندوستان یا ہند کی یا ہندوؤں کی زبان۔ اس کا دوسرا نام ''زبان اردو'' یا لشکر کی زبان
بہت بعد کی یعنیٰ سترھویں صدی کے اواخر کی پیداوار ہے۔ اس زمانے میں دہلی کا مغل
شہنشاہ دکن کی مسلم ریاستوں اور مراٹھوں کے خلاف پے در پے لشکر بھیج رہا تھا اور ان کی
قیادت کر رہا تھا اور اسی کے ساتھ دہلی کی زبان دکن میں اپنا سکہ جماتی جا رہی تھی۔''[۲]

سہیل بخاری کا نظریہ بھی یہی ہے وہ اپنے ایک مضمون میں رقم طراز ہیں۔

''دراصل اردو اور ہندی ایک ہی زبان کے دو روپ ہیں جسے ماہرین علم زبان

---

[۱] سنیتی کمار چٹر جی؛ انڈو آرین اینڈ ہندی، دوسرا ایڈیشن (فرما کے ایل۔مکھو پادھیائے: ۱۹۶۹) ص ۱۹۶

[۲] سنیتی کمار چٹر جی؛ انڈو آرین اینڈ ہندی، دوسرا ایڈیشن (فرما کے ایل۔مکھو پادھیائے: ۱۹۶۹) ص ۱۹۷

نے کھڑی بولی کا نام دیا ہے۔ان کے موجودہ روپوں میں دو فرق واضح ہیں،ایک لپی اور دوسرا ذخیل الفاظ۔علمِ زبان کے لحاظ سے دونوں کے یہ اختلافات قابلِ التفات نہیں کیونکہ ان سے زبان کی بنیادی خصوصیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔کھڑی بولی کی قدیم تاریخ اردو زبان کا بھی ایسا ہی اہم حصہ ہے جیسا ہندی کا۔''[۱]

گیان چند جین کے مطابق بھی اردو کی اصل کھڑی بولی ہے وہ اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں۔''اردو کی اصل کھڑی بولی اور صرف کھڑی بولی ہے۔کھڑی بولی دہلی اور مغربی یوپی کی بولی ہے۔کسی کی مجال نہیں کہ یہ کہہ سکے کہ یہ پنجاب کی زبان پنجابی کی اولاد ہے۔اگر کھڑی بولی پنجابی سے نہیں نکلی تو اردو بھی پنجابی سے نہیں نکلی۔''[۲]

وہ شوکت سبزواری اور صحیحل بخاری سے اتفاق کرتے ہیں اور لکھتے ہیں۔''میں شوکت سبزواری اور صحیحل بخاری سے اتفاق کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ لسانیاتی نقطہ نظر سے اردو، ہندی، کھڑی بولی ایک ہیں۔اردو کھڑی بولی کا وہ روپ ہے جس میں عربی فارسی الفاظ کسی قدر زیادہ اور تت سم سنسکرت الفاظ تقریباً نہیں کے برابر ہوتے ہیں،لیکن اس خصوصیت کے باعث اردو کھڑی بولی سے علیحدہ زبان نہیں ہو جاتی۔''[۳]

مزید لکھتے ہیں۔''اردو کے آغاز کو دو منزلوں میں ڈھونڈنا چاہئے،اول کھڑی بولی کا آغاز، دوسرے کھڑی بولی میں عربی فارسی لفظوں کا شمول، جس کا نام اردو ہو جاتا ہے۔ میر امن سے لے کر ڈاکٹر مسعود حسین خاں تک نے دوسری منزل کے بارے میں بات کی

---

[۱] سہیل بخاری؛''اردو کا قدیم ترین ادب'' مطبوعہ'نقوش' (لاہور : شمارہ ۱۰۲ مئی ۱۹۶۵) ص ۸۳

[۲] گیان چند جین؛ ''اردو کے آغاز کے نظریے''،مطبوعہ'ہندوستانی زبان' (بمبئی : نمبر ۳، ۴ جولائی تا اکتوبر، ۱۹۷۷ء) ص ۷

[۳] گیان چند جین؛ ''اردو کے آغاز کے نظریے''،مطبوعہ'ہندوستانی زبان' (بمبئی : نمبر ۳، ۴ جولائی تا اکتوبر، ۱۹۷۷ء) ص ۱۲

ہے، جب کہ ڈاکٹر شوکت سبزواری اور ڈاکٹر صحیحل بخاری نے پہلی منزل پر زور دیا ہے [1]

جارج ابراہیم گریرسن بھی اردو کا ارتقا کھڑی بولی سے ہی بتاتا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ وہ کھڑی بولی کو 'ہندوستانی' کہتا ہے اور اردو کو اس کا ادبی روپ قرار دیتا ہے جس میں عربی و فارسی کے الفاظ زیادہ ہوتے ہیں۔ وہ کھڑی بولی کے دوسرے روپ کو جس میں سنسکرت کے تتسم الفاظ کی کثرت ہوتی ہے ہندی کہتا ہے۔

(۴) پالی بھاشا سے اردو کے ارتقا کا نظریہ :

شوکت سبزواری کے نزدیک مغربی ہندی ایک طرح کی خیالی زبان ہے وہ مغربی ہندی کے درمیان سے نکل کر اردو اور پراکرت کی درمیانی کڑی اپ بھرنش کو مانتے ہیں اور اردو کا ارتقا پراکرت کی ایک شکل پالی کو مانتے ہیں۔ اس امر کی طرف اشارہ ڈاکٹر شوکت سبزواری نے کیا ہے کہ اردو پالی بھاشا سے نکلی ہے۔ پالی پراکرت کی ہی ایک قسم ہے۔ اس میں وہ خصوصیات پائی جاتی ہیں جو کسی پراکرت کو سنسکرت سے ممیز کرتی ہے۔ قدیم ہند یورپی زبان کے علماء اس امر پر متفق ہیں کہ (اے اور اوَ) قدیم آوازیں تھیں۔ (اَے) اور (اَو) ان کی ارتقائی شکلیں ہیں۔ خود ''رگ وید'' میں بھی ان کا متبادل ملتا ہے۔ ویدک سنسکرت میں (اَے) اور (اَو) کا تلفظ دوہرے مصوطے کے طور پر ہوتا تھا لیکن کلاسکل سنسکرت کے زمانے میں اس کے تلفظ میں فرق پیدا ہو گیا۔ اردو میں پراکرت کی (اَے) اور (اَو) آوازیں بہ دستور موجود ہیں۔

شوکت سبزواری کے مطابق شورسینی میں سنسکرت ''ت'' ہر جگہ ''د'' ہو جاتی ہے لیکن پالی میں وہ بہ دستور ''ت'' ہی رہتی ہے اور اردو میں بھی یہی قاعدہ ہے۔ بعض لاحقے

---

[1] گیان چند جین؛ ''اردو کے آغاز کے نظریے''، مطبوعہ 'ہندوستانی زبان' (بمبئی : نمبر ۳، ۴ جولائی تا اکتوبر، ۱۹۷۷ء) ص ۱۴

پالی اور اردو میں مشترک ہیں مثلاً ’’وا‘‘ (والا) پالی میں بھی ہے جیسے ’’گنوا‘‘(گن والا) اور اردو میں بھی ہے جیسے پٹوا، پوروا، پچھوا وغیرہ۔ اس کے علاوہ ان کا خیال ہے کہ ضمیر واحد متکلم ’’میں‘‘ بھی پالی سے لی گئی ہے۔ ’’ہو‘‘ ایک فعل معاون جو ایک مستقل اور آزاد مادہ ہے، پہلوی میں بھی تھا اور پالی میں بھی۔ اردو میں اس کا وجود بتا تا ہے کہ اردو اور پالی کا ماخذ ایک ہی ہے۔ بمطابق ان کے ’’تھا‘‘، اردھ ماگدھی ’’ہوتھا‘‘ سے مشتق ہے اور چوں کہ اردھ ماگدھی ڈاکٹر سکینہ کے خیال کے مطابق پالی سے بہت زیادہ مشابہ ہے اس لئے اردو پالی سے ہی مشتق ہے۔ شوکت سبزواری بھنڈارکر کے حوالے سے ثابت کرتے ہیں کہ سنسکرت ’’کرتہ‘‘ کا روپ پالی کے ایک کتبے میں ’’کِستَ‘‘ ہے۔ اردو مصدر ’’کرنا‘‘ کی اصل یہی ہے۔

شوکت سبزواری کے اس نظریہ پر لسانی نقطہ نظر سے اعتبار کرنا دشوار ہے کیونکہ ان کے مطابق اردو اور پالی کا منبع ایک ہی ہے اور اردو پالی یا پراکرت سے نکلی ہے کا نظریہ مان لینے پر اردو زبان کی تاریخ کوئی سال پیچھے لے جانا پڑیگا جو کہ ٹھیک امر نہیں ہے۔ دیگر بات یہ ہے کہ پالی، ادب، فن اور فلسفے کی زبان ہے اور ہندوستانی عام زندگی کی عوامی زبان ہے۔ پالی اپنے دور میں ایک ادبی معیار پا کر ٹھہر گئی اور اس کا مزید ارتقا رک گیا جبکہ ہندوستانی عوامی زبان ہونے کے باعث اور نکھرنے کے عمل میں تھی۔ **پروفیسر احتشام حسین** ’’ہندوستانی لسانیات کا خاکہ‘‘ کے مقدمے میں لکھتے ہیں کہ ’’ایک عام خیال یہ ہے کہ ڈاکٹر شوکت سبزواری نے اردو کی ابتداء کا سراغ پالی میں تلاش کرنا چاہا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ شوکت سبزواری نہ تو پالی کو اردو کا ماخذ تسلیم کرتے ہیں اور نہ اردو کا سراغ پالی میں تلاش کرتے ہیں۔ اس کی تردید انھوں نے ’’داستان زبان اردو‘‘ کے پیش لفظ میں خود ہی پیش کر دی ہے یہ بات ضرور ہے کہ وہ پالی اور اردو میں بعض لسانی مماثلتوں کی بنا پر دونوں کے تعلق اور رشتے پر زور دیتے ہیں۔

(۵) اردو کے دہلی اور نواح دہلی میں پیدا ہونے کا نظریہ :

اس نظریہ کو **پروفیسر مسعود حسین خاں** نے اپنی تصنیف ''مقدمہ تاریخ زبان اردو'' میں پیش کیا ہے۔ انہوں نے شیرانی کے'' پنجاب میں اردو'' کے نظریہ پر تنقید کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ قدیم اردو اور دکنی کی جو خصوصیات شیرانی نے پجابی سے منسوب کی ہیں وہ دا صل دہلی اور نواح دہلی کی بولیوں میں اور بلخصوص ہریانوی میں بھی پائی جاتی ہیں۔ دوسرے لفظوں میں بقول ان کے قدیم اردو کا پنجابی پن اس کا ہریانوی پن ہے۔ محمود حسین خان کے مطابق دہلی شہر شار بولیوں کے سنگم پر واقع ہے۔ یہ بولیاں ہیں کھڑی بولی، برج بھاشا، ہریانوی اور میواتی۔ ہریانوی دہلی کے شمال مغرب میں بولی جاتی ہے کیونکہ یہ شہر جمنا کے مغرب میں ہریانہ سے لگا ہوا ہے۔ دہلی کے شمال مشرق اور جمنا پار میں کھڑی بولی کا چلن ہے۔ دہلی کے جنوب مشرق میں برج کا اثر شروع ہو جاتا ہے اور جنوب مغربی حصے میں میواتی بولی جاتی ہے۔ مسعود حسین خاں نے اردو کے ارتقا میں ان تمام بولیوں کے اثرات کو ڈھونڈنے کی کوشش کی ہے اور اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ ہریانی نے قدیم اردو کی تشکیل میں حصہ لیا جب کہ کھڑی بولی نے جدید اردو کا ڈول تیار کیا، برج بھاشا نے اردو کا معیاری لب ولہجہ متعین کرنے میں مدد دی ارو میواتی نے قدیم اردو پر اپنے نقوش چھوڑے ہیں۔ نواح دہلی کی ان بولیوں کے تقابلی مطالعے اور قدیم دور کے تحریری مواد کے لسانیاتی تجزیے کے بعد مسعود حسین خاں نے جو نظریہ پیش کیا وہ یہ ہے کہ نواح دہلی کی یہ سبھی بولیاں اصل میں اردو کا اصل منبع ہیں۔

وہ لکھتے ہیں۔ ''اس لئے'' زبان دہلی و پیرامنش'' (نواح دہلی کی بولیاں) اردو کا اصل منبع اور سرچشمہ ہے۔ اور'' حضرت دہلی'' اس کا حقیقی مولد و منشاء۔''[۱]

۱مسعود حسین خان؛ مقدمہ تاریخ زبان اردو، تیرہواں ایڈیشن (علی گڑھ : ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۲۰۱۳) ص ۲۶۲

یہاں یہ بات بھی ذہن نشین کر لی جائے کہ مسعود حسین خاں سے تقریباً ۱۵ سال پہلے ژول بلاک نے اپنے مضمون ''ہند آریائی لسانیات کے بعض مسائل'' میں اردو پر ہریانوی کے اثرات کی طرف اشارہ کیا تھا اس بات کی تائید میں، ژول بلاک کے قول کو خود مسعود حسین نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے۔

''اس میں شک نہیں کہ پنجاب پہلا صوبہ ہے جو مسلمانوں کے زیر اقتدار آیا اور عرصہ تک رہا۔ اسی لئے پنجابی اور اردو کی مماثلت یاد رکھئے لیکن یہ اس قیاس کے مانع نہیں کہ ہندی لشکروں کے جو لوگ پہلے پہل اپنی زبان کو دکن لے گئے پنجاب سے متعلق تھے، بلکہ مشرقی پنجاب کے ضلع انبالہ اور شمالی دوآبہ سے تعلق رکھتے تھے۔ مغربی روہیلکھنڈ کے متعلق میں تحقیق سے نہیں کہہ سکتا کیونکہ ان اضلاع کی اردو نما زبان شاید بعد کے اثرات کی پیداوار ہے۔''[1]

بعد کو ژول بلاک کی تحریروں ہی سے متاثر ہو کر ہریانوی کی اہمیت کے بارے میں ڈاکٹر زور اپنی کتاب ''ہندوستانی لسانیات'' یوں رقم طراز ہیں۔ ''یہاں ایک بات اور مد نظر رکھنی چاہئے کہ اردو پر بانگڑو یا ہریانوی زبان کا بھی قابل لحاظ اثر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زبان دہلی کے شمال مغرب میں انبالہ کے اطراف میں اس علاقہ میں بولی جاتی ہے جو پنجاب سے دہلی آتے ہوئے راستہ میں واقع ہے اور دہلی پر حملہ کرنے والوں یا وہاں کے حکمرانوں کے ہمراہ اسی علاقے کے رہنے والے بھیر و بنگا کی حیثیت سے دہلی اور اس کے نواح میں آکر آباد ہوئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فاتح و مفتوح کے میل جول سے جو زبان بنتی چلی آ رہی تھی اس میں ہریانی عنصر بھی شامل ہو گیا۔''[2]

اس میں کوئی شک نہیں کہ اردو کے آغاز کے سلسلے میں مسعود حسین خاں نے دہلی و نواح دہلی

---

[1] (بیلٹن اسکول آف اورینٹل اسٹڈیز، جلد ۵ : صفحہ ۳۰ (1928ء)

[2] (صفحہ ۹۰ لسانیات ۱۹۳۲ء حیدرآباد دکن) مسعود حسین خان؛ مقدمہ تاریخ زبان اردو، تیرہواں ایڈیشن (علی گڑھ : ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۲۰۱۳) ص ۲۳۷ تا ۲۳۸

کی تمام بولیوں میں ہریانوی کو ہی سب سے زیادہ اہمیت دی ہے اور قدیم اردو کو براہ راست ہریانوی سے تشکیل پزیر بتایا ہے جس پر رفتہ رفتہ کھڑی بولی کے اثرات پڑتے ہیں ،لیکن ان کے یہ خیالات ۱۹۸۷ء سے پہلے کے ہیں ۔انہوں نے جب اس کتاب کا ساتواں جدید ایڈیشن تیار کیا تو اپنے نظریہ میں بھی ترمیم کرتے ہوئے اردو کے آغاز کے سلسلے میں ہریانوی کے بجائے کھڑی بولی کو اولیت دی۔ان کا پہلے کا بیان ملاحظہ ہو۔

''قدیم اردو کی تشکیل براہ راست ہریانی کے زیر اثر ہوئی ہے۔اس پر رفتہ رفتہ کھڑی بولی کے اثرات پڑتے ہیں۔''[۱]

لیکن ۱۹۸۷ء میں ترتیب کردہ ساتوٰن جدید ایڈیشن میں وہ رقم طراز ہیں۔''قدیم اردو کی تشکیل براہ راست دوآبہ کی کھڑی اور جمنا پار کی ہریانوی کے زیر اثر ہوئی ہے۔''[۲]

مسعود حسین خاں کے اس نظریہ کے مطابق اردو نواح دہلی کی دو زبانوں ہریانوی اور کھڑی بولی سے پیدا ہوتی ہے۔

(٦) اردو کے ملواں زبان ہونے کا نظریہ:

اس نظریہ کی بنیاد یہ ہے کہ دو یا دو سے زیادہ زبانوں کے آپسی میل سے یا انکے باہم خلط ملط ہو جانے کے عمل سے ایک نئی زبان کا جنم ہوتا ہے۔میر امّن ''باغ و بہار'' کے دیباچے میں اپنے اس نظریہ کو ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔

''جب اکبر بادشاہ تخت پر بیٹھے، تب چاروں طرف کے ملکوں سے سب قوم، قدردانی اور فیض رسانی اس خاندانِ لاثانی کی سن کر،حضور میں آ کر جمع ہوئے،لیکن ہر ایک

---

۱ مسعود حسین خان؛ مقدمہ تاریخ زبان اردو، چوتھا ایڈیشن (۱۹۷۰)ص ۲۴۱

۲ مسعود حسین خان؛ مقدمہ تاریخ زبان اردو، ساتواں ایڈیشن (۱۹۸۷ء)ص ۲۳۶

کی گویائی اور بولی جُدی جُدی تھی، اکٹھے ہونے سے آپس میں لین دین، سودا سلف، سوال جواب کرتے، ایک زبان اردو کی مقرر ہوئی۔''[۱]

امام بخش صہبائی نے بھی کہا ہے کہ فارسی اور ہندی الفاظ کے خلط ملط سے اردو وجود میں آئی۔ ان کا یہ بیان ''پنجاب میں اردو'' میں محمود شیرانی نے نقل کیا ہے۔

''شاہ جہاں آباد تیموریہ خاندان کے شاہ جہاں نے آباد کیا۔ اس وقت فارسی کے بعض الفاظ اور ہندی کے اکثر الفاظ میں کثرت استعمال کے سبب تبدل و تغیر واقع ہوا اور اس خلا ملا سے جو بولی مروج ہوئی اس کا نام اردو ٹھہرا۔''[۲]

مگر اس نظریہ پر تنقید کرتے ہوئی مرزا خلیل احمد بیگ اپنی کتاب ''اردو کی لسانی تشکیل'' میں لکھتے ہیں۔

''اردو زبان کی ابتداء اور ارتقا کا مسئلہ ایک خالص لسانیاتی مسئلہ ہے لیکن جو لوگ لسانیات سے کما حقہ، واقفیت نہیں رکھتے اور ہند آریائی زبانوں کے تاریخی ارتقا، نیز ان کے صرفی و نحوی اصولوں اور صوتی تبدیلیوں پر نظر نہیں رکھتے وہ جب اس مسئلے پر غور کرتے ہیں تو محض قیاس آرائی سے کام لیتے ہیں اور بالعموم وہ غلط فہمیوں کا شکار ہوتے ہیں۔ پہلی غلط فہمی کے نتیجے میں وہ اردو کو ایک کھچڑی یا 'ملواں' زبان قرار دیتے ہیں، یعنی ایک ایسی زبان جو مختلف زبانوں کے الفاظ کے اختلاط و آمیزش کے نتیجے میں وجود میں آئی۔ وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ جب دو زبانیں آپس میں ملتی ہیں تو ایک تیسری زبان معرضِ وجود میں آ جاتی ہے۔ ان کے نزدیک اردو زبان کی تشکیل بھی اسی عمل کا نتیجہ ہے۔ اس قسم کے نظریات

---

[۱] میر امّن؛ باغ بہار، مرتبہ رشید حسن خاں (نئی دہلی : مکتبہ جامعہ لیمٹڈ، ۲۰۱۲) ص ۱۲ تا ۱۳

[۲] رسالہ 'قواعد اردو'، بحوالہ ''پنجاب میں اردو'' (ایڈیشن ۱۹۷۰ء) ص ۵۳

رکھنے والے اہل علم یہ بھول جاتے ہیں کہ ہر زبان کی اپنی ایک اصل اور بنیاد ہوتی ہے جس سے وہ زبان تشکیل پذیر ہوتی ہے اور جس پر اس زبان کا ڈھانچہ یا کینڈا تیار ہوتا ہے۔ محض دو زبانوں کا باہم اختلاط وارتباط یا 'خلاملا' ایک نئی زبان کی تشکیل پذیری کے لئے کافی نہیں ہوتا۔

لسانیات کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ زبان اپنی اصل، اپنی ساخت اور بنیاد، نیز اپنے اصول وقواعد سے پہچانی جاتی ہے نہ کہ اپنے سرمایہ الفاظ سے۔ کسی زبان میں غیر زبانوں کے الفاظ کی موجودگی سے اس زبان کے بنیادی ڈھانچے میں کسی قسم کا فرق پیدا نہیں ہوتا۔ 'فرہنگِ آصفیہ' میں تمام مندرج الفاظ کی تعداد ۵۴۰۰۹ بتائی گئی ہے۔ اس میں عربی کے ۷۵۸۴ اور فارسی کے ۶۰۴۱ الفاظ شامل ہیں جن کی مجموعی تعداد ۱۳۶۲۵ ہے اور ان کا تناسب ۲۳ فی صد ہے۔ اگر اردو میں ۹۰ یا ۹۵ فی صد الفاظ عربی و فارسی زبانوں کے پائے جاتے تب بھی یہ زبان سامی یا ایرانی نہ کہلاتی، بلکہ ہند آریائی ہی رہتی، کیونکہ اردو زبان کے اصلی یا بنیادی سرمایے یا اس کے ترکیبی عناصر کا جن سے اس زبان کی تعمیر وتشکیل ہوئی ہے تعلق ہند آریائی سے ہے، نیز وہ قدیم زبان جس سے اردو نے ارتقا پایا ہے، ہند آریائی ہے۔ اردو کی اصل واساس، اس کے تشکیلی اجزا، نیز اس کے قواعدی ڈھانچے یا کینڈے کو نظر انداز کر کے محض اس کے سرمایہ الفاظ کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسے ایک 'ملواں' زبان قرار دینا گمراہ کن نظریہ ہے۔[1]

(۷) اردو کی ابتداء اڑیسہ سے ہونے کا نظریہ :

یہ نظریہ پاکستان کے جناب فتح محمد ملک نے اپنی تصنیف ''اندازِ نظر'' میں پیش کیا ہے۔ اس میں وہ اپنے ایک مضمون ''لسانی تحقیق کا سیاسی پہلو'' میں اردو کے مختلف رویوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اردو پنجاب، دکن، سندھ، دہلی میں سے کسی جگہ نہیں بلکہ اڑیسہ میں

---

[1] مرزا خلیل احمد بیگ، اردو کی لسانی تشکیل، چوتھا ایڈیشن (علی گڑھ : ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۲۰۱۴) ص ۶۰ تا ۶۲

پیدا ہوئی۔ بقول انکے اردو ہند آریائی زبان نہیں ہے بلکہ سنسکرت سے الگ خالص دراوڑی بولی ہے، جو ہمیشہ سے اس ملک میں رائج تھی۔ انکے مطابق اردو ہی نہیں بلکہ ہندوستان کی سبھی بولیاں آریوں کے آنے کے وقت بھی یہاں بولی جاتی تھیں اور جب سے اب تک لگاتار بولی جا رہی ہیں۔ ان کی آوازوں، اصولوں اور ڈھانچوں میں کوئی فرق نہیں آیا ہے لیکن یہ ممکن ہے کہ ان کی تحریری شکلیں بدلتی رہی ہوں۔

اس قسم کے نظریات کی ماہر لسانیات کی نظر میں کوئی وقعت نہیں ہے کیونکہ ان نظریات کی کوئی لسانی اہمیت نہیں ہے۔ بلکہ کچھ عالم ایسے نظریات کو محض تفریح کا باعث مانتے ہیں۔

پروفیسر علی رفاد فتیحی کے مطابق خلاصہ یہ ہے کہ۔" مختصر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اردو ایک ہند آریائی زبان ہے۔ اس کے تاریخی ارتقا کو شورسینی اپ بھرنش اور پراکرت کے ذریعہ قدیم آریائی سے مربوط کیا جا سکتا ہے۔ جس کی نمائندہ زبان رگ وید کی سنسکرت ہے۔ تیرھویں عیسوی صدی کے آغاز یعنیٰ مسلمانوں کی فتح دہلی کے بعد اس زبان کا نیا ملواں روپ نمودار ہوتا ہے جسے ابتدائی زمانے میں ہندی، ہندوی اور زبانِ دہلوی کے نام سے یاد کیا گیا۔ زبان دہلوی کے مستند نمونے پندھرویں صدی کے وسط سے دکن میں ملتے ہیں جہاں یہ فتوحات دکن کے بعد پہنچی تھی۔ ابتداء سے اردو زبان عربی فارسی رسم الخت میں لکھی گئی ہے۔ اس کی صوتیات میں عربی فارسی آوازیں خ، ز، ف، ق، غ داخل ہیں۔ اس پر عربی فارسی لسانی اثرات محض اتفاقی نہیں جیسا کہ بنگالی، مرہٹی یا ہندی میں پائے جاتے ہیں بلکہ ان کی نوعیت بنیادی اور ترکیبی ہے جن سے قطع نظر اردو زبان کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہے۔ عربی فارسی عناصر نے زبان کو اس طرح ڈھانپ لیا ہے کہ انیسویں صدی کے تمام محققین نے اس بولی کو پہچاننے میں لغزش کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو کی ابتداء کے متعلق مختلف نظریے پائے جاتے ہیں۔[1]

---

[1] علی رفاد فتیحی ؛ اردو لسانیات ؛ پہلی اشاعت (دہلی : قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۲۰۱۳ء) ص ۲۱۹

اردو زبان کا آغاز و ارتقا اور راجستھانی زبان

راجستھانی کا تعارف : راجستھانی ان بولیوں کے مجموعے کا نام ہے جو خصوصاً راجستھان کے وسیع عریض خطے میں بولی جاتی ہے اور عموماً اس کا استعمال تھوڑے سے علاقائی تصرف کے ساتھ آگرہ سے لیکر مغرب میں سندھ تک اور مشرقی پنجاب کی جنوبی سرحد سے لیکر گجرات تک کے باشندے کیا کرتے ہیں۔ **جان بیمز** نے انہیں راجپوتی بولیاں کہاہے مگر اکثر ماہرین لسانیات نے انہیں راجستھانی لکھا ہے۔

جارج ابراہیم گریرسن نے اپنے لسانی جائزے میں راجستھانی کو اندرونی دائرہ کی زبانوں کے وسطی گروہ میں شامل کیا ہے اور مغربی ہندی سے اس کے خصوصی تعلق کی نشان دہی کی ہے۔ ویسے بھی مغربی ہندی اور راجستھانی رشتہ کے لحاظ سے سگی بہنیں ہیں اور ان دونوں کا تعلق اس پراکرت سے ہے جو'' بہار سے سندھ تک اور پنجاب سے مالوا تک پھیلی ہوئی تھی''۔ ۱ ا۔ کیفیہ؛ کیفی، پنڈت برج موہن دتا تریہ (لاہور : مکتبہ معین الادب) ص ۲۷ بعض نے علاقائی نسبت سے اس کا نام شورسینی پراکرت لکھا ہے۔ بہر حال راجستھانی وہ بولی ہے جو اب بھی راجستھان میں بولی جاتی ہے مگر عہدِ قدیم اس کا حلقہ اثر موجودہ راجستھان سے کہیں زیادہ وسیع تر علاقہ تھا۔ شمالی ہند کی زبان اور راجستھانی میں جو لفظی یگانگت پائی جاتی ہے وہ اس حقیقت کا ایک اہم سراغ دیتی ہے۔ بعض ماہرین لسانیات نے اس لفظی یگانگت کی وجہ مغربی ہندی کے راجپوتانہ کی طرف سفر کو قرار دیا ہے۔ **جارج گریرسن** نے بھی اپنے ایک مقالے میں راجستھان کی طرف مغربی ہندی کے ایک دھارے کا ذکر کیا ہے اور تفصیل سے تاریخی حقیقت کو پیش کیا ہے کہ مدھیہ دیش کے باشندے راجستھان کی طرف ہجرت کر گئے اور وہاں جا کر انہوں نے ایک مستحکم سلطنت

کی بنیاد ڈالی۔ بات خواہ کچھ بھی ہو مگر جس طرح مغربی ہندی کا اثر راجستھانی پر پڑا اسی طرح راجستھانی بھی مغربی ہندی کے علاقوں میں اجنبی نہیں رہی تھی اور خصوصاً مسلمانوں کی ہندوستان میں آمد کے بعد تو شمالی ہند کے بعض علاقوں میں راجستھانی کا بہت اثر پڑا۔

راجستھانی زبان کی قدامت اور اس کا حلقہ اثر

راجستھانی ایک قدیم زبان ہے اور مسلمانوں کی آمد سے قبل ایک وسیع وعریض علاقہ اسکے حلقہ اثر میں تھا۔ دہلی اور اس کے اطراف میں بھی راجستھانی زبان ہی بولی جاتی تھی۔ حتیٰ کہ برج کے علاقے بھی اس کے اثر سے خالی نہ تھے یہی وجہ ہے کہ برج اور راجستھانی میں بڑی مماثلت پائی جاتی ہے۔ یہی بات پنجابی، سندھی اور گجراتی کے لئے بھی کہی جاسکتی ہے کیونکہ ان سبھی زبانوں میں راجستھانی عناصر آج بھی موجود ہیں۔ اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جارج گریرسن رقم طراز ہیں۔

"Rajasthani is the language of Rajasthan, it is spoken in Rajputana and the western portion of central india, and also in the neighbouring tracts of central provinces, Sind and Punjab. to the east it shades off into Bundeli dialect of western hindi,in Gwalior state Brij bhakha, in the state of Karoli and Bharatpur and in the British district of Gurgaon. To the west it gradually becomes Punjabi, Lahinda and Sindhi through the mixed dialects of indian desert, and, directly, Gujrati in the state of Palanpur." [1]

ایک اور مقام پر وہ راجستھانی کے بارے میں رقم طراز ہیں۔

"Rajasthani in the form of Marwari can be heard all over India. There is hardly a town where the thrifty denizen of sands of western and northern Rajputana has not found his way to fortune, from the petty grocer's shop in a deccan

[1] Linguistic survey of india : G.A. Grierson, Volume 1, Part(1), Published in Calcutta, pg no. 171

village to most extensive banking and broking connection in the commercial capital of both East and West India." 1

حافظ محمود خاں شیرانی نے دہلی کی قدیم زبان کے بارے میں لکھا ہے کہ "یا تو وہ راجستھانی ہوگی یا برج"[2]

ڈاکٹر مسعود حسین خان راجستھانی کی ابتداء مغربی ہندی سے تسلیم نہیں کرتے بلکہ اس کا سرچشمہ شورسینی پراکرت کو بتاتے ہیں بقول ان کے "دراصل گجرات کی اصل زبان بیرونی شاخ سے تعلق رکھتی تھی جس کے بعض لسانی اثرات اب تک اس زبان میں پائے جاتے ہیں۔ گجراتی اور پنجابی کی طرح راجستھانی میں بھی بیرونی زبانوں کے بعض نشانات پائے جاتے ہیں۔"[3]

یہ بات صحیح بھی ہے کیونکہ شورسینی پراکرت ہندوستان کی قدیم ترین زبانوں میں سے ہے اور راجستھانی بھی ایک قدیم زبان ہے۔ دہلی پر مسلمانوں کی فتح سے قبل کی زبان کے بارے میں وہ لکھتے ہیں کہ۔" مسلمانوں کے فتح دہلی سے قبل راجپوتی عہد میں زبان کا جو کینڈا تھا وہ نہ برج بھاشا ہے اور نہ کھڑی بولی بلکہ اس عہد کی قدیم اپ بھرنش روایات میں جکڑی ہوئی زبان ہے جس پر راجستھانی کا اثر نمایاں ہے"

ڈاکٹر مسعود حسین خاں کا یہ قول بھی راجستھانی کی قدامت اور اس کے وسیع اثرات کی طرف واضح اشارہ کرتا ہے۔ اس قول کی صداقت کی دلیل میں یہ بات بھی اہم ہے کہ سلطان محمد غوری کے ہندوستان پر حملہ کے وقت دہلی اور اس کے ارد گرد کا علاقہ

---

1 Liguistic survey of india : G.A.Grierson, Volume I, part(1), (Published in Calcutta) Page no. 175

2 شیرانی، حافظ محموعد خاں: پنجاب میں اردو ص ۱۵۵

3 شیرانی؛ حافظ محمود خاں : مقدمہ تاریخ زبان اردو، تیرہواں ایڈیشن (علی گڑھ : ایجوکیشنل بک ہاؤس۔ ۲۰۱۳) ص ۵۱۔۵۲

چوہان راجپوتوں کے زیرِ نگیں تھا اور شمالی ہند پر راجپوتوں کے سیاسی غلبے کے ساتھ ساتھ یہاں کی تہذیب اور زبان پر بھی راجپوتی اثرات تھے۔ اور اس دور میں جو زبان تھوڑے تھوڑے تصرف کے ساتھ ملک کے ایک وسیع وعریض خطہ میں رائج تھی وہ راجستھانی ہی کی ایک قدیم شکل تھی۔ اسی لئے جارج گریرسن لکھتے ہیں کہ ''راجستھانی، مارواڑی کی شکل میں پورے ہندوستان میں سنی جا سکتی ہے۔'' اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کی آمد کے فوری بعد کے عہد کے شعرا و ادبا اور مسلم بزرگان دین، ہندوی زبان کے صوفی اور سنت شعراء کی تصانیف کا مطالعہ کیا جائے تو شمالی ہند کی قدیم زبان پر بھی راجستھانی کے نمایاں اثرات نظر آتے ہیں۔ دکنی شعراء کے کلام اور دکنی زبان وادب پر راجستھانی کا بہت گہرا اثر صاف نظر آتا ہے اور یہ امر اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ اردو کے ارتقاء میں راجستھانی زبان کا بڑا اہم کردار رہا ہے۔ بقول ڈاکٹر شوکت سبزواری۔ ''اردو (ہندوستانی) دوآبے کی زبان ہونے کی وجہ سے مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔ آس پاس کی تمام زبانوں سے اس نے فیض اٹھایا ہے۔ ان میں پنجابی بھی ہے اور راجستھانی، گجراتی بھی۔ ایک لحاظ سے یہ زبانیں اردو کے مختلف روپ ہیں۔''[1]

اردو کے ارتقا میں راجستھانی کا کردار اردو زبان کے ارتقا کے مختلف نظریات ماہر لسانیات اور اردو دانوں نے پیش کئے ہیں مگر اس مین کوئی بھی نظریہ کامل نہیں کہا جا سکتا ہے۔ اردو زبان کے سندھ میں پیدا ہونے کا نظریہ اس لئے صحیح معلوم نہیں ہوتا کیونکہ بقول **نصیر الدین ہاشمی** ''سندھ کے فاتحین کی زبان اس لحاظ سے جو زبان علم وجود میں آتی وہ عربی اور شورسینی سے مشترک ہوتی مگر چونکہ اردو میں فارسی کا حصہ زیادہ ہے اس لئے ہم یہ بات

۱سبزواری، ڈاکٹر شوکت ؛ داستان زبان اردو ص ۱۳۵

تسلیم کرنے کو مجبور ہیں کہ اردو کی ابتدا سندھ سے نہیں ہوئی ہے۔"[۱]

دکن سے اردو کی ابتدا کے نظریہ پر نصیر الدین ہاشمی لکھتے ہیں" جو امور سندھ سے اردو کی ابتداء ہونے کے مانع ہیں وہی امور یہاں بھی مانع نظر آتے ہیں۔ اس لئے سرِ دست ہم دکن کو بھی اردو کا مولد نہیں قرار دے سکتے۔" ۹۹۔ہاشمی؛نصیر الدین: دکن میں اردو تیسرا ایڈیشن (دہلی : قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان۔ ۲۰۱۲) ص ۳۶ پنجابی زبان کے بارے میں محی الدین قادری زور کی رائے ہے کہ" پنجابی زبان اردو کی ماں نہیں ہوسکتی بلکہ بہن ہوسکتی ہے۔"[۲]

ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور کی تحقیقات کی رو سے اردو کا سرچشمہ وہ پراکرت زبان ہے جو مسلمانوں کی آمد کے وقت پیشاور سے لیکر الہٰ آباد تک بولی جاتی تھی۔ یہ زبان اور کوئی نہیں بلکہ راجستھانی زبان ہے۔ اس بات کی تسدیق گریرسن کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ" راجستھانی، مارواڑی کی شکل میں پورے ہندوستان میں سنی جاسکتی ہے۔ مشکل سے ہی کوئی ایسا شہر یا قصبہ ہوگا جہاں راجپوتانہ کے ریتیلے ٹیلوں سے نکل کر اس زبان نے اپنی جڑیں نہ جمائی ہوں۔ دکن کے گاؤں کے پنساری کی دکان سے لیکر مشرقی اور مغربی ہندوستان کی تجارتی راجدھانیوں تک یہ زبان مقبول ہے۔"[۳]

ہندوستان میں، بیرونی حکمرانوں کا، جن لوگوں سے سابقہ پڑا تھا ان میں سے اکثر راجپوت سردار اور راجا تھے اور یہ سبھی راجستھانی زبان بولتے تھے۔ چنانچہ **ڈاکٹر اعجاز حسین** اپنی تصنیف **مختصر تاریخ ادب اردو** صفحہ ۲۳ پر رقم طراز ہیں" راجستھانی کا حلقہ اثر

---

[۱] ہاشمی؛نصیر الدین: دکن میں اردو تیسرا ایڈیشن (دہلی : قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان۔ ۲۰۱۲) ص ۳۳

[۲] زور؛ سید محی الدین قادری : ہندوستانی لسانیات () ص ۳۶

[۳] Liguistic survey of india G.A.Grierson, Volume I, part(1), (Published in Calcutta) Page no. 175

آگرہ تک تھا۔'' انہوں نے برج بھاشا اور راجستھانی کو اردو کی ترقی میں سدِ راہ بتایا ہے یعنی جن علاقوں میں اردو پروان چڑھ رہی تھی وہاں راجستھانی زبان کا استعمال کیا جارہا تھا۔

اکبر کی بیوی اور سلیم کی ماں، جودھا بائی راجستھانی تھیں اور راجستھانی زبان ہی بولتی تھیں۔ مغلوں کے راجپوتوں سے اچھے تعلقات تھے اور ان کی شاہی محلات میں بے دریغ آمد و رفت تھی اس کے علاوہ کئی راجپوت شہزادیاں شاہی محلات کی زینت تھیں لہٰذا شاہی محل میں راجستھانی زبان کا رواج عام ہونا کوئی عجیب بات نہیں ہوسکتی۔ شاہی محلات میں اکثر و بیشتر ہندوسنگیت کا اہتمام کیا جاتا تھا جس میں بھی راجپوت سرداروں کی موجودگی عام تھی اس کے علاوہ اکبر کے دربار کے نورتنوں میں شامل ابوالفضل اور فیضی بھی راجستھان کے ہی تھے۔ اکبر کے نام سے جو دوہے منسوب کئے جاتے ہیں ان میں بھی راجستھانی کا اثر نمایاں نظر آتا ہے۔۔ مثلاً اکبر کا ایک دوہا ہے۔

پیتھل سوں مجلس گئی، تان سین سوں راگ

ہانسبو، روبو، بولبو گیئو بیربل کے ساتھ

یہاں ''بو'' بطور علامت مصدر استعمال ہوا ہے جو راجستھانی مصدر ہے۔ راجستھانی میں اردو کے ''نا'' مصدر کی جگہ ''بو'' یا ''نو'' مصدر کا استعمال عام ہے۔ اس کے علاوہ ''گیئو'' بھی 'ؤ'، راجستھانی میں، اردو کے ''الف'' کا متبادل ہے۔ لفظ ''سوں'' راجستھانی میں ''سے'' کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

اکبر کا سپہ سالار عبدالرحیم خان خاناں بھی راجستھانی زبان سے بخوبی واقف تھا اور وہ شمال مشرقی راجپوتانہ کی زبان، برج، کا شاعر تھا۔ **ڈاکٹر مسعود حسین خاں** کا یہ قول بھی راجستھانی کی قدامت اور اس کے وسیع اثرات کی طرف واضح اشارہ کرتا ہے کہ۔ ''مسلمانوں کے فتح

دہلی سے قبل راجپوتی عہد میں زبان کا جو کینڈا تھا وہ نہ برج بھاشا ہے اور نہ کھڑی بولی بلکہ اس عہد کی قدیم اپ بھرنش روایات میں جکڑی ہوئی زبان ہے جس پر راجستھانی کا اثر نمایاں ہے'' اس قول کی صداقت کی دلیل میں یہ بات بھی اہم ہے کہ سلطان محمد غوری کے ہندوستان پر حملہ کے وقت دہلی اور اس کے اردگرد کا علاقہ چوہان راجپوتوں کے زیرِ نگیں تھا اور شمالی ہند پر راجپوتوں کے سیاسی غلبے کے ساتھ ساتھ یہاں کی تہذیب اور زبان پر بھی راجپوتی اثرات تھے۔ اور اس دور میں جو زبان تھوڑے تھوڑے تصرف کے ساتھ ملک کے ایک وسیع و عریض خطہ میں رائج تھی وہ راجستھانی ہی کی ایک قدیم شکل تھی۔ اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کی آمد کے فوری بعد کے عہد کے شعرا و ادبا اور مسلم بزرگان دین، ہندوی زبان کے صوفی اور سنت شعراء کی تصانیف کا مطالعہ کیا جائے تو شمالی ہند کی قدیم زبان پر بھی راجستھانی کے نمایاں اثرات نظر آتے ہیں۔ دکنی شعراء کے کلام اور دکنی زبان و ادب پر راجستھانی کا بہت گہرا اثر صاف نظر آتا ہے اور یہ امر اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ اردو کے ارتقاء میں راجستھانی زبان کا بڑا اہم کردار رہا ہے۔

نصیرالدین ہاشمی بھی ڈاکٹر مسعود حسین خان سے اتفاق رکھتے ہوئے رقم طراز ہیں۔''

مسلمان فاتحین شمال کی جانب سے ہندوستان میں داخل ہوئے تو اوّل انہوں نے پنجاب میں قیام کیا مگر اس کے بعد دہلی کی جانب پیش قدمی کی۔ مسلمانوں کے صدہا خاندان جو ترک، مغل اور افغان تھے جن کی زبان عام طور سے زیادہ تر فارسی تھی، پنجاب سے لیکر دہلی تک آباد ہوئے۔ اس زمانہ میں یہاں ''جدید ہند آریائی دور کی پراکرت'' زبان بولی جاتی تھی اسی زبان میں غیر ملکیوں کی زبان کی آمیزش ہونے لگی اور اس امتزاج سے اردو کی پیدائش ہوئی۔''[1]

یہ جدید ہند آریائی زبان دراصل قدیم راجستھانی ہی ہے جس کا ذکر جان بیمر اور جارج

---

[1] ہاشمی؛ نصیرالدین: دکن میں اردو تیسرا ایڈیشن (دہلی ؛ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان۔ ۲۰۱۲) ص ۳۶

گریرسن سے لیکر حافظ محمود خاں شیرانی، مسعود حسین خان، نصیر الدین ہاشمی، ڈاکٹر اعجاز حسین اور محی الدین قادری زور تک نے کیا ہے۔ راجستھانی زبان کی قدامت اور اس کے حلقہ اثر کے بارے میں جاننے کے بعد تو یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ اردو زبان کی ابتدا جس زبان سے ہوتی ہے وہ نہ تو برج ہے اور نہ کھڑی بولی اور ہریانوی بلکہ وہ زبان راجستھانی ہے۔

دکن میں اردو کی ابتدا کے بارے میں یہ امر تسلیم شدہ ہے کہ محمد تغلق کے زمانے میں بڑی تعداد میں شمالی ہند کے لوگوں نے دکن کی طرف نقل مکانی کی اور پھر ایک بڑے گروہ نے وہیں بود و باش اختیار کر لی۔ بقول نصیر الدین ہاشمی ''اور یہ فاتح جو زبان دکن لے کر آئے تھے وہ یہاں آزادانہ نشو نما حاصل کرنے لگی کیونکہ اس کے مقابل کوئی اور زبان جو اسکے آگے بڑھنے میں رکاوٹ پیدا کرے یہاں نہیں تھی۔''[1]

محمد تغلق کے ساتھ گروہ در گروہ دکن آنے والے سبھی طبقات کے یہ لوگ اگر کھڑی بولی، برج یا ہریانوی زبان کے ساتھ دکن آئے تھے تو دکنی اردو میں ان زبانوں کے الفاظ اور صرفی ونحوی خصوصیات کے بجائے بڑی تعداد میں راجستھانی الفاظ اور راجستھانی زبان کی صرفی ونحوی خصوصیات کیوں پائی جاتی ہیں؟ یہ امر اس بات کو اور یقینی بناتا ہے کہ اس دور میں دکن آنے والے یہ اشخاص دراصل راجستھانی اور فارسی زبان کے ساتھ دکن میں داخل ہوئے تھے۔ اس سے بہت قبل سندھ میں عربی زبان کی آمیزش سے سندھی وجود میں آچکی تھی جس کا رسم الخط عربی تھا اور دکن کے علاقوں میں بھی عربی الفاظ عام بول چال کا اہم حصہ بن چکے تھے اور جب شمالی ہند کے لوگوں کے ساتھ فارسی اور راجستھانی زبان دکن میں داخل ہوئی تو دکن کی عربی آمیز زبان اور شمالی ہند سے آئی راجستھانی اور فارسی کے اشتراک سے دکنی اردو وجود میں آئی اور اس نے اپنا عربی فارسی رسم الخط پایا۔

---

[1] ہاشمی؛ نصیر الدین: دکن میں اردو تیسرا ایڈیشن (دہلی ؛ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان۔ ۲۰۱۲) ص ۳۷

دلّی کالج اوراس کی ادبی خدمات

دلّی کالج کا قیام ۱۸۲۵ء میں دلّی میں کیا گیا۔اس کالج میں انگریزی کی تعلیم دی جاتی تھی ساتھ ہی ریاضی، جغرافیہ اور سائنس کی تعلیم اردو زبان میں دی جاتی تھی ۔شروع میں اس کی شدید مخالفت کی گئی مگر ۱۸۳۱ء تک اس میں پڑھنے والوں کی تعداد تین سو تک ہوگئی تو اسے کالج کا درجہ حاصل ہوگیا۔اس کالج سے بھی اردو کو فروغ ملا۔ کالج کے قیام کے ساتھ اس بات کا احساس ہوا کہ طلبہ کے لئے مختلف کتابوں کا اردو میں ترجمہ کیا جائے چنانچہ کالج پرنسپل ڈاکٹر اسپرنگر کی نگرانی میں ایک سوسائٹی قائم کی گئی جسکا نام ورناکلر ٹرانسلیشن سوسائٹی رکھا گیا جو ۱۸۵۷ء تک قائم رہی۔

ورناکلر ٹرانسلیشن سوسائٹی۔ اس سوسائٹی کے تحت رامائن، مہابھارت، دھرم شاستر، لیلاوتی، شکنتلا کے تراجم کئے گئے۔سوداؔ، میرؔ، دردؔ، جراتؔ کے دیوان شائع کئے گئے۔ یونان، روم اور ایران وغیرہ کی تاریخ وجغرافیہ اور ریاضی وسائنس کی کتب تصنیف کی گئیں۔

۱۹ویں صدی کے آغاز میں اردو ملک بھر میں پھیل چکی تھی۔ ہر قسم کے مضامین کا ذخیرہ اسمیں موجود تھا۔فورٹ ولیم کے چھاپے خانے میں لوہے کے حروف سے چھپائی ہوتی تھی مگر اب ''لیتھو چھپائی'' وجود میں آ چکی تھی۔اس قسم کی چھپائی سے طباعت کا کام آسان اور تیز ہوگیا۔اب اخبار چھاپنا بھی ممکن ہوگیا۔ ۱۸۳۰ء میں کانپور میں لیتھو پریس قائم ہوا۔ ۱۸۳۷ء میں دہلی میں لیتھو پریس قائم ہوا۔اسکے بعد لکھنؤ میں پریس قائم ہوا۔

۱۹ویں صدی کے آغاز کے مصنّفین۔درج ذیل ہیں۔

۱۔**فقیر محمد خاں گویاؔ** : (۱۸۰۵ء۔ ۱۸۴۹ء) دبستان حکمت (فارسی کتاب ''انوار صحیحلی'' کا ترجمہ)

۲۔**مرزا رجب علی سرورؔ** : (لکھنؤ ۱۸۶۷ء ۔بنارس ۱۸۶۹ء)

فسانہ عجائب (۱۸۲۴ء)، یہ داستان اور ناول کے بیچ کی کڑی ہے) **سرور سلطانی** (۱۸۴۷ء)، **شرر عشق** (۱۸۵۴ء چڑیوں کی داستان محبت ہے) شگوفہ محبت، گلزار سرور (اخلاق و تصوّف)، شبستان سرور (الف لیلہ کی کہانیوں کا ترجمہ) انشاء سرور (خطوط کا مجموعہ)

۳۔مرزا غالب : خطوط (جدید نثر اوّلین نمونے)

۴۔غلام امام شہیدؔ : (امیٹھی ۱۸۰۶ء۔۱۸۷۶ء) انشاء بہار بے خزاں

۵۔غلام غوث بے خبرؔ : (نیپال ۱۸۲۴ء - ۱۹۰۵ء) خونابۂ جگر، رشک لعل و گہر، فغان بے خبر (مجموعہ خطوط)، انشاء بے خبر

اردو شاعری کے دبستان

اردو شاعری نے یوں تو ملک بھر میں بہت شہرت اور مقبولیت حاصل کی مگر کچھ خطے ایسے تھے جہاں اس نے زماں اور مکاں کے اعتبار سے نئی جہت اور نیا رنگ حاصل کیا۔ان میں دہلی، لکھنئو، عظیم آباد اور رامپور اہم مقامات ہیں اور ان میں سے ہر جگہ کی کچھ اہم خصوصیات ہیں جو وہاں کی شاعری میں بھی نمایاں نظر آتی ہے۔

دبستانِ دہلی

دہلی شروع سے ہی شعر و سخن کا مرکز رہی ہے مگر ولؔی کے 1700ء میں دہلی کے سفر کے بعد اہل سخن کو محسوس ہوا کہ ریختہ میں بھی شعر کہے جا سکتے ہیں، چنانچہ خان آرزؔو، آبرؔو، حاتمؔ، شاکرؔ، ناجؔی، مضمونؔ، بیانؔ، امیدؔ، مخلصؔ نے اس زبان میں طبع آزمائی کی اور اردو زبان نے عروج پایا۔

اس دور میں ایہام گوئی کا بہت رواج تھا جو کہ ہر ایک شاعر کے بس کی بات نہ تھی لہٰذا اس کے خلاف ردِ عمل شروع ہوا اور اس صنعت سے نجات ملتے ہی اردو شاعری کی ترقی میں برق رفتاری آ گئی۔اردو شاعری کو ایہام سے پاک کرنے میں حاتمؔ، میرؔ، مرزاؔ، مظہرؔ اور یقینؔ نے اہم کردار ادا کیا۔

میرؔ اور مرزا کا دور اردو شاعری کی ترقی کا دور تھا میر کے کلام کی سادگی اور آپ بیتی نے سب کو اپنا گرویدہ بنا لیا، وہیں سودا نے اپنے الگ رنگ بکھیرے مگر قصائد لکھ کر انہوں نے اردو ادب میں اپنا ایک الگ مقام بنایا۔دہلی کی بربادی کے بعد یہ محفلیں لکھنئو منتقل ہو گئیں مگر کچھ عرصہ بعد دہلی میں پھر سے رونق لوٹی اور اس بار اردو شاعری نے نئی تاب اور چمک کے ساتھ اپنا سفر شروع کیا۔اس عہد کے شعرا میں جہاں زبان و بیان کے ماہر شعرا

جیسے شاہ نصیرؔ، ذوقؔ اور ظفرؔ نظر آتے ہیں وہیں مومن خالص عشق و عاشقی کی شاعری کرتے نظر آتے ہیں۔ مگر ان سب سے الگ معنی آفرینی کے قائل غالبؔ ہیں جن کے کلام میں موضوعات کی وصعت، تخیل کی بلدی اور فارسی الفاظ وتراکیب کا استعمال پایا جاتا ہے۔ اس کے بعد ایک ایسے شاعر کا زمانہ آتا ہے جس کے مزاج اور کلام میں شوخی اور زبان میں چٹخارہ ہے یہ ہیں داغؔ اور ان کے تلامذہ سائلؔ اور بیخودؔ اس سلسلہ کو کچھ اور آگے بڑھاتے ہیں، مگر اس کے بعد دہلی کی مرکزیت کا خاتمہ اس دبستان کی چولیں بھی ہلا دیتا ہے۔

دبستان دہلی کی خصوصیات اردو شاعری کی ابتدائی ترقی کا یہ زمانہ نہایت ابتری اور بدحالی کا زمانہ تھا۔ اس دور میں نادرشاہ، محمد شاہ ابدالی اور مرہٹوں کے پے بر پے حملوں نے دہلی کی سماجی اور تہذیبی زندگی کو تہ و بالا کر ڈالا تھا۔ اہلِ دہلی پر مایوسی، افسردگی، بے اطمینانی اور آسودگی کا تسلط تھا۔ اس ذہنی کیفیت کا اثر شعر وادب پر بھی بہت گہرا پڑا۔ یہی وجہ ہے کہ میرؔ وسوداؔ سے لیکر انشاء و مصحفی تک کی شاعری میں ہمیں سادگی، خلوص اور دردمندی کا احساس نظر آتا ہے۔ مثالیں ملاحظہ ہوں۔

یاد اس کی اتنی خوب نہیں میرؔ باز آ نادان پھر وہ جی سے بھلایا نہ جائے گا (میرؔ)

تیرا جو ستم ہے اس کو تو جان اپنی سی تو خوب کر گئے ہم (سوداؔ)

جو ملا اس نے بے وفائی کی کچھ عجب رنگ ہے زمانے کا (مصحفیؔ)

اس دور کے شعرا کے کلام میں عظیم الشان تہذیب اور معاشرے کی بربادی کا غم و یاس صاف نظر آتا ہے۔ مثالیں ملاحظہ ہوں۔

ہم کو شعر نہ کہو میر کہ صاحب ہم نے دردوغم اتنے کئے جمع کی دیوان کیا (میرؔ)

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے (دردؔ)

کیوں گردشِ مدام سے گھبرا نہ جائے دل انسان ہوں پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں (غالبؔ)

خونِ دل چشم سے بہتا تھا میرے دامن تک موجزن تا بہ گریباں نہ ہوا تھا سو ہوا (سوداؔ)

غم اور درد کی انتہا نے لوگوں کا رخ تصوف کی جانب کر دیا۔ صبر و توکل، قناعت اور عشقِ حقیقی کی مستیاں اس درد پر مرہم کا کام کرنے لگیں۔ میرؔ، سوداؔ، غالبؔ، مومنؔ سبھی کے یہاں تصوف کے مضامین ملتے ہیں۔ خواجہ میر دردؔ کی تو پوری شاعری ہی تصوف میں ڈوبی ہوئی ہے۔ تصوف کے مضامین میں وحدت الوجود، فنا فی اللہ، دنیا کی بے ثباتی اور عشقِ حقیقی کو شعرا نے خصوصیت سے غزل کا موضوع بنایا۔ اشعار ملاحظہ ہوں۔

ہر سنگ میں شرار ہے تیرے ظہور کا موسیٰ نہیں کہ سیر کروں کوہ طور کا (سوداؔ)

ہم نے بہت ڈھونڈھا نہ پایا اگر پایا تو کھوج اپنا نہ پایا (ذوقؔ)

مئے وحدت کی ہم کو مستی ہے بت پرست خدا پرستی ہے (ظفرؔ)

اردو شاعری میں عشق و محبت کا سرمایہ سب سے زیادہ مقدار میں ہے اور دبستانِ دہلی کی شاعری بھی اس سے خالی نہیں ہے مگر اس دبستان کے شعرا نے معشوق کے خارجی محاسن بیان کرنے کی بجائے داخلی جذبات کو نظم کیا ہے۔ ان کی شاعری میں جسم کے زاویوں، بدن کے قوسوں اور چشم و ابرو کے اشاروں کے بجائے روح کی تڑپ، سوز و گداز اور درد و اضطراب کی کیفیت کا بیان ملتا ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔

شغل بہتر ہے عشق بازی کا کیا حقیقی کیا مجازی کا

پاس ناموس عشق تھا ورنہ کتنے آنسو پلک تک آئے تھے (میرؔ)

ہر آہ شرربار ہے جوں سرو چراغاں کیا آگ الٰہی! مرے سینے میں بھری ہے (دردؔ)

دبستانِ دہلی کی زبان و بیان میں سادگی، صفائی، بے تکلفی، بے ساختگی اور روزمرہ

کے محاوروں کا استعمال عام ہے۔ زبان سادہ اور الفاظ شیریں ہیں آسان بحروں میں غزلیں کہی گئی ہیں۔ مندرجہ ذیل اشعار اس کی نشان دہی کے لئے کافی ہیں۔

تہمتیں چند اپنے ذمے دھر چلے جس لئے آئے تھے سو ہم کر چلے (دردؔ)

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے (دردؔ)

فقیرانہ آئے صدا کر چلے میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے (میرؔ)

گزر میرا تیرے کوچہ میں گر نہیں تو نہ ہو میرے خیال میں تو لاکھ بار گزرے ہے (سوداؔ)

صبر وحشت اثر نہ ہو جائے کہیں صحرا ہی گھر نہ ہو جائے (مومن)

جہ ہے کہ دبستان لکھنؤ کی زبان زیادہ دل آویز ہوگئی۔

(شعرائے دبستانِ دہلی)

شاہ نصیرؔ : نام ۔ نصیرادین، عرفیت میاں کلّو

والد۔ شاہ غریب، ولادت ۱۷۶۰ء دہلی، وفات ۱۸۳۳ء حیدرآباد

شاگرد ۔ ذوقؔ، مومنؔ، ظفرؔ، آرزوؔ

ذوقؔ : نام ۔ شیخ محمد ابراہیم

والد۔ شیخ محمد رمضان (سپاہی) ولادت ۱۷۸۹ء دہلی، وفات ۱۸۵۴ء دہلی

شاگرد ۔ داغؔ، ظفرؔ، آزادؔ، ظہیرؔ، انورؔ

خطابات۔ خاقانی ہند، بہادرشاہ ظفرؔ نے انکو ملک الشعراء مقرّر کیا۔

خاصیت ۔ سوداؔ کے بعد سب سے کامیاب قصیدہ گو شاعر

300 خزینہ اردو اکمل نعیم صدیقی

مومنؔ : نام ۔ محمد مومن خاں

والد ۔ حکیم غلام نبی خاں (طبیب)، ولادت ۱۸۰۰ء دہلی، وفات ۱۸۵۲ء دہلی، چھت سے گر جانے سے

خاصیتِ کلام ۔غزل کا دائرہ حسن و عشق تک محدود ہے۔شاعری کو ذریعہ معاش نہیں بنایا۔

تعلیم ۔ریاضی، نجوم، طب، کی تعلیم لی۔شطرنج اور موسیقی کا شوق تھا۔سید احمد شہید کے مرید تھے

تصانیف ۔ مثنوی شکایتِ ستم، دیوانِ فارسی، انشائے فارسی، دیوانِ اردو

غالب : نام ۔ مرزا اسداللہ خاں اور عرفیت مرزا نوشہ

والد ۔ عبداللہ بیگ ولادت ۱۷۹۶ء آگرہ، وفات ۱۸۶۹ء دہلی

خطابات ۔ نجم الدولہ، دبیر الملک، نظام جنگ

اقوال ۔ آل احمد سرورؔ 'غالب سے پہلے اردو شاعری دل والوں کی دنیا تھی، غالب نے اسے ذہن دیا'

شاگرد ۔ ظفرؔ، حالی، اسمٰعیل میرٹھی

تصانیف ۔ اردوے معلیٰ، عود ہندی، مہرِ نیمروز، دستنبو، پنچ آہنگ، قاطع برہان، دیوانِ غالب، کلّیاتِ نظم فارسی، شانِ نبوّت و ولایت (مثنوی)، قادر نامہ، لطائفِ غیبی

دبستانِ لکھنؤ

مغلیہ سلطنت کے زوال کی شروعات ہوئی مختلف صوبے بھی خودمختار ہونے لگے۔صوبہ اودھ میں 1722ء میں سعادت علی خاں صوبیدار مقرر ہوئے ۔ان کے دور میں اودھ میں خوشحالی آئی ،اس کے بعد آصف الدولہ نے لکھنؤ کو دار السلطنت بنایا۔ آصف الدولہ کے زمانے میں ہی انگریزوں کی مداخلت بہت بڑھ چکی تھی اور واجد علی شاہ کے وقت تک وہ اس پر پوری طرح قابض ہو چکے تھے۔

انگریزی نظام کے دوران صوبے میں امن اور خوش حالی کا دور دورا رہا۔لہٰذا سبھی طرف عیش اور مستی کا عالم اور راگ ورنگ کی محفلیں آراستہ ہو گئیں۔ دہلی میں جب گزر مشکل ہو گیا تو تمام اہل کمال نے لکھنؤ کا رُخ کیا اور اردو شاعری کی محفلیں دہلی سے لکھنؤ منتقل ہو گئیں۔ابتدا میں لکھنؤ آنے والوں میں میرؔ، میر سراج الدین،سوداؔ اور میر سوز شامل ہیں۔مگر کیونکہ ان کی شاعری کا مزاج پختگی حاصل کر چکا تھا لہٰذا وہ لکھنؤ کے ماحول سے زیادہ متاثر نہ ہو سکے۔ان کے بعد جراتؔ، انشاؔ، مصحفیؔ اور رنگینؔ یہاں پہونچے اور یہیں سے دبستان لکھنؤ کی بنیاد پڑی۔لکھنؤ کا ماحول ریختی گوئی کے لئے بھی معقول ثابت ہوا، رنگین اور انشا نے اس میدان میں خوب گل کاریاں کیں۔

اس دور کا اصل کارنامہ اصلاح زبان رہا جس کی وجہ سے اس کے علمبردار ناسخؔ کو ادبی ڈکٹیٹر کے لقب سے بھی نوازا جاتا ہے۔لکھنؤ کی انفرادیت انہیں کے دم سے قائم ہوئی انہوں نے جس ترکیب یا محاورے کو رد کیا وہ ٹکسال سے باہر کر دیا گیا۔ اسی دور کے دوسرے صوفی شاعر آتشؔ ہیں جنہوں نے اپنی شاعری سے ثابت کر دیا کہ شاعری مرصع

سازی ہے۔ ناسخؔ کے شاگردوں، وزیرؔ، برقؔ، رشکؔ، بحرؔ، منیرؔ اور آتش کے شاگردوں رندؔ، صباؔ، نسیمؔ اور شوق نے اس دبستان کی روایت کو آگے بڑھایا۔ ان کے بعد ضمیرؔ اور خلیقؔ اور پھر انیسؔ اور دبیرؔ نے مرثیہ کو نئی بلندیاں عطا کرنے میں کوئی کثر نہیں چھوڑی۔

دبستان لکھنؤ کی خصوصیات اس دبستان کی سب سے اہم خاصیت یہ ہے کہ یہاں کی شاعری میں نشاطیہ عنصر غالب نظر آتا ہے۔ لکھنؤ کی شاعری میں عورت کے ظاہری حسن کا بھرپور بیان نظر آتا ہے، جبکہ عشق کی داخلی کیفیت کا بیان نہیں ملتا، اس وجہ سے شاعری میں سطحیت اور بناوٹ پیدا ہوگئی ہے۔ یہاں کی شاعری میں تصوف اور عشق حقیقی کے مضامین کا فقدان نظر آتا ہے۔ لکھنؤ کی شاعری کا جو سب سے خوبصورت پہلو ہے وہ یہ ہے کہ یہاں کی شاعری زبان کے نقطہ نظر سے دلکش اور پر کشش ہے۔ لکھنؤ نے جذبات سے زیادہ الفاظ کی نوک پلک سنوارنے اور زبان میں لطافت و حسن پیدا کرنے پر محنت صرف کی۔

(شعرائے دبستانِ لکھنؤ)

ناسخؔ: نام۔ شیخ امام بخش والد خدا بخش (تاجر)

ولادت ۱۷۷۱ء فیض آباد، وفات ۱۸۳۸ء لکھنؤ

لقب۔ ادبی ڈکٹیٹر، بھدّے، ثقیل الفاظ اور محاورات، آتیاں، جاتیاں، ہندی کے الفاظ وغیرہ کو زبان سے خارج کیا، شعری زبان کا معیار اور قواعد مقرّر کئے۔ شاعری میں صنعتوں کی طرف زیادہ توجّہ دی۔

300 خزینہ اردو اکمل نعیم صدیقی

آتش: نام۔ خواجہ حیدر علی

ولادت ۱۷۷۸ء فیض آباد، وفات ۱۸۴۷ء لکھنؤ

استاد۔ غلام ہمدانی مصحفیؔ

خاصیت۔ فقیرانہ زندگی گزارتے تھے۔ مسجد میں قیام کرتے تھے۔

نسیم: نام ۔ پنڈت دیا شنکر

ولادت ۱۸۱۱ء میں لکھنؤ وفات ۱۸۴۳ء لکھنؤ

استاد۔ آتشؔ

تصانیف ۔ مثنوی گلزارِ نسیم (گل بکاؤلی کا قصّہ)

میر انیس: نام۔ میر ببر علی والد میر مستحسن خلیق

ولادت ۱۸۰۲ء فیض آباد وفات ۱۸۷۴ء لکھنؤ

خاصیت۔ مرثیہ نگار

دبیر: نام ۔ مرزا سلامت علی والد مرزا غلام حسین

ولادت ۱۸۰۳ء دہلی وفات ۱۸۷۵ء لکھنؤ

خاصیت ۔ مرثیہ نگار

اردو کی اہم اصناف : افسانہ، خاکہ، انشائیہ

افسانہ

افسانہ اردو زبان میں افسانہ مغربی ادب کی دین ہے۔ انّیسویں صدی میں اس کا آغاز ہوا۔ افسانہ میں زندگی کے کسی ایک گوشے، کسی ایک واقعہ یا کسی ایک نفسیاتی حقیقت کو موثر طریقہ سے، اختصار کے ساتھ اور کم سے کم کرداروں کی مدد سے پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ افسانہ میں ایک ہی واقعہ ہوتا ہے۔

۲۔ افسانہ کی بنیاد کسی نفسیاتی حقیقت پر رکھی جاتی ہے۔

۳۔ افسانہ میں اختصار ہوتا ہے۔

۴۔ افسانہ میں کرداروں کی تعداد کم ہوتی ہے۔

۵۔ افسانہ میں کردار کے ایک یا دو پہلو ہی ابھارے جاتے ہیں مکمّل شخصیت پیش نہیں کی جاتی۔

۶۔ افسانہ ایک نشست میں مکمّل پڑھا جاسکتا ہے۔

افسانے کا ارتقاء مغربی ادب میں انّیسویں صدی کے شروع میں افسانہ کی ابتداء ''واشنگٹن ارون'' کے ہاتھوں امریکہ میں ہوئی۔ اس نے ''اسکیچ بک'' لکھ کر افسانے کا پہلا نمونہ پیش کیا۔

۱۔ اردو ادب میں افسانے کا باقائدہ آغاز پریم چند سے مانا جاتا ہے۔ انہوں نے گاؤں کی زندگی، وطن کی محبّت، سماجی انصاف، اخلاقیات اور سماجی برائیوں کے موضوع پر افسانے لکھے۔

۲۔ پریم چند نے بنگالی زبان کے افسانوں سے متاثر ہوکر افسانے لکھنے شروع کئے۔

۳۔ پریم چند (۱۸۸۰ء۔ ۱۹۳۶ء) کا پہلا افسانہ ''دنیا کا سب سے انمول رتن'' ہے جو ۱۹۰۸ء میں ''رسالہ زمانہ'' کانپور میں شائع ہوا۔

۴۔ ۱۹۰۸ء میں افسانوں کا پہلا مجموعہ ''سوزِ وطن'' شائع ہوا۔ اسے حکومت نے ضبط کر لیا تھا۔

۵۔ ۱۹۳۵ء میں پریم چند نے کفن کی تخلیق کی۔

۶۔ سجّاد حیدر یلدرم (۱۸۸۰ء بجنور ۔ ۱۹۴۳ء لکھنؤ) نے رومانی افسانے لکھے اور روسی، ترکی زبان کے افسانوں کا ترجمہ کیا۔

۷۔ ۱۹۳۶ء میں افسانوں کا مجموعہ ''انگارے'' شائع ہوا۔ یہ رومانیت سے بغاوت اور حقیقت پسندی کی طرف ایک بڑا اقدم تھا۔

۸۔ انگارے کے مصنّفین رشید جہاں، احمد علی، سجّاد ظہیر، محمود الظفر تھے۔

۹۔ کرشن چندر (۱۹۱۴ء پنجاب۔ ۱۹۷۷ء بمبئی) کا پیشہ وکالت تھا۔

۱۰۔ کرشن چندر کا پہلا مجموعہ ''طلسمِ خیال'' ہے۔ انہوں نے ریڈیو ڈرامے بھی لکھے۔

۱۱۔ سجّاد حیدر یلدرمؔ پریم چند کے ہم عصر ہیں۔ ان کے افسانے، نشہ کی پہلی ترنگ، خیالستان، احساسات، صحبت، ازدواجِ محبت، سودائی سنگین اور نکاحِ ثانی ہیں۔

۱۲۔ **قرۃ العین حیدر** ۔ پت جھڑ کی آواز، ستاروں سے آگے، شیشے کا گھر، فصلِ گل آئی یا اجل آئی، روشنی کی رفتار، ستمبر کا چاند

۱۳۔ **راجندر سنگھ بیدیؔ** ۔ دانہ دوام، گرہن، کوکھ جلی، رحمٰن کے جوتے، لمبی لڑکی، مکتی بودھ، مہمان، لاجونتی، زین العابدین، گرم کوٹ، مہارانی کا تحفہ، پان شاپ، دس منٹ بارش میں، بھولا، من کی من میں، بیکار خدا، ایک عورت، گھر میں بازار میں، ہمدوش، جوگیا، نامراد

۱۴۔ **عصمت چغتائی** ۔ پنکچر، بیمار، چوٹیں، چوتھی کا جوڑا، ہیروئن، چھوئی موئی گرم ہوا،

گلدان، نوالہ، دوزخ، شیطان، کنواری، جڑیں، بھیڑیں، ننھی سی جان، ڈائن، نیند، سونے کا انڈا، کچّے دھاگے، بہو بیٹیاں، تل، ساس، لال چیونٹے، لحاف، گیندا، پردے کے پیچھے، نیزہ، جوانی، اف یہ بچّے، خوشبو کا بدن، ایک شوہر کی خاطر

افسانہ کے اجزائے ترکیبی

۱۔ **پلاٹ** افسانے میں جو کچھ پیش کیا جاتا ہے اس میں ترتیب کا خاص خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے ۔ اس ترتیب سے ہی افسانہ آگے بڑھتا ہے۔اس ترتیب کا نام ہی پلاٹ ہے۔ پلاٹ غیر پیچیدہ اور سادہ ہونا چاہئے۔ واقعات میں اگر صحیح ترتیب ہو گی تو افسانہ اپنے مرکزی خیال سے بھٹکنے سے بچا رہتا ہے۔

۲۔**کردار** افسانے میں واقعات کا بیان کیا جاتا ہے یہ واقعات کرداروں کے ذریعہ پیش کئے جاتے ہیں اس لئے افسانے میں کرداروں کا اہم مقام ہے۔ کردار دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک ’’جامد کردار‘‘ جو افسانہ میں شروع سے آخر تک تبدیل نہیں ہوتے بلکہ ایک جیسے ہی رہتے ہیں۔ دوسرے وہ کردار ہیں جو حالات و واقعات سے متاثر ہو کر تبدیل ہو جاتے ہیں انہیں ’’غیر جامد‘‘ کردار کہتے ہیں۔

۳۔ **نقطہ نظر** ہر فنکار کوئی خاص نقطہ نظر رکھتا ہے اور اس نقطہ نظر کی پیش کش کے لئے اپنی تخلیق کو جنم دیتا ہے۔ مثلاً پسماندہ طبقے کی خستہ حالی نے پریم چند کو رنج پہنچایا تو انہوں نے ’’کفن‘‘ کی تخلیق کی اور ڈپٹی نذیر احمد نے انگریزوں کی تقلید کو غلط ماننے کے اپنے نقطہ نظر کو ’’ابن الوقت‘‘ کے ذریعہ پیش کیا۔

۴۔ **ماحول اور فضا** افسانے میں ماحول اور فضاء کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ افسانے

میں کہانی کے مطابق غم، خوشی، خوف، حیرت، مسرّت اور اداسی کا ماحول پیش کیا جاتا ہے مثلاً رات کی تاریکی اور سنّاٹے کے ذریعہ خوف کی فضا پیدا کرنا۔

۵۔**اسلوب** افسانے میں کہانی کہنے کا طریقہ یعنی اسلوب بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ بیانیہ کے علاوہ افسانے میں مکالمے بھی ہوتے ہیں جن سے کرداروں کی ذہنیت کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ مکالمے دلچسپ، مختصر اور برجستہ ہونے چاہئیں۔ افسانے میں کہانی پیش کرنے کا اسلوب تکنیک کہلاتا ہے۔ یہ مختلف ہوسکتی ہیں جیسے۔

۱۔ راوی کی حیثیت سے یا تماشائی کی حیثیت سے کہانی بیان کرنا۔

۲۔ خود افسانے کا کردار بن جانا۔

۳۔ کسی کردار کی زبانی کہانی بیان کرنا۔

۴۔ ڈائری، خطوط یا سفرنامہ کی صورت میں افسانہ ترتیب دینا۔

۶۔**آغاز واختتام** افسانہ کا آغاز بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ آغاز ایسا ہونا چاہئے کے پڑھنے والا فوراً متوجّہ ہو جائے اور اس کی توجّہ و تجسّس آخر تک قائم رہے۔ اختتام ایسا ہو کہ افسانے کے ختم ہونے پر یہ قاری کے دل پر ایک گہرا نقش چھوڑ جائے اور افسانہ جس مقصد کے لئے لکھا گیا ہے وہ بھی حاصل ہو جائے۔

۷۔ **وحدتِ تاثّر** وحدت تاثر سے مراد یہ ہے کہ پورے افسانے میں قاری کے دل پر ایک ہی تاثر قائم رہنا چاہئے اس میں بکھراؤ نہیں ہونا چاہئے یعنیٰ افسانے کے شروع میں کوئی تاثر غالب ہو اور بیچ میں یا اختتام پر کوئی دوسرا تاثر۔ پورے افسانے میں ایک ہی تاثر جیسے ڈر، خوف، حیرت، خوشی، الفت وغیرہ کا گزر ہونا چاہئے۔

300 خزینہ اردو نعیم صدیقی

انشائیہ

انشائیہ دراصل وہ تحریر ہے جس میں کسی اہم یا غیر اہم واقعے، کسی خیال، کسی جذبہ یا محض کسی کیفیت کو پُرلطف انداز میں بیان کیا گیا ہو۔ ترتیب، تنظیم، سنجیدگی، غور و فکر کی یہ صنف متحمل نہیں ہے کیونکہ اس میں ہلکہ پھلکہ خیال اور شگفتہ وظرافت آمیز اظہار پایا جاتا ہے۔ اس کو شرائط وضوابط میں نہیں باندھا جا سکتا۔ اس کا بس ایک ہی مقصد ہوتا ہے کہ جو کچھ کہا جائے اس طرح کہا جائے کہ پڑھنے والے اس سے لطف اندوز ہو سکیں اور ان کے چہرے پر بے ساختہ تبسم پھیل جائے۔

اردو میں صنف انشائیہ کی ابتداء کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ملا وجہی کی سب رس کے کچھ ٹکڑوں میں اس کی شباہت ملتی ہے جس کی بنیاد پر کچھ لوگ اسے انشائیہ کی اولین جھلک مانتے ہیں مگر سب رس کو کسی بھی طرح انشائیہ نہیں کہا جا سکتا ہے۔ مولانا محمد حسین آزاد کے عہد کو انشائیہ کی صبح کاذب اور رشید احمد صدیقی کے عہد کو انشائیہ کی صبح صادق کہا جاتا ہے۔ اردو کے اہم انشائیہ نگاروں کی فہرست میں مولانا محمد حسین آزاد، عبد الحلیم شرر، حسن نظامی، مترا فرحت اللہ بیگ، ملاّ رموزی، رشید احمد صدیقی اور پطرس بخاری کے نام قابل ذکر ہیں۔

اہم انشائیے

نام	انشائیہ
پطرس بخاری	سویرے جو کل میری آنکھ کھلی، زید پور کا پیر، کتے، مرید پور کا پیڑ، سنیما کا عشق، میں ایک میں ہوں، سائیکل، مرحوم کی یاد میں فرحت اللہ بیگ نذیر احمد کی کہانی کچھ ان کی کچھ میری زبانی
رشید احمد صدیقی	خندان، ہم نفسان رفتہ، گنج ہائے گرامایہ، ذاکر صاحب، شیخ نیازی، آشفتہ بیانی میری، طنزیات و مضحکات، چار پائی، موج تبسم، اقبال صحیحلی، ارہر کا کھیت، وکیل، گھاگ، پاسبان
احمد جمال پاشا	اندیشہ شہر، ستم ایجاد، لذت آزاد، مضامین پاشا، چشمِ حیراں، فن لطیفہ گوئی، ہجرت، ہجویات میر
محمد حسین آزاد	نیرنگ خیال، سچ اور جھوٹ کا رزم نامہ
عبدالحلیم شرر	گذشتہ لکھنو
خواجہ حسن نظامی	بیگمات کے آنسو، گل بانو، جھینگر کا جنازہ، گلاب تمہارا، کیکر ہمارا۔
سجاد حیدر یلدرم	مجھے میرے دوستوں سے بچاؤ۔
عظیم بیگ چغطائی	شریر بیوی، کولتار، کُھرپا، بہادر، جنت کا بھوت

خاکہ نگاری

خاکہ نثری ادب کی ایک اہم صنف ہے۔ خاکہ میں کسی شخصیت کے نقوش اس طرح ابھارے جاتے ہیں کہ اس کی خوبیاں اور خامیاں اجاگر ہوجاتی ہیں اور اس شخصیت کی ایک جیتی جاگتی تصویر قاری کی نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے۔ لیکن خاکہ سوانح کی طرح طویل نہیں ہوتا بلکہ مختصر ہوتا ہے۔ خاکہ نگار کا مقصد کسی شخصیت کو ابھارنا ہوتا ہے نہ کہ سوانح نگار کی مانند اس کی زندگی کے حالات کو قلم بند کرنا۔ خاکوں میں مزاح نگاری ایک عمدہ وصف ہے۔ خاکہ میں جہاں لطیف مزاح اور نکتہ آفرینی ضروری ہے وہیں طنز کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ خاکہ سوانح عمری سے مختلف ہوتا ہے۔ سوانح عمری کسی شخص کے مکمل حالاتِ زندگی، اس پر تذکرہ وتبصرہ، خیالات وافکار کا آئینہ ہے۔ سوانح میں خاکہ کی گنجائش ہوسکتی ہے لیکن خاکہ میں سوانح کی گنجائش قطعی نہیں ہوتی۔

اردو میں سب سے اچھا خاکہ **''نذیر احمد کی کہانی کچھ ان کی کچھ میری زبانی''** کہا جاسکتا ہے۔ اس میں فرحت اللہ بیگ نے ایمانداری، احساس تناسب اور قوت مشاہدہ سے کام لیا ہے۔ کہیں بھی جانبدارانہ طنز، ہجو یا مدح نہیں کی ہے۔ کچھ خاکہ نگاروں نے قوت مشاہدہ کی بجائے قوت متخیلہ سے کام لیا ہے جو کہ صحیح نہیں ہے۔ بلکہ خاکہ لکھنے کے لئے اس شخص کی سیرت کے بنیادی عناصر، اس کے مزاج وافکار اور خیالات کا مطالعہ کرنا ضروری ہوتا ہے۔

اچھے خاکے کے ابتدائی نقوش انشاء اللہ خاں انشآ کی تحریروں میں ملتے ہیں۔ دریائے لطافت میں بھی اس کے نمونے ملتے ہیں لیکن اس کی باضابطہ ابتداء مولانا محمد حسین آزاد کی تصنیف ''آب حیات'' سے ہوتی ہے۔ آزاد کے بعد، فرحت اللہ بیگ ایک کامیاب خاکہ نگار ہیں اور ''نذیر کی کہانی'' ایک بہترین خاکہ ہے۔ نذیر احمد کے ناولوں

میں ''توبتہ النصوح'' میں مرزا ظاہر دار بیگ ایک عمدہ خاکہ ہے۔ سرشار کا خوجی بھی اس کی مثال ہے۔ فرحت اللہ بیگ کے بعد خواجہ حسن نظامی، مولانا عبد الحق، عبد الماجد دریا آبادی، رشید احمد صدیقی وغیرہ نے اس صنف میں اچھی طبع آزمائی کی ہے۔ محمد علی جوہر نے بھی، ''حکیم اجمل خاں آج رخصت جہاں سے ہوا'' اور ''بی اماں'' نام سے خاکے لکھے۔ مولوی عبد الحق کی چند ہم عصر اردو خاکہ نگاری کا شاہکار رہے۔

چند ہم عصر میں تین شعرا، حالی، امیر مینائی، غلام قادر گرامی، پانچ اہلِ علم مولوی چراغ علی، رشید علی بلگرامی، مولوی عزیز مرزا، وحید الدین سلیم اور مرزا حیرت کے خاکے ہیں۔ چار سربراہانِ قوم، سید محمود نواب محسن الملک، خواجہ غلام اللہ، مولانا محمد علی جوہر، حکیم امتیاز الدین، اور نور خاں کے خاکے ہیں۔ رشید احمد صدیقی کا خاکہ ''کندن ایک چپراسی'' اردو ادب کا سنگ میل ہے۔

اہم خاکے اور خاکہ نگار

نام خاکہ نگار	خاکہ
نور الحسن نقوی	تقریریں اجالوں کی
رشید احمد صدیقی	ہم نفساں رفتہ (مجموعہ ۱۹۶۶ء)، کندن ایک چپراسی، گنج ہائے گراں مایہ (مجموعہ ۱۹۴۳ء)، ذاکر صاحب (۱۹۶۲ء)
ندا فاضلی	ملاقاتیں
محمد علی جوہر	حکیم اجمل خاں آج رخصت جہاں سے ہوا، بی اماں
مولوی عبد الحق	چند ہم عصر (۱۹۴۳ء)
فرحت اللہ بیگ	نذیر احمد کی کہانی کچھ میری کچھ ان کی زبانی، دلّی کا ایک یادگار مشاعرہ، ایک وصیت کی تعمیل میں

سریع مطالعہ

یہودی کی لڑکی

آغا حشر کاشمیری کا شمار اردو کے مشہور ڈرامہ نگاروں میں ہوتا ہے۔انہیں اردو ڈرمہ نگاری کا شیکسپیئر کہا جاتا ہے۔آغا حشر کاشمیری نے چھوٹے بڑے تقریباً 38 ڈرامے لکھے جن میں "سلور کنگ" اور" یہودی کی لڑکی" کو سب سے زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی۔

آغا حشر کاشمیری نے 1913ء میں ڈرامہ" یہودی کی لڑکی" لکھا۔اس ڈرمے میں آغا حشر نے بظاہر رومن اور یہودی قوم کے درمیاں کشمکش دکھائی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہودی قوم اور رومن مذہبی پیشوا کے پردے میں انھوں نے انگریزی حکومت اور ہندوستانی عوام کے درمیان جاری کشمکش کو پیش کیا ہے۔اس طرح براہِ راست مفہوم کہ ساتھ ساتھ اس ڈرامے کا ایک علامتی مفہوم بھی نکلتا ہے۔

اس ڈرامے کا قصہ اس طرح ہے کہ سلطنت روما میں رومن کے علاوہ یہودی قوم بھی آباد ہے۔ایک نوجوان **مارکس** کو **عزرا یہودی** کی لڑکی **حنّا** سے محبت ہو جاتی ہے۔حنّا بھی اس سے سچی محبت کرتی ہے،مگر،مخالف وجوہات کی بنا پر،اسے شبہ ہو جاتا ہے کہ مارکس یہودی نہیں ہے۔وہ مارکس کو زور دے کر حقیقت دریافت کرتی ہے تو وہ رومن ہونے کا اقرار کر لیتا ہے مگر اسے سچی محبت کا یقین بھی دلاتا ہے اور گھر سے دور چل کر شادی کر لینے کو کہتا ہے۔حنّا پہلے تو انکار کر دیتی ہے مگر مارکس خودکشی کرنے کی بات کہتا ہے تو وہ راضی ہو جاتی ہے۔دونوں گھر چھوڑ کر جانا چاہتے ہیں لیکن عزرا سامنے آجاتا ہے جو چھپ کر ساری باتیں سن رہا تھا۔دونوں اس سے معافی مانگتے ہیں اور رحم کی درخواست کرتے ہیں۔عزرا

شادی کے لئے شرط رکھتا ہے کہ اگر مارکس یہودی ہو جائے تو حنّا سے شادی کر دوں گا۔
مارکس کو یہ شرط منظور نہیں ہوتی ہے وہ وہاں سے چلا جاتا ہے۔

ایک عرصہ بعد حنّا اور مارکس کی ملاقات ہوتی ہے تو مارکس اسے بتاتا ہے کہ وہ اب عام آدمی نہیں بلکہ اس ملک کا ولی عہد ہے۔ وہیں حنّا کو پتہ چلتا ہے کہ کل مارکس کی شادی ہزادی ایکٹیو یا سے ہونے والی ہے جو پہلے سے طے تھی۔ یہ جان کر حنّا کو بے حد رنج ہوتا ہے اور وہ شادی روکنے کا تہیہ کر لیتی ہے۔

شادی کے موقع پر عزرا یہودی اپنی قوم کی طرف سے نذرانہ پیش کرنے کے لئے دربار میں حاضر ہوتا ہے۔ حنّا بھی وہاں پہنچ جاتی ہے اور بادشاہ کو ساری بات بتا کر انصاف کی گہار لگاتی ہے۔ بادشاہ، شہزادہ مارکس سے حقیقت دریافت کرتا ہے تو وہ اپنے جرم کا اقرار کر لیتا ہے۔ بادشاہ اسے قید کر کے مذہبی عدالت میں مقدمہ چلانے کا حکم دیتا ہے۔

اسی روز شہزادی، حنّا کے پاس جاتی ہے اور شہزادے کو معاف کر دینے کی درخواست کرتی ہے۔ حنّا کو مارکس پر رحم آ جاتا ہے اور وہ اپنا الزام واپس لے لیتی ہے۔ مذہبی پیشوا بروٹس، یہودیوں سے نفرت کرتا تھا۔ حنّا کی اس حرکت سے ناراض ہو کر وہ حنّا اور عزرا کو جلتے تیل میں ڈالنے کا حکم دیتا ہے۔ مارکس ان کے لئے رحم کی درخواست کرتا ہے تو بروٹس اس شرط پر معاف کرنے کو تیار ہو جاتا ہے کہ وہ دونوں مذہب تبدیل کر لیں۔

عزرا، بروٹس کی بات نہیں مانتا اور سولہ سال پہلے کا واقعہ یاد دلاتا ہے جب **شاہ نیرو**، کے حکم سے شہر روما میں چاروں طرف آگ بھڑک رہی تھی۔ اس آگ میں بروٹس کی بیوی بھی جل گئی تھی مگر اس کی دودھ پیتی بچی کو اسی نے آگ سے بچا لیا تھا اور یہی اب اس کی بیٹی ہے۔ اسے بڑے لاڈ پیار سے میں نے بیٹی کی طرح پالا ہے۔ بروٹس ثبوت مانگتا ہے۔

عزرا یہودی حنّا کے گلے میں پڑا ہوا شاہی خاندان کا تعویذ اور مروارید کی مالا دکھاتا ہے
بروٹس اسے پہچان کر تصدیق کرتا ہے۔ اپنے کیئے پر شرمندہ ہوتا ہے۔ دونوں سے معافی
مانگتا ہے اور آئندہ کے لئے نیک زندگی گزارنے کا ارادہ کرتا ہے۔

اس وقت آٹیویا، حنّا سے کہتی ہے کہ تم بھی شاہی خاندان سے ہو، تو کیوں نا میری
ہر راحت اور خوشی میں برابر کی شریک ہو جاؤ۔ بادشاہ بھی اس کی اجازت دے دیتا ہے مگر
حنّا یہی کہتی ہے کہ مجھے اس جھوٹی دنیا کی کوئی چیز نہیں چاہئے۔ تم دونوں خوش رہو۔ اس طرح
ڈرامہ ختم ہو جاتا ہے۔

اس ڈرامے میں کردار نگاری اوسط درجے کی ہے۔ پیشکش کے لحاظ سے یہ ڈرامہ
نہایت موزوں ہے۔ اس میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جسے اسٹیج پر پیش کرنے میں دقت ہو
۔ مجموعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ آغا حشر کا یہ ڈرامہ اردو کا ایک مشہور و مقبول ڈرامہ ہے۔

مرحوم کی یاد میں

بطرس بخاری کا شمار اردو کے مشہور طنز و مزاح نگاروں میں ہوتا ہے۔ اگرچہ انہوں نے کم لکھا
، لیکن شہرت بہت حاصل کی۔ پطرس کے مضامین مزاحیہ ہیں۔ مضمون "مرحوم کی یاد میں" ان
کی کتاب پطرس کے مضامین سے لیا گیا ہے۔

اس مضمون میں پطرس نے اپنے دوست کی ایک پرانی سائیکل کا نقشہ کھینچا ہے۔
اس پرانی سائیکل پر سوار ہو کر سفر کرنے کی روداد اتنے دلچسپ پیرائے میں بیان کی ہے کہ
اسے بار بار پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔

پطرس بخاری لکھتے ہیں کہ ایک دن وہ اور ان کے پرانے دوست مرزا صاحب برآمدے میں ساتھ ساتھ بیٹھے خاموشی سے لطف اندوز ہو رہے تھے ۔ کیونکہ جب دوستی پرانی ہوتی ہے تو گفتگو کی چنداں ضرورت نہیں رہتی۔ اسی دوران سڑک پر تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد ایک موٹر کا گزر جاتی ہے ۔ میں جب کسی موٹر کار کو دیکھتا ہوں ، مجھے زمانے کی ناسازگاری کا خیال ضرور ستاتا ہے اور کوئی ایسی ترکیب سوچنے لگتا ہوں، جس سے دنیا کی تمام دولت سب انسانوں میں برابر برابر تقسیم کی جا سکے۔

میں نے مرزا سے کہا کہ میں موٹر کار خریدنا چاہتا ہوں۔ اس پر مرزا صاحب کہتے ہیں کہ کار خریدنے کے لئے پیسے کہاں سے آئیں گے۔ اس پر مصنف پریشان ہو جاتے ہیں۔ مرزا صاحب انہیں سائیکل لینے کا مشورہ دیتے ہیں۔ مصنف کہتے ہیں کہ وہ بھی پیسے کی آئیگی ۔ پر مرزا صاحب اپنی پرانی سائیکل مفت میں دینے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ مصنف یہ پسند نہیں کرتے کہ دوستوں سے مفت میں کوئی چیز لی جائے۔ وہ مرزا صاحب کی جیب میں چالیس روپے ڈالتے ہیں۔ مرزا صاحب اپنی پرانی سائیکل، مصنف کے گھر بھیج دیتے ہیں۔ مصنف رات کو خواب میں سائیکل پر سوار ہو کر تاریخی عمارتوں کی سیر کرتے ہیں اور صبح ہوا خوری۔ مصنف سائیکل پر سوار ہو کر کشمیر وغیرہ کی سیر کرنے کا منصوبہ بناتے ہیں لیکن جب صبح اٹھتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ وہ سائیکل ہئیت کے اعتبار سے ہل، رہٹ، چرخا اور اسی طرح کی جریدہ ایجادات سے پہلے کی بنی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ مصنف کسی نہ کسی طرح سائیکل پر سوار ہوتے ہیں۔ پہلے ہی پاؤں چلایا تو معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کوئی مردہ ہڈیاں چٹخا چٹخا کر اپنی مرضی کے خلاف زندہ ہو رہا ہے۔ پہلے کھٹ کھٹ، کھڑ کھڑ، آوازیں مڈ گارڈوں سے آتی ہیں۔ پہیوں کی اٹھکھیلیوں کی وجہ سے سر برابر برجھٹکے کھا رہا تھا۔ گدی بھی

اونچی نیچی ہورہی تھی۔ دومیل پیدل چل کر مصنف اس سائیکل کوایک مستری کی دوکان پر

لے گئے۔ مصنف سے مستری پوچھتا ہے کہ یہ سائیکل کیا مفت میں ملی ہے۔ مرزا صاحب اس سائیکل پر خود کالج پڑھنے جاتے تھے۔ مصنف یہاں سے دوسرے مستری کے پاس اس غرض کے پاس جاتا ہے کہ اسے بیچ دے۔ وہ بڑی مشکل سے اس کے تین روپے دینے کو تیار ہوتا ہے۔ مصنف سائیکل لیکر یہاں سے آگے بڑھتے ہیں کہ دور جانے پر اس کا ایک پہیا نکل کر سڑک پر جا پڑا۔ اس منظر کو دیکھ کر لوگ ہنس پڑے۔ آخر میں مصنف نے سائیکل اور اس کی وجہ سے جو ذلت انھیں برداشت کرنی پڑی اس سے تنگ آ کر اس سائیکل کو ایک دریا میں پھینک دیا اور پھر مرزا کے گھر پہونچے اور کہا" ذرا باہر تشریف لائیے۔ میں آپ جیسے بزرگ کے گھر میں وضو کے بغیر کیسے داخل ہو سکتا ہوں۔" مرزا صاحب باہر تشریف لائے تو مصنف نے وہ اوزار ان کی خدمت میں پیش کیا، جو انہوں نے سائیکل کے ساتھ مفت میں عنایت کیا تھا اور کہا : مرزا صاحب آپ ہی اس اوزار سے شوق فرمایا کیجئے۔ میں اب اس سے بے نیاز ہو چکا ہوں۔" پھر گھر پہونچ کر علم کیمیا کا مطالعہ شروع کیا جو کتاب انہوں نے ایف اے کے کورس میں پڑھی تھی۔

﴿300﴾ خزینہ اردو اکمل نعیم صدیقی

PART II : KNOWLEDGE OF GRADUATION STANDARD

ABOUT URDU SUBJECT

I نثر

اپنی مدد آپ

سر سید احمد خاں

کسی شخص میں اپنی مدد آپ کرنے کا جوش ہی اس کی ترقی کی بنیاد ہے۔اور جب یہ شوق بہت سے اشخاص میں پایا جائے تو وہ قومی ترقی اور قومی طاقت اور قومی مضبوتی کی جڑ ہے۔ یہ بات ذہن میں رکھی جائے کہ قوم دراصل اشخاص کا مجموعہ ہی ہے۔

ایشیا کے لوگ اچھی گورمنٹ اور یوروپ کے لوگ اچھے انتظام اور اچھی قانون سازی کو اقوام کی ترقی کی بنیاد مانتے ہیں۔مگر یہ دونوں خیال ہی غلط ہیں کیونکہ قوم کی ترقی کا دارومدار، اس قوم کے اشخاص کی ترقی پر ہے اور یہ ترقی اپنی مدد آپ کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔کوئی باہری طاقت اس کی وجہ نہیں بن سکتی۔ یہ بات بھی ذہن میں رکھی جانی چاہئے کہ گورنمنٹ ہمیشہ اپنی رعایا کی پرچھائی ہوتی ہے۔تہذیب یافتہ لوگوں پر شائستہ گورنمنٹ اور جاہل رعایا پر ویسی ہی حکومت۔لہٰذا حکومت رعایا کی طرح ہوتی ہے نا کہ رعایا حکومت کی طرح۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ مسلم قوم کے اشخاص بھی اپنی اصلاح کریں، تعلیم و تربیت، عادت و اخلاق اور مختلف قسم کے علوم وفنون میں کمال درجہ حاصل کریں تا کہ خود ان کی قوم اور ملک کی دوسری قومیں ترقی کی راہ پر گامزن ہوسکیں۔

نمک کا داروغہ

نمک کا داروغہ منشی پریم چند کا مشہور افسانہ ہے جس میں انہوں نے منشی بنسی دھر کے کردار کے ذریعہ سچائی اور ایمانداری کی تصویر پیش کی ہے۔

افسانے کے کردار : بنسی دھر (ایک ایماندار نوجوان)، الوپی دین (زمین دار اور تاجر)

منشی بنسی دھر تعلیم حاصل کرنے کے بعد نوکری کی تلاش میں تھے۔ بنسی کے والد اسے ہمیشہ سمجھاتے تھے کہ ایسی نوکری دیکھنا جس میں اوپر کی کمائی بھی ہو کیونکہ تنخواہ تو پورن ماسی کے چاند کی طرح ہوتی ہے جو صرف پہلی تاریخ کو ہی پوری نظر آتی ہے اور اس کے بعد گھٹنا شروع ہو جاتی ہے۔ بنسی دھر ایک ایماندار آدمی ہے اور اسے والد کی یہ باتیں پسند نہیں ہیں۔ بنسی دھر نمک کے محکمہ میں داروغہ لگ جاتے ہیں۔ والدین بڑے خوش ہوتے ہیں کیونکہ اس محکمہ میں نمک کی کالا بازاری کی وجہ سے اوپر کی کمائی بہت ہے۔

ایک رات بنسی دھر جب ڈیوٹی انجام دے رہے تھے انہیں رات کے سنّاٹے میں گاڑیوں کا شور غل اور ملاحوں کی آوازیں سنائی پڑتی ہیں۔ معلوم کرنے پر بنسی دھر کو پتہ چلتا ہے کہ یہ گاڑیاں پنڈت الوپی دین کی ہیں اور ان میں نمک بھر کر غیر قانونی طور پر لے جایا جا رہا ہے۔

بنسی دھر نمک کی گاڑیوں کو روک دیتے ہیں اور الوپی دین کو بلا لیتے ہیں۔ الوپی دین جو کہ علاقے کا بڑا تاجر اور زمیندار ہے اور اس کے سبھی اعلیٰ افسران سے اچھے تعلقات ہیں اس یقین کے ساتھ بنسی دھر سے ملتا ہے کہ لے دے کر معاملہ کو نپٹا لیا جائیگا مگر بنسی دھر کسی قیمت پر نہیں مانتا یہاں تک کہ الوپی دین اس کو چالیس ہزار تک رشوت دینے کو تیار ہو جاتا ہے۔ بنسی دھر، الوپی دین کو گرفتار کر کے عدالت میں پیش کرتا ہے۔ اس کی اس

حرکت پر سارے لوگ اور خود اس کے والدین اس سے خفا ہو جاتے ہیں۔ الو پی دین اپنے تعلقات کی وجہ سے چھوٹ جاتا ہے اور بنسی دھر نوکری سے معطل کر دئے جاتے ہیں۔

الو پی دین بری ہو کر بنسی دھر کے گھر آتے ہیں جہاں بنسی کے والد الو پی دین سے شرمندگی کا اظہار کرتے ہیں مگر الو پی دین، بنسی کے والد کو مبارک باد پیش کرتے ہیں کہ انکے گھر ایسا ایمان دار بیٹا پیدا ہوا ہے۔ الو پی دین بنسی دھر کو اپنی جائداد کا مختار عام بنا دیتے ہیں کیونکہ وہ بنسی کی ایمانداری اور اسکی خوبیوں سے آگاہ ہو گئے تھے۔ بالآخر بنسی کو اپنی ایمانداری کی وجہ سے پہلے سے سے زیادہ اعلیٰ مقام حاصل ہوتا ہے۔

مظلوم کی فریاد　　　راشد الخیری

قفس میں رودادِ چمن کہتے نہ ڈر ہمدم
گری ہو جس پہ کل بجلی، وہ میرا آشیاں کیوں ہو

مرزا غالب کے اس شعر کا مطلب ہم یہ سمجھتے ہیں کہ عین بہار کے موسم میں صیاد نے ایک بلبل کو پکڑ کر پنجرے میں قید کر لیا۔ بلبل نے کچھ دنوں تک پنجرے سے سر ٹکرایا مگر پھر اپنی قسمت سے سمجھوتہ کر لیا۔ کچھ دنوں بعد ایک بلبل اور اس پنجرے میں داخل کی گئی تو اس نے بلبل کو اپنے شہر کے تمام حالات سے آگاہ کیا مگر جب بلبل کے گھر کی تباہی کا بیان کرنے لگا تو خاموش ہو گیا۔ اس پر پہلے بلبل نے کہا کہ ڈرو مت تم جس گھر پر بجلی گرنے اور تباہ ہونے کی بات کہہ رہے ہو وہ اب میرا کہاں ہے ؟ میرا گھر تو اب یہ پنجرا ہے۔

یہی حال ہمارے یہاں ان لڑکیوں کا ہوتا ہے جن کی شادی کی جاتی ہے کہ ایک

خطبہ نکاح، ان سے ان کا گھر اور تمام پرانے رشتے تعلق ختم کروا دیتا ہے۔اس نئی زندگی اور بالکل نئے ماحول میں ایک ہی امید ہوتی ہے۔شوہر۔

مگران شوہروں پر افسوس ہوتا ہے جو بیویوں کو صرف خدمت گزار سمجھتے ہیں۔ ان سے بڑی بڑی امیدیں کرتے ہیں، تمام ذمہ داریاں پوری کروائی جاتی ہیں اور اس کے بدلے میں طرح طرح کے طعنے اور صلوٰتیں سنائی جاتی ہیں مگر وہ زبان سے چوں نہیں کرتیں کریں بھی تو کس کے بھروسے ؟ اسی حالت میں وہ قبروں کو پہنچ جاتی ہیں۔

قیامت کا دن ہے۔میدانِ حشر انسانوں سے پٹا پڑا ہے۔عورتوں کا ایک گروہ بارگاہِ خداوندی میں شکایت کر رہا ہے" اے ہمارے رب، ہمارے شوہروں نے ہمیں دھوکہ دیا، ہمیں پنجرے میں قیدی کی طرح رکھا، ہماری زندگی دوزخ کردی۔ہم نے ان کی ان کے گھر والوں کی خدمت کی، اولاد پیدا کی اس کی پرورش کی، طعنے سنے مگر لب کشائی نہیں کی مگر پھر بھی ہماری کبھی قدر نہیں کی گئی۔اے سچے معبود آج ہمارے صبر کا صلہ دے، دکھا دے کہ مظلوموں کا وارث اور بیکسوں کا حامی تو ہے۔

شیخ پیرو رشید احمد صدیقی

ہماری بستی میں دو اشخاص بہت مشہور تھے ایک شیخ پیرو اور دوسری چھتیا۔غدر سے بہت پہلے پیرو کھانے کمانے کے لئے وطن سے دور چلے گئے تھے اور کچھ ایسے لا پتہ ہوئے کہ، وطن میں، ان کے رحلت کر جانے کی خبر عام ہوگئی۔اسی دور میں پولیس کو میرو نام کے ایک ڈاکو کی تلاش تھی جس پر انعام مقرر کیا گیا تھا اور اس کو پکڑنا پولیس کی ناک کا سوال بن گیا تھا۔شیخ پیرو اسی دور میں ایک دن اپنے رشتہ داروں سے ملنے کے لئے پردیس سے

چلے آتے تھے۔ ان کی خونخوار شکل، گنجان داڑھی، مضبوط قد کاٹھی اور پھر جو کچھ کمایا تھا سب لادے ہوئے کہ جس میں کچھ ناریئل، کپڑوں کا گٹھر، پانچ سات تانبے پیتل کے برتن، تھوڑی بہت نقدی، کچھ تمباکو کے پتے وغیرہ۔ ایسا شخص جہاں سے گزرتا لوگوں کو خطرہ محسوس ہوتا۔

پولیس نے میرو کے بدلے پیرو کو پکڑ لیا۔ ایک تو نام کی مشابہت، دوسرا شکل، پھر ان کے پاس سے برآمد مختلف قسم کا سامان ان کی سزا کا باعث بن گئے۔ پیرو سزا کاٹ کر لوٹے تو بڑھاپا آ چکا تھا۔ ایک جگہ کھپریل ڈال لی اور ایک کتے سے دوستی کر لی۔ پیرو کے لئے یہ کتا ہی سب کچھ تھا، دوست، ہم دم، بیوی، مکان، محل اور رفیق۔

ان کی کمائی کا ذریعہ حقہ پلانا تھا۔ ایک جھولی میں کوئلہ اور تمباکو ڈال لیتے اور اپنا ٹوٹا سا حقہ لئے صبح نکل جاتے۔ ساتھ میں کتا بھی ہوتا۔ لوگ حقے کا کش لگاتے اور جس کے دل میں جو آتا پیش کر دیتا۔ بچے مگر ان کے پیچھے پڑے رہتے اور مذاق اڑاتے تھے جنہیں وہ مارنے دوڑتے تھے۔

بستی میں ہیضہ پھیلا، بستی سنسان ہوگئی۔ چوریاں بڑھنے لگیں تو پیرو نے رات کو نکلنا شروع کر دیا۔ بستی میں کوئی بیمار ہوتا یا موت ہوتی، پیرو اور اس کا کتا ہو وہاں ضرور ہوتے۔ ہر جنازے اور ہر شمشان میں وہ نظر آتے تھے۔ ایک رات پیرو اور ان کا کتا گشت پر تھے کہ تین بدمعاشوں نے انہیں گھیر لیا۔ اندھیری رات میں خوب مقابلہ ہوا۔ ایک بدمعاش نے ان پر کلہاڑی کا وار کیا، کتا ان کی جان بچانے کو بیچ میں آ گیا اور مارا گیا، مگر پیرو کے گہرا زخم لگا۔ پیرو نے کتے کی لاش دیکھی تو ان کا خون کھول اٹھا اور انہوں نے تینوں بدمعاشوں کا کام تمام کر دیا۔ زخم گہرا تھا اس لئے ان کی بھی موت ہوگئی۔

صبح کو ان کے جنازے میں وہ سارے لوگ موجود تھے جو مرنے سے بچ گئے

تھے۔ پیرو کو سپردِ خاک کر کے لوگ براہِ راست اپنے گھروں کو واپس آئے کیونکہ عوام کا عقیدہ تھا کہ بستی کے سب سے بڑے آدمی کے مرجانے کے بعد وبا کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے۔

یار باش مرزا فرحت اللہ بیگ

(1883ء تا 27اپریل 1947ء)

فارسی ہم نے پڑھی ہے اور بڑی دور تک پڑھی ہے، مگر" یار باش" کی ترکیب اب تک ہماری سمجھ میں نہیں آئی ہے۔ آپ نے لوگوں کو کہتے سنا ہو گا کہ فلاں شخص بڑا یار باش ہے۔ اب رہا یار باش سے مطلب تو یہ لفظ ایسا گہرا ہے کہ اس کی تھاہ کا پتہ لگانا مشکل ہے۔ میں نے تو اس لفظ کو صرف ایسے لوگوں کے لئے استعمال ہوتے دیکھا ہے جن کی صحبت میں وقت بہ آسانی کٹ جائے۔ میں آپ کو ایک ایسی محفل کا نقشہ دکھاؤں ، جہاں ایک
" یار باش"
بھی ہوں۔ اس کی گفتگو آپ کو سنا دوں۔ ان کا رکھ رکھاؤ آپ کو دکھا دوں اور پھر آپ سے پوچھوں کہ براہِ کرم آپ ہی بتائیں کہ یار باش کی تعریف کیا ہے ؟

احسن اللہ خان کے نام کے ساتھ، خانی کا دم چھلّہ لگا ہوا ہے، مگر پٹھان نہیں ہے۔ نام کے شروع میں" احسن" ضرور ہے، مگر حسن کا کوئی تعلق ان کی شکل وصورت سے نہیں۔ امیر نہیں مگر امیر اس کو ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں۔ پیتا نہیں مگر پینے والوں کی ہر صحبت میں شریک رہتا ہے۔ چالیس سے گزر چکا ہے مگر بچوں میں بچہ اور بوڑھوں میں بوڑھا ہے۔ شاعر تو نہیں مگر" شعرِ ہند" ضرور ہے (شعر ہند کی وہی ترکیب ہے جو چھپر بند کی ہے)۔ محفل میں بیٹھ کر خوب بحث مباحثہ کرتا ہے مگر آخر میں سبھی ہنسی خوشی اٹھتے ہیں اور ہر شخص کے منہ سے یہی

300

نکلتا ہے کہ بھئی احسن بھی کیا یار باش آدمی ہے۔

ان کی یار باشی کا اصل گر یہ ہے کہ کبھی کسی دوسرے پر حملہ نہیں کرتے اور گفتگو کا مرکز خود اپنے آپ کو بنا لیتے ہیں۔ خود یاروں کے حملے سہتے ہیں، خود اپنی مدافعت میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتے ہیں، اپنی حمایت میں چومکھا لڑتے ہیں اور اس طرح ہر محفل بغیر کسی نتیجہ پر پہنچے ختم ہو جاتی ہے۔ بعض بے وقوف اہلِ محفل احسن کو بے وقوف سمجھتے ہیں مگر میں جانتا ہوں کہ وہ خود بے وقوف بن کر ان سب کو بے وقوف بناتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس دنیا کے اگر چند لمحے ہنستے بولتے گزر جائیں تو بہت غنیمت ہے۔

محفل میں آتے ہی وہ سب سے پہلے دیکھ لیتے ہیں کہ کن کن خیالات کے لوگ موجود ہیں اور گفتگو کا موضوع کیا ہے۔ پھر کچھ ہی دیر میں اس کا موضوع اپنی طرف موڑ لیتے ہیں، اب اصل بحث تو گئی جہنم میں، سب کے سب ان کے پیچھے پڑ جاتے ہیں اور ہمیشہ کی طرح بحث بے نتیجہ رہتی ہے مگر محفل ہنسی خوشی سے ختم ہو جاتی ہے۔ کئی زمانے کی بات ہے کہ ایک محفل میں ہم کچھ دوست بیٹھے اس زمانے کی فورڈ کی نئی کاروں **وی 8** اور **شیورولیٹ** کی باتیں کر رہے تھے۔ احمد نے وی 8 اور محمود نے شیورولیٹ خریدی تھی اور دونوں میں اس بات پر بحث ہو رہی تھی کہ کس کی کار زیادہ اچھی ہے۔ بحث اب تکرار میں بدل چکی تھی اور ماحول میں گرمی بھی پیدا ہو چکی تھی کہ اتنے میں مسٹر احسن رونق افروز ہوئے، انہوں نے دیکھ لیا کہ مجلس کا رنگ کچھ بگڑا ہوا ہے تو اس جھگڑے کی وجہ پوچھی اور معلوم ہوتے ہی ان کی توجہ ہٹا کر کہنے لگے، بھائی آجکل کی گاڑیاں بھی کوئی گاڑیاں ہیں ٹین کے پترے ہیں مضبوتی کچھ نہیں سارا پیسہ صرف ٹیپ ٹاپ کا ہے۔ اب تم میری ولکن موٹر سے اپنی موٹروں کا موازنہ کرو تمہاری نئی موٹریں اس کے مقابلہ میں کہیں نہیں ٹھہرتیں۔

300 خزینہ اردو اکمل نعیم صدیق

اتنا کہنا تھا کہ محفل قہقہوں سے گونج اٹھی ۔محفل کا رنگ ایک سیکنڈ میں تبدیل ہو گیا۔ایک نے کہا آپ کی گاڑی تو مرزا سوداؔ کے زمانے کی ہے۔اس نے کہا نہیں صاحب 1902ء کی ہے۔مگر مرزا سوداؔ نے شاید اسی کے لئے کہا تھا کہ

لیکن مجھے ررُوے تاریخ یاد ہے شیطان اسی پہ نکلا تھا جنت سے ہو سوار

احسن میاں بولے ،تو آپ مانتے ہیں یہ جنت کی سواری ہے۔احمد نے کہا مگر اونچی بہت ہے۔آپ نے جواب دیا میاں قد اونچا اچھا یا ٹھگنا ؟ اونچی موٹر کے نیچے پتھر بھی آ جائے تو کچھ فرق نہیں پڑتا اور اگر کبھی ایکسیڈینٹ ہو جائے تو اونچی موٹر سے نیچے گرنے میں وقت زیادہ ملتا ہے جس سے آدمی سنبھل جاتا ہے اور اسے چوٹ نہیں لگتی۔احسن نے کہا چلنے میں غل بہت مچاتی ہے ؟ آپ نے جواب دیا بھئی اسی وجہ سے کبھی ایکسیڈینٹ نہیں ہوتا کیونکہ ایک کلومیٹر دور سے ہی لوگوں کو پتہ چل جاتا ہے کہ ہماری سواری آ رہی ہے اور وہ ایک طرف ہو جاتے ہیں۔موٹر کے نیچے آدمی تو کیا ،کبھی چوہے کا بچہ بھی نہیں آیا۔اسی لئے میں نے جان بوجھ کر اس کی یہ آوازِ محشر قائم کر رکھی ہے۔رام کشن نے کہا کہ جھٹکے بہت مارتی ہے آدمی اس میں بیٹھ جائے تو جو کچھ پیٹ میں ہو اُلٹ پلٹ ہو جاتا ہے۔احسن نے کہا" لیجئے ،آپ کی سنئیے ۔اجی لالہ جی ! یوں کیوں نہیں کہتے کہ کھایا پیا سب ہضم ہو گیا۔اس موٹر میں یہی تو کمال ہے کہ ناک تک کھا کر بیٹھو اور جب اترو تو یہ معلوم ہو کہ کچھ کھایا ہی نہیں۔

بہ ہر حال اس طرح گفتگو کا سلسلہ کوئی تین چار گھنٹے تک چلتا رہا اور محفل بے نتیجہ ختم ہو گئی۔سب کہتے تھے احسن کیا یار باش آدمی ہے۔بچوں سے ان کی گفتگو کا نمونہ دیکھئے ایک بار میں ذوالفقار کے گھر پہونچا تو دیکھا میاں احسن اس کے لڑکے صادق سے بحث کر

رہے ہیں۔ وہ کہتا تھا دو چوک آٹھ ہوتے ہیں یہ کہتے تھے 9 ہوتے ہیں۔ جب ضد ہونے لگی تو اس سے کہا اچھا کنکریاں لاؤ اور دو دو کی چار ڈھیریاں بناؤ ابھی پتہ چل جائے گا کون صحیح ہے۔ صادق بھاگا بھاگا گیا اور کنکریاں لایا۔ دو دو کی چار ڈھیریاں لگائی گئیں تو وہ کنکریاں آٹھ نکلی اب تو صادق نے پورے گھر میں غل مچا دیا، چاچا ہار گئے میں جیت گیا۔ میں کہا احسن بچوں کو تو بخش دیا کرو، کہنے لگے میاں اب یہ کبھی پہاڑے میں نہیں اٹکے گا۔ جہاں اٹکا کنکریاں لائے گا ڈھیریاں لگائے گا اور جواب حاصل کر لیگا۔ بچوں سے الٹی سیدھی بحث کرنے سے ان کا دماغ تیز ہوتا ہے۔

ان کی گفتگو کا کچھ اور مزا لینا ہو تو اس وقت پہونچ جاؤ جب یہ اپنے خاص دوستوں زاہد اور عابد کے ساتھ بیٹھے باتیں کر رہے ہوں۔ خیر اتنا پڑھنے کے بعد اب آپ یہ تو سمجھ ہی گئے ہونگے کہ یار باش کی تعریف کیا ہے ؟

اردو ڈرامے کا فن اور تاریخ

ڈرامہ عالمی ادب میں صنفِ ڈرامہ کو ہمیشہ بلند مقام حاصل رہا ہے۔ ڈرامہ ناول یا افسانے کی طرح صرف لکھے یا پڑھے جانے تک محدود نہیں ہے بلکہ اسے عملاً اسٹیج پر پیش کیا جانا ضروری ہوتا ہے۔

ڈرامہ کی تعریف ڈرامہ کسی قصّہ یا واقعہ کو اداکاروں کے ذریعہ، ناظرین کے روبرو عملاً پیش کرنے کا نام ہے۔ ناول اور افسانے کی طرح ڈرامہ میں بھی پلاٹ، کردار، مکالمہ، اور کوئی نہ کوئی مرکزی خیال ضرور ہوتا ہے۔ مگر قصے کی عملی پیش کش ہی اسے ناول اور ڈرامہ سے الگ کرتی ہے۔

ڈراموں کی تقسیم بنیادی طور پر ڈراموں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

ا۔ المیہ (ٹریجڈی) ڈرامہ ۲۔ طربیہ (کامیڈی) ڈرامہ

بعد کے زمانے میں ایسے بھی ڈرامے لکھے گئے جن میں الم (غم) اور طرب (مزاح) کا امتزاج کیا گیا ایسے ڈراموں کو ''المیہ طربیہ ڈرامہ'' کہا جاتا ہے۔''اوپیرا یا غنائیا'' بھی ڈرامہ کی قسم ہے۔ اسے منظوم ڈرامہ بھی کہہ سکتے ہیں جو رقص و موسیقی کی مدد سے اسٹیج پر پیش کیا جاتا ہے۔

اردو ادب میں ڈرامہ کی ارتقاء

ا۔ اردو ڈرامہ کی ابتدا اودھ کے نواب واجد علی شاہ کے زمانہ میں ہوئی۔ پروفیسر مسعود حسن رضوی کے مطابق اردو کا پہلا ڈرامہ واجد علی شاہ کا ''افسانہ عشق'' ہے جو رادھا کرشن کی کہانی پر مبنی ہے۔ مگر نواب صاحب کے ناٹک صرف دربار میں دکھائے جاتے تھے یہ عوام کے لئے نہیں تھے۔

۲۔ ۱۸۵۲ء میں امانتؔ لکھنوی نے ''اندر سبھا'' کے نام سے ڈرامہ لکھا جسے ۱۸۵۴ء میں اسٹیج پر عوام کے سامنے پیش کیا گیا۔ پروفیسر مسعود حسن رضوی کے مطابق یہ اردو کا پہلا عوامی ڈرامہ ہے جسے اسٹیج پر پیش کیا گیا۔ یہ منظوم ڈرامہ ہے۔

۳۔ ''اندر سبھا'' اردو میں ''اوپیرا'' کا اوّلین نمونہ ہے۔

۴۔ امانتؔ کے ڈرامہ کو بیحد مقبولیت حاصل ہوئی جس کی وجہ سے ملک میں جگہ جگہ ناٹک منڈلیوں کا وجود قائم ہوا جنہیں اندر سبھا کہا جاتا تھا۔ اسی دور میں پارسیوں نے پارسی اسٹیج کی بنیاد رکھی۔

۵۔ پارسی اسٹیج کا پہلا ڈرامہ ''خورشید'' ہے جسے ۱۸۷۰ء میں پیش کیا گیا اور ''ایدل جی گھوری نے لکھا تھا۔

۶۔ ''پروسینیم''، یعنی آگے گرنے والے پردے کا استعمال بھی پارسی اسٹیج سے شروع ہوا۔ بعد میں منظر نگاری کے لئے اسٹیج کی پچھلی دیوار پر تصویروں والے پردے لگائے جانے لگے۔

۷۔ امانتؔ لکھنوی کا نام سیّد آغا حسن تھا جو ۱۸۱۵ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔

۸۔ محمد شاہ آغا حشرؔ کاشمیری بنارس میں ۱۸۷۶ء سے ۱۸۷۹ء کے بیچ پیدا ہوئے۔ ان کا پہلا ڈرامہ جو ''جواہر ایکسپریس'' میں ۱۸۹۷ء میں شائع ہوا ''آفتابِ محبّت'' تھا۔ انہیں ڈرامہ نگار کی حیثیت سے پہلی نوکری ''الفریڈ تھیٹر یکل کمپنی'' میں ملی جس کے لئے انہوں نے پہلا ڈرامہ ''مرید شک'' لکھا۔ ۱۹۱۳ء میں انہوں نے ''یہودی کی لڑکی'' لکھا۔

۹۔ آغا حسن کو اردو ادب کا ''شیکسپیئر'' کہا جاتا ہے۔

اہم ڈرامے اور ڈرامہ نگار

ڈرامہ نگار	ڈرامے
آغا حشر کاشمیری	مرید شک، پاک دامن، اسیر حرص، ضحاک، ٹھنڈی آگ، سلور کنگ، رستم وسہراب، سیتا بن باس، دل کی پیاس، مدھر مرلی، یہودی کی لڑکی، بھارت منی، شرون کمار، آنکھ کا نشہ، ترکی حور، بھاگیرتھ گنگا، شہید ناز، صید ہوس، خواب ہستی، بھیشم پرتگیہ، آفتاب محبت، خوبصوت بلا، پہلا پیار، ہندوستان، سماج کا شکار، خون ناحق، نیلی چھتری، دام حسن، سفید خون، داؤں پیچ، خود پرست، انوکھا مہمان، شیر کی گرج۔
احسن لکھنوی	حیات انیس، ہملٹ، گلزار، چندراوتی، دلفروش، بھول

	بھلیّا، چلتا پرزہ
ہادی رسوؔا	لیلیٰ مجنوں، طلسم اسرار
پطرس بخاری	سیب کا درخت
محمد حسین آزاد	اکبر، محل سرا، مورپنکھ، فت پاتھ کے شہزادے
کرشن چندر	فت پاتھ کے فرشتے، دروازے کھول دو
حبیب تنویر	آگرہ بازار، میرے بعد، دیکھ رہے ہیں نین
امتیاز علی تاج	انارکلی، پرتھوی راج، صید صیاد، قرطبہ کا قاضی، جہاں آرا، گونگی جورو، چچا چھکن
سعادت حسن منٹو	مسٹر ڈی سلوا، خونی تھوک، کمیشن، دو ہزار سال، قانون کی حفاظت، تحفہ، تین انگلیاں، ایک مرد

نوٹ : فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات ۔ شمالی ہند میں اردو نثر کا ارتقا کے ساتھ صفحہ نمبر

غالب کے خطوط

غالبؔ اپنے عہد کے نا صرف سب سے بڑے شاعر ہیں بلکہ سب سے اہم نثر نگار بھی ہیں۔ ان کے نثری سرمایہ کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اس سرمائے میں ان کے لکھے گئے خطوط بھی بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ یہ خطوط اردو کی نثری تاریخ میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں کیونکہ ان خطوط میں غالب نے اس عہد میں، نثر میں رائج قافیہ اور ردیف کی پابندی سے بغاوت کی اور خالص ٹکسالی زبان میں بے حد سادہ اور شگفتہ لہجے میں

خطوط نگاری کی۔ان کی کوششوں سے ہی اردو نثر کو سادگی اور روانی حاصل ہوئی کیونکہ اس سے قبل اردو نثر اس سے محروم تھی۔غالب کے خطوط کے مجموعوں میں" عود ہندی"،اردوئے معلیٰ"،"خطوط غالب"اور"نادرات غالب" کافی مشہور ہیں۔

غالب کے خطوط کی خصوصیات

غالب خط کو نصف ملاقات مانتے تھے لٰہذا ان کے خطوط کا لب ولہجہ ایسا ہوتا تھا مانو مکتوب الیہ ان کے سامنے بیٹھا ہے اور وہ اس سے بے تکلف گفتگو کر رہے ہیں۔انہوں نے القاب و آداب اور شکوہ شکایت کے قدیم فرسودہ انداز کو ترک کر کے سادہ،شوخ اور آزاد راہ نکالی۔ان کے خطوط میں مراسلے کی جگہ مکالمے کی کیفیت غالب ہے۔بے تکلفی ان کے خطوط کا نمایاں وصف ہے۔انہوں نے مراسلے کو مکالمہ بنا دیا ہے۔مکاتیب غالب کی ایک بڑی خاصیت ان کا طنز و مزاح ہے۔غالب کے مزاج میں شوخی اور ظرافت کوٹ کوٹ کر بھری تھی اور یہی شوخی بھرا انداز ان کی تحریر کا بھی نمایاں وصف بن گیا ہے۔بقول حالیؔ" وہ چیز جس نے ان کے خطوط کو ناول اور ڈرامہ کی طرح دلچسپ بنا دیا وہ شوخی تحریر ہے۔"ان کا شگفتہ انداز بیان ان خطوط کا سب سے اعلیٰ وصف ہے۔

غالبؔ کی ظرافت میں اکثر طنز کا پہلو بھی ہوتا ہے جو ان کی ظرافت کو بامعنی اور اس کے اثر کو دیرپا بنا دیتا ہے۔غالب کے خطوط ان کی زندگی اور ان کے عہد کے اہم دستاویز ہیں۔ان کی ذاتی زندگی،ان کے عادت و اطوار،اٹھنا بیٹھنا،کھانا پینا اور ان کے دیگر مشاغل کے ساتھ ساتھ زندگی کے تمام مسائل کی جھلک ان کے خطوط میں نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔یہی نہیں غدر اور مابعد غدر کے حالات پر ان کے خطوط کافی روشنی ڈالتے ہیں۔

اس طرح غالب کے خطوط میں بہت سی ایسی خوبیاں یکجا ہو گئیں ہیں جن کی وجہ سے یہ خطوط اردو نثر کے شاہکار بن گئے ہیں۔ عصری مسائل، پرسکون فلسفہ زندگی اور انداز تحریر کی شگفتگی نے انہیں حیات جاوید بخشی ہے۔

سوانح نگاری اور خودنوشت سوانح

سوانح نگاری غیر افسانوی نثر کی ایک ایسی صنف ہے جس کا تاریخ سے بڑا گہرا تعلق ہے۔ ایک زمانے تک تاریخ، تذکروں، سیرت کی کتابوں اور سوانح کو ایک ہی سمجھا جاتا رہا۔ یہاں تک کہ سوانح نگاری کے اصول وضوابط پر بھی تاریخ کا اثر غالب رہا۔ یوروپ میں عرصہ دراز تک سوانح اور تاریخ میں فرق نہیں کیا جا سکا۔ ۱۶۸۳ء میں ڈرائڈن نے سوانح نگاری کو ایک مستقل صنف ادب کی حیثیت سے روشناس کرایا اور اس کی تعریف بیان کرتے ہوءے کہا کہ" یہ کسی شخص کی زندگی کی تاریخ ہے"۔ اس تعریف سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سوانح حیات شخص واحد کی زندگی کی کہانی ہے جس میں اس کے جملہ حالات واقعات، اعمال اور باطنی شخصیت کا فنکارانہ اظہار ہوتا ہے۔

سوانح عمری تاریخ کی ایک شاخ ہوتی ہے۔ اس کا مقصد جہاں تک ہو سکے دیانت داری کے ساتھ کسی فرد کی زندگی کا بیان ہوتا ہے۔ سوانح نگار کا فرض یہ ہوتا ہے کہ وہ مورخ اور مصور دونوں حیثیتوں سے کام کرے، مصور کا فرض ہوتا ہے کہ کسی شخص کی ایسی شبیہہ تیار کرے جو نہ صرف اس سے ملتی جلتی ہو بلکہ فن کا نمونہ بھی ہو اور مورخ کا فرض ٹھیک ٹھیک باتیں بیان کرنا اور حقائق کو قابل فہم انداز سے ترتیب دینا ہے حقائق کی محض فہرست مرتب کر دینا جس میں فنکاری نہ ہو تاریخ ہے نہ سوانح عمری۔

خودنوشت سوانح اور سوانح عمری میں فرق

خودنوشت سوانح حیات (Autobiography) اور سوانح عمری (Biography) میں کسی شخص کے حالات زندگی تحریر کئے جاتے ہیں لیکن دونوں کے درمیان جو بنیادی فرق ہے وہ یہ ہے کہ سوانح عمری میں ایک فرد کی داستان حیات ہوتی ہے جبکہ خودنوشت سوانح حیات میں ایک انسان کی حیات کے ساتھ اس سے متعلق افراد کا تذکرہ سرسری انداز میں ہوتا ہے۔ دونوں ہی اصناف میں کسی شخص کی حیات سے متعلق معلومات فراہم ہوتی ہیں مگر فرق صرف اتنا ہے کہ سوانح نگاری میں اس بات کا دخل ہوتا ہے کہ کسی شخص واحد کو لوگ کیا سمجھتے ہیں، اس کے بارے میں کیا جانتے ہیں اور کیا جاننا چاہتے ہیں۔ سوانح نگار اپنے زاوئیہ نگاہ سے عوام کے سامنے اس شخص کو روبرو لا کھڑا کر دیتا ہے۔ جبکہ خودنوشت سوانح نگاری میں فرد واحد نہ صرف اپنے متعلق خود لکھتا ہے بلکہ اپنی ذات سے متعلق افراد کے حالات و کردار کے بارے میں اپنے زاوئیہ نگاہ سے لکھتا ہے اور اپنی شخصیت کو عوام کے سامنے مثالی کردار بنا کر پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

دوسری اصناف کی طرح سوانح عمری اور خودنوشت سوانح حیات بھی ادب کی اصناف ہیں۔ باضابطہ طور پر ان اصناف کے کوئی بندھے ٹکے اصول نہیں ہیں۔ مگر سچائی، شخصیت اور فن اس کے لئے ضروری ہیں۔ دیانت داری کے ساتھ شخصیت کا مکمل اظہار اور فنی محاسن کا لحاظ نہایت اہم ہیں۔ مواد کے سلسلے میں سوانح عمری کے لئے خودنوشت تحریریں، یادداشتیں، روزنامچے، خطوط اقوال اور ملفوظات اکثر اہم معلومات فراہم کرتے ہیں۔

خودنوشت سوانح

1947ء آزادی کی چھاؤں میں — بیگم انیس قدوائی

1949ء یادایام — نواب سعید احمد

1953ء نقش حیات — مولانا حسین احمد مدنی

1957ء ناقابل فراموش — دیوان سنگھ مفتون

1958ء شاد کی کہانی شاد کی زبانی — شاد عظیم آبادی

1958ء آشفتہ بیانی میری — رشید احمد صدیقی

1959ء حدیث خودی — جگر بریلوی

1964ء آپ بیتی — ظفر حسین بیگ

1964ء سحر ہونے تک — آغا جانی کشمیری

1965ء ایک طالب علم کی کہانی — عبدالغفور مدھولی

1965ء میری دنیا — ڈاکٹر اعجاز حسین

1966ء سرگزشت — عبدالمجید سالک

1967ء شاہراہ پاکستان — چودھری خلیق الزماں

1967ء یادوں کی دنیا — یوسف حسین خاں

1968ء مزدور سے منسٹر — عابد علی

1968ء لطیف کی کہانی — عبداللطیف بجنوری

1970ء یادوں کی بارات — جوش ملیح آبادی

1972ء بوئے گل نالۂ دل و چراغ محفل — شورش کاشمیری

سال	کتاب	مصنف
1974ء	مجھے کچھ کہنا ہے کچھ اپنی زبان میں	خواجہ غلام السیدین
1974ء	یادوں کے سائے	عتیق صدیقی
1975ء	اپنی تلاش میں	کلیم الدین احمد
1975ء	جہان دانش	احسان دانش
1977ء	زرگزشت	مشتاق احمد یوسفی
1978ء	آپ بیتی	عبدالماجد دریا آبادی
1981ء	مٹی کا دیا	مرزا ادیب
1983ء	یادوں کا جشن	کنور مہندر سنگھ بیدی
1984ء	سلسلۂ روز وشب	صالحہ عابد حسین
1987ء	حیات مستعار	جلیل قدوائی
1987ء	شہاب نامہ	قدرت اللہ شہاب
1988ء	درود مسعود	مسعود حسین خاں
1988ء	جواب دوست	نسیم انصاری
1989ء	داستان میری	ڈاکٹر اقبال حسین
1991ء	خواب باقی ہیں	آل احمد سرور
1992ء	آشرم	شکیل الرحمٰن
1993ء	دیدہ وشنید	شہاب الدین دسنوی
1993ء	گفتنی نا گفتنی	وامق جونپوری
1994ء	سیاحت ماضی	احمد حسین صدیقی

1995ء ہم سفر	حمیدہ اختر
1995ء جو رہی سو بے خبری رہی	ادا جعفری
1995ء گئو دھول	سید محمد عقیل
1996ء شام کی منڈیر سے	وزیر آغا
1996ء ڈگر سے ہٹ کر	سعیدہ بانو احمد
1996ء اس آباد خرابے میں	اختر الایمان
1997ء پتہ پتہ بوٹہ بوٹہ	رفعت سروش
1998ء جنت سے نکالی ہوئی حوّا	نفیس بانو شمع
1999ء جست بھر زندگی	اکبر حمیدی

ہم سوانح

شبلی نعمانی	مولانا روم
سر سید احمد خان	حیات جاوید
میر تقی میر	ذکر میر
الطاف حسین حالی	حیات سعدی، یادگار غالب، حیات جاوید
ابوالکلام آزاد	سوانح عمری آزاد

300 خزینہ اردو اکمل نعیم صدیقی

نظم

(غزل گوشعرا)

میر تقی میرؔ میر (۲۲/۳۲-۱۷۲۲ء-۱۸۱۰ء) اردو ادب کے عظیم شاعر ہیں۔ میر نے اپنے دل پر گزری ہوئی واردات سیدھے سادے اور عام بول چال کے الفاظ میں اپنی شاعری میں بیان کی اور اسی لئے کہا گیا کہ میرؔ نے آپ بیتی کو جگ بیتی بنا دیا۔ اسی لئے میرؔ کی شاعری کو قلبی واردات کی شاعری اور قنوطیت کی شاعری بھی کہا جاتا ہے۔

میرؔ کا نام محمد تقی تھا۔ ولادت آگرہ میں ۲۳-۱۷۲۲ء میں ہوئی تھی۔ ان کے دادا فوجی اور والد بڑے متقی شخص تھے اسی لئے علی متقی کہلاتے تھے۔ میر کی عمر گیارہ برس کی تھی کہ والد کا انتقال ہو گیا، چاچا کے انتقال کے بعد تو بالکل بے سہارا ہو گئے۔ روزی کی تلاش میں آگرہ سے دہلی آ گئے۔ صمصام الدولہ نے ایک روپیہ روز وظیفہ مقرر کر دیا مگر صمصام الدولہ کا بھی جلد انتقال ہو گیا لہٰذا وظیفہ بند ہو گیا۔ دہلی میں سوتیلے بھائی کے ماموں خان آرزوؔ کے یہاں پناہ لی۔ ان کی توجہ سے میر نے بہت کچھ سیکھا۔ سعادت امروہی کے کہنے پر شعر تو پہلے ہی کہنے لگے تھے آرزو کی توجہ سے وہ محمد تقی سے میر تقی میرؔ ہو گئے۔ مگر یہ سکون بھی عارضی ثابت ہوا اور ان کے سوتیلے بھائی نے آرزو کو ان کے خلاف بھڑکا دیا جس سے وہ ان سے خفا ہو گئے اور میرؔ کو یہ گھر بھی چھوڑنا پڑا یہ صدمہ اتنا شدید تھا کہ وہ اپنا دماغی توازن کھو بیٹھے۔ دیوانگی ٹھیک ہونے کے بعد میر رعایت خاں اور پھر امیر جاوید خاں کے ملازم ہوئے مگر احمد شاہ ابدالی نے جب دہلی کو اجاڑ دیا تو لکھنؤ آ گئے اور آصف الدولہ کے دربار میں ملازمت اختیار کی جو اخیر عمر تک جاری رہی۔ ۱۸۱۰ء میں میرؔ نے جہانِ فانی کو رخصت کہہ دیا۔

میرؔ کی زندگی کے درد ان کے کلام میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ یہی وہ درد ہے جس نے انہیں اور ان کی شاعری کو اتنا مقبول اور ہر دل عزیز بنا دیا کہ آج بھی یہ کلام دل کو تڑپا دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ میرؔ کی شاعری کی خاصیت اس کی سادگی اور سوز و گداز ہے۔ میر نے مرثیے اور مثنویاں بھی لکھی ہیں مگر ان کا اصل کارنامہ ان کی غزل ہے۔

خواجہ میر دردؔ خواجہ میر درد (۱۷۲۱ء۔۱۷۸۵ء) کے بزرگ اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں بخارا سے ہندوستان آئے تھے۔ ان کے والد مشہور صوفی اور شاعر تھے جن کا نام خواجہ محمد ناصر عندلیبؔ تھا۔ گھر کے علمی ماحول کی وجہ سے خواجہ میر نے اردو، فارسی، عربی پر قدرت حاصل کر لی اور مطالعہ کے شوق کی وجہ سے قرآن، حدیث، فقہ، تفسیر، تصوف کا گہرا مطالعہ کر لیا تھا۔ پندرہ برس کی عمر میں ایک رسالہ تصنیف کر چکے تھے۔ فنِ موسیقی میں بھی مہارت حاصل تھی۔

دردؔ ایک بلند پایہ صوفی تھے اور شاہ و امرا بھی ان کی محفل میں دوزانو بیٹھتے تھے۔ تصنیف و تالیف کے شوق کی وجہ سے ان کی متعدد تصانیف ہیں۔ ان کا دیوان مختصر ہے لیکن ہے سراپا انتخاب۔ الفاظ و تراکیب کا انتخاب وہ بہت غور و فکر کے بعد کرتے ہیں اور صحتِ زبان کا بہت خیال رکھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کے اشعار میں بڑی دلکشی پائی جاتی ہے۔ وہ چھوٹی بحروں کا انتخاب کرتے ہیں اور الفاظ کو سلیقے سے ترتیب دیتے ہیں کہ شعر میں صوتی حسن پیدا ہو جاتا ہے۔

دردؔ صوفی شاعر ہیں مگر ان کے دیوان میں حقیقت کے ساتھ ساتھ مجاز کے شعر بھی کثرت سے ملتے ہیں۔ وحدت الوجود اور وحدت الشہود ان کے پسندیدہ موضوعات ہیں۔ موسیقی میں مہارت کی وجہ سے ان کے کلام میں بھی موسیقیت اور ترنّم پایا جاتا ہے۔

حالیؔ الطاف حسین حالیؔ (1837ء۔1914ء) کی ولادت 1837ء میں پانی پت
میں ہوئی تھی۔ ابتدائی تعلیم یہیں حاصل کی۔ عربی فارسی کی تعلیم کے لئے دہلی آئے۔ یہاں
مرزا غالب کی خدمت میں باقاعدگی سے حاضر ہونے لگے۔ 1857ء کے بعد وہ نواب
مصطفیٰ خان شیفتہؔ سے وابستہ ہوگئے۔ آٹھ برس شیفتہؔ کی صحبت میں گزارے۔

شیفتہ کی وفات کے بعد مولانا حالیؔ لاہور چلے آئے اور پنجاب گورمنٹ بکڈ پو
میں ملازم ہوگئے۔ یہاں انہوں نے محمد حسین آزاد کے ساتھ ملکر ترقی پسند تحریک کے لئے
نئی نظموں کی بنیاد ڈالی۔ انہوں نے آزادؔ کے مشاعروں میں چار نظمیں پڑھیں۔ برکھا
رت، نشاطِ امید، مناظرہ رحم و انصاف، اور حبِّ وطن۔ صحت کی خرابی کے باعث آپ
واپس دہلی آ گئے۔ دہلی میں آپ کی ملاقات سرسید سے ہوئی اور آپ ان کے خیالات سے
بہت متاثر ہوئے۔ ان کی فرمائش پر آپ نے ایک طویل نظم "مدّوجزر اسلام" لکھی۔ اس
نظم میں آپ نے اسلام کے عروج و زوال کی داستان بیان کی ہے۔ سرسید اس نظم کو اپنی
نجات کا ذریعہ مانتے تھے۔

حالیؔ غالب کو اپنا استاد مانتے ہیں اور انہوں نے "یادگارِ غالب" لکھ کر اپنی
شاگردی کا حق بھی ادا کیا مگر ان کی شاعری پر غالب کی بجائے شیفتہؔ اور سرسید کا رنگ زیادہ
نمایاں دکھائی پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں سادگی پائی جاتی ہے اور مبالغہ
آرائی سے انہوں نے اسے پاک رکھا ہے۔

مولانا حالیؔ کی شاعرانہ حیثیت مسلم ہے۔ غزل اور نظم دونوں پر انہوں نے گہرا نقش
چھوڑا ہے۔ ان کی اصل خدمت یہ ہے کہ انہوں نے ایک نقاد کے طور پر "مقدمہ شعر و شاعری" لکھا اور
قصیدہ و غزل کی خامیوں کو واضح کیا۔ شاعری میں سادگی، حقیقت اور اصلیت پر زور دیا۔

مومنؔ غالب کے بعد مومن (۱۸۰۰ء۔ ۱۸۵۲ء) اپنے عہد کے بڑے شاعر ہیں
غزل کے فن کے ماہر اور اس میں بھی حسن و عشق کے موضوع تک محدود، مگر اس کے باوجود
ان انہوں نے غزل میں ایسے کمالات کا مظاہرہ کیا کہ اہل سخن ان پر آج بھی فریفتہ ہیں۔

محمد مومن خاں، حکیم غلام نبی خاں کے یہاں ۱۸۰۰ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کا نام شاہ عبدالعزیزؒ نے تجویز کیا تھا۔ آپ نے طب، ریاضی، نجوم، موسیقی اور شطرنج میں مہارت حاصل کی تھی۔ کچھ دنوں شاہ نصیرؔ سے کلام پر اصلاح لی۔ کبھی کسی دربار سے وابستہ نہیں ہوئے۔

ان کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے محدود دائرے میں جدّتیں پیدا کیں ہیں اور معاملاتِ عشق کی جزئیات کو ایسی خوب صورتی اور فن کاری کے ساتھ پیش کیا ہے کہ نہ کہیں پستی کا احساس ہوتا ہے نہ یکسانیت کا۔ انھیں تشبیہات اور استعارات کے برتنے کا بہت سلیقہ ہے، نازک خیالی اور مضمون آفرینی ان کے کلام کی خصوصیات میں شامل ہے۔ مومن نے بزرگانِ دین کی مدح میں اور مہاراجہ پٹیالہ رنجیت سنگھ کی مدح میں قصیدے بھی لکھے ہیں۔ مومنؔ نے مثنویاں بھی کہی ہیں جن میں زندگی کی حقیقتیں بیان کی گئی ہیں۔

شعری اصناف

غزل

غزل عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنیٰ ''عورتوں سے، عورتوں کی یا حسن و عشق کی باتیں کرنا ہے۔ غزل عربی ادب سے فارسی میں اور فارسی سے اردو میں آئی۔ رشید احمد صدّیقی نے غزل کو'' اردو شاعری کی آبرو '' کہا ہے۔ کلیم الدین احمد نے غزل کو '' نیم وحشی صنف '' کہا ہے۔

غزل کی ہیئت

۱۔ مطلع ۔ غزل کا پہلا شعر مطلع کہلاتا ہے جس کے دونوں مصرعے ہم قافیہ اور ہم ردیف ہوتے ہیں۔ اگر غزل کا دوسرا شعر بھی مطلع ہو تو اسے **حسنِ مطلع یا مطلعِ ثانی** کہتے ہیں۔

۲۔ مقطع ۔ غزل کا آخری شعر جس میں شاعر اپنا تخلّص استعمال کرتا ہے۔

۳۔ قافیہ ۔ شعر میں استعمال ہونے والے ہم آواز اور ہم وزن الفاظ جیسے اثر، نظر، شرر

۴۔ ردیف ۔ وہ الفاظ جو غزل کے پہلے شعر کے دونوں مصرعوں کے آخر میں اور باقی اشعار کے دوسرے مصرعے کے آخر میں آتے ہیں۔

جیسے۔ دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے
آخر اس درد کی دوا کیا ہے

یہاں ''کیا ہے'' ردیف اور ''ہوا''، ''دوا'' قافیہ ہے۔

۵۔ بحر ۔ شعر کا وزن کرنے یا اسے ناپنے کا پیمانہ بحر کہلاتا ہے۔

300 خزینہ اردو اکمل نعیم صدیقی

متفرقات : غزل کا سب سے عمدہ شعر بیت الغزل یا شاہِ بیت کہا جاتا ہے۔

غزل کا ہر شعر اپنے آپ میں مکمل اکائی ہوتا ہے۔

غزل میں کم سے کم ۱۵ اشعار اور زیادہ کی کوئی تعداد مقرّر نہیں کی گئ ہے۔

اردو کا پہلا صاحبِ دیوان شاعر قلی قطب شاہ ہے۔

شمالی ہند کا پہلا صاحبِ دیوان شاعر نواب صدرالدین محمد خاں فائز دہلوی ہیں

انشاؔ نے سب سے پہلے اردو شاعری میں انگریزی الفاظ کا استعمال کیا۔

میرؔ کی شاعری کو ''قلبی واردات کی شاعری''، داخلیت''، ''قنوطیت کی شاعری'' کہا جاتا ہے۔قنوطیت کے معنیٰ زندگی کا ماتم کرنا ہے۔

سوداؔ نے غزل میں خارجیت کی ابتداء کی۔ خارجیت کے معنیٰ باہری دنیا کی خوبصورتی یا بدصورتی بیان کرنا۔

دردؔ اردو کے پہلے صوفی شاعر ہیں۔

قصیدہ

قصیدہ کی ابتداء عرب سے ہوئی۔عرب سے ایران پہنچا۔فارسی شاعری نے اسے بلندی بخشی اور یہاں سے اردو میں آیا۔

موضوع : مدح و ستائش اور ہجو خاص ہیں۔مناظرِ قدرت، مذہبی خیالات، معاشی بدحالی، سیاسی انتشار، وغیرہ میں بھی طبع آزمائی کی جاسکتی ہے۔

قصیدہ کے اجزائے ترکیبی

۱۔ **تشبیب ۔** تمہید کے طور پر لکھے گئے اشعار جن کا مدح سے کوئی تعلّق نہیں ہوتا ہے۔اس میں مختلف موضوعات جیسے بہار، موسم، اپنے فن کی تعریف، حمد، نعت یا اپنے عہد کے کسی شاعر کا مذاق وغیرانظم کئے جاتے ہیں۔

۲۔ **گریز ۔** تشبیب اور مدح میں تعلّق پیدا کرنے کے لئے جو ایک یا زیادہ اشعار کہے جاتے ہیں انہیں گریز کہتے ہیں۔ان اشعار میں بے ساختگی اور برجستگی ہوتی ہے تا کہ یہ لگے کہ باتوں باتوں میں ممدوح کا ذکر آ گیا ہے۔

۳۔ **مدح ۔** ممدوح کی تعریف بیان کی جاتی ہے۔

۴۔ **دعا یا حسنِ طلب۔** ممدوح کی صحت اور اقبال کے لئے دعا مانگی جاتی ہے اور پھر اپنے لئے کچھ مانگا جاتا ہے۔

ذوقؔ کے سارے قصائد اکبر شاہ ثانی اور بہادر شاہ ظفر کی مدح میں لکھے ہیں۔

300 خزینہ اردو اکمل نعیم صدیقی

مرثیہ

مرثیہ اس نظم کو کہتے ہیں جو کسی کے مرنے پر لکھی جائے اور اس میں مرنے والے کے وصف اور خوبیاں بیان کی جائیں۔ اردو میں عام طور پر مرثیہ اس نظم کو کہا جاتا ہے جس میں کربلا کے اندوہ ناک واقعات بیان کئے جاتے ہیں اور حضرت امام حسین اور ان کے ساتھیوں کی شہادت کا ماتم کیا جاتا ہے۔

مرثیہ کی کوئی ایک فارم مقرّر نہیں ہے۔ سوداؔ سے قبل مرثیہ مخمس، ترجیع بند، غزل وغیرہ کی شکل میں لکھے جاتے تھے۔ بعض ادبی مورخین کا خیال ہے کہ مرثیہ کو مسدس کی شکل پہلی بار سوداؔ نے دی۔ بعد کو مرثیہ کی یہی فارم سب سے زیادہ مقبول ہوئی۔

اجزائے ترکیبی : میر ضمیرؔ نے مرثیہ کے اجزائے ترکیبی متعین کئے جو درج ذیل ہیں۔

۱۔ **چہرا** ۔ مرثیہ کا پہلا جز ہے جس میں صبح کا منظر، رات کا سماں، دنیا کی بے ثباتی، سفر کی دشواریاں، حمد و نعت منقبت یا اپنی شاعری کی تعریف بیان کی جاتی ہے۔

۲۔ **سراپا** ۔ مرثیہ کے کردار کی قد و قامت اور لباس وغیرہ کا بیان کیا جاتا ہے۔

۳۔ **رخصت** ۔ کرداروں کا امام حسین سے جنگ کی رخصت لینا اور میدانِ جنگ میں جانے کے لئے عزیزوں سے رخصت لینا۔

۴۔ **آمد** ۔ کردار کا گھوڑے پر سوار ہو کر شان و شوکت کے ساتھ رزم گاہ میں آنا۔ آمد کے سلسلے میں کردار کے گھوڑے، ساز و سامان اور ہتھیاروں کا بیان کیا جاتا ہے۔

۵۔ **رجز** ۔ جنگ سے پہلے کردار کی زبان سے اسکے نسب کی تعریف، اصلاف کے کارناموں کا بیان اور فنِ جنگ میں اس کی مہارت کا بیان کیا جاتا ہے۔

۶۔ **جنگ** ۔ کردار کا مخالف فوج کے کسی نامور فوجی سے مقابلہ یا دشمن کی فوج سے بڑی بہادری سے لڑنے کا بیان کیا جاتا ہے۔

۷۔ **شہادت** ۔ کردار کا دشمن کے ہاتھوں زخمی ہو کر شہید ہونے کا بیان۔

۸۔ **بین** ۔ کردار کی لاش پر اس کے عزیزوں بالخصوص عورتوں کا رونا اور ان کا ماتم کرنا بیان کیا جاتا ہے۔

متفرقات

۔ اردو مرثیہ کا آغاز دکن میں پندرہویں صدی کے نصف آخر میں ہوا۔ ابتدائی مرثیے ۵، ۷ اشعار کے ہوتے تھے۔ محمد قلی قطب شاہ اور ملاّ وجہی کے اسی قسم کے مرثیے ملتے ہیں۔

۔ میرؔ اور سوداؔ نے اس فن کو بلندیاں عطا کیں۔

۔ لکھنؤ میں میر خلیقؔ پہلے شاعر ہیں جنہوں نے صرف مرثیہ گوئی میں کمال حاصل کیا۔ یہ میر حسن کے صاحبزادے تھے۔

۔ میر مظفر حسین ضمیرؔ، جو مصحفیؔ کے شاگرد تھے، نے مرثیہ کے اجزائے ترکیبی متعین کئے۔

۔ میر حسنؔ کے پوتے اور میر خلیقؔ کے بیٹے میر ببر علی انیسؔ نے اس صنف کو بلندیوں تک پہنچایا۔

۔ مرزا دبیرؔ دہلی میں پیدا ہوئے اور مرثیہ کے عظیم شاعر مانے جاتے ہیں۔

شخصی مرثیے

۱۔ غالب نے دو مرثیے لکھے پہلا زین العابدین خاں عارفؔ کی وفات پر اور دوسرا اپنی کسی محبوبہ کی وفات پر۔ ۲۔ مومنؔ نے اپنی محبوبہ کی وفات پر۔

۳۔ حالی نے غالبؔ کی وفات پر ۴۔ اقبال نے داغؔ کی وفات پر۔

علم بلاغت

تشبیہ

کسی چیز یا شخص کو، کسی دوسری چیز یا شخص کے مشابہ (ہم شکل) قرار دینا، تشبیہ کہلاتا ہے۔
اس میں مشبہ، مشبہ بہ، حرفِ تشبیہ اور وجہ تشبیہ پائی جاتی ہیں۔ مثال ملاحظہ ہو۔

نازکی ان کے لب کی کیا کہئے
پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

مندرجہ بالا شعر میں معشوق کے لب کو گلاب کی پنکھڑی سے تشبیہ دی گئی ہے۔
یہاں مشبہ (جس چیز کو تشبیہ دی جائے) لب ہیں۔ مشبہ بہ (جس چیز سے تشبیہ دی جائے) گلاب کی پنکھڑی ہے۔ **حرفِ تشبیہ** (مشبہ اور مشبہ بہ میں رابطہ قائم کرنے والے حروف) کی سی ہیں اور **وجہ تشبیہ** (مشبہ بہ کا وہ وصف جس کی وجہ سے تشبیہ دی جا رہی ہے) گلاب کی سی نزاکت وخوبصورتی وغیرہ ہے۔

ہستی اپنی حباب کی سی ہے
یہ نمائش سراب کی سی ہے

مندرجہ بالا شعر میں شاعر نے انسان کی زندگی کو حباب یعنی بلبلے سے تشبیح دی ہے۔

زندگی جبر ہے اور جبر کے آثار نہیں
ہائے اس قید کو زنجیر بھی درکار نہیں

شاعر کے مطابق زندگی ایک ایسی قید ہے جس کے لئے کسی زنجیر کی ضرورت نہیں ہے اور اس وجہ ہر انسان قید میں تو ہے مگر وہ قیدی نظر نہیں آتا ہے۔

میر ان نیم باز آنکھوں میں

ساری مستی شراب کی سی ہے

میر نے اپنے معشوق کی مستی بھری ادھ کھلی آنکھوں کو شراب سے تشبیہ دی ہے۔

خیالِ گیسوئے جاناں کی وسعتیں نہ پوچھ

کہ جیسے پھیلتا جاتا ہے شام کا سایہ

شاعر کہتا ہے کہ اس کے معشوق کے گیسوؤں کا خیال اتنا وسیع ہے جتنا کہ شام کا سایا ہوتا ہے کہ دھیرے دھیرے پھیلتا ہوا یہ ساری دنیا کو اپنی چپیٹ میں لے لیتا ہے۔

دنیا بھی عجب سرائے فانی دیکھی

ہر چیز یہاں کی آنی جانی دیکھی

اس دور میں زندگی بشر کی

بیمار کی رات ہوگئی ہے

مندرجہ بالا اشعار میں دنیا کو سرائے فانی اور زندگی کو بیمار کی رات سے تشبیح دی گئی ہے۔

انھی گلرنگ دریچوں سے سحر جھانکے گی ٹک میر جگر سوختہ کی جلد خبر لے

کیوں نہ کھلتے ہوئے زخموں کو دعا دی جائے کیا بھروسہ ہے چراغِ سحری کا

ان اشعار میں شاعر زخموں کو گلرنگ دریچوں (رنگین کھڑکیاں) اور میر خود کو چراغ سحری (صبح کا چراغ جو کہ اب بجھنے والا ہے) سے تشبیح دیتے ہیں۔

اردو شاعری میں تشبیحات کا استعمال بہت کثرت سے کیا جاتا ہے اس کی کچھ مثالیں اور ان کی وضاحت ہم نے آپ کے سامنے پیش کر دی ہے۔

استعارہ

استعارہ،مستعار سے بنا ہے جس کے معنی 'ادھار لینے' کے ہیں۔علمِ بیان کی اصتلاح میں لفظ کو اسکے اصلی معنی کے بجائے اس کے تشبیہی معنی میں استعمال کرنا استعارہ کہلاتا ہے۔جیسے بہادر کے لئے شیر،خوش کلام کے لئے بلبل اور معشوق کے لئے گل وغیرہ۔

استعارہ میں مشبہ،یعنی جس شخص کی تشبیہ دی جارہی ہے اور حروفِ تشبیہ کا فقدان ہوتا ہے۔

بلبلِ ہند مر گیا ہیہات

جس کی ہر بات میں تھی اک بات

مندرجہ بالا شعر میں مشبہ اور حروفِ تشبیہ نہیں ہے لہٰذا یہ استعارہ ہے نہ کہ تشبیح۔

چھوٹے سے چاند میں ہے ظلمت بھی روشنی بھی

نکلا کبھی گہن سے آیا کبھی گہن میں

اب بھاگتے ہیں سایۂ عشقِ بتاں سے ہم

کچھ دل سے ہیں ڈرے ہوئے کچھ آسماں سے ہم

مندجہ بالا شعر میں محبوب کو عشقِ بتاں کہہ کر استعارہ پیدا کیا گیا ہے۔شعر میں کہیں بھی مشبہ اور حرفِ تشبیہ نہیں ہے۔

برق کو ابر کے دامن میں چھپا رکھا ہے

ہم نے اس شوخ کو مجبورِ حیا دیکھا ہے

شاعر نے اپنے معشوق کی آنکھوں کے جلوے کو برق اور پلکوں کو ابر سے تعبیر کیا ہے مگر کہیں بھی مشبہ یعنی آنکھوں اور پلکوں کا ذکر نہیں کیا ہے اور حرف تشبیہ کا بھی فقدان ہے۔

ایہام

شعر میں ایسے الفاظ کا استعمال جس کے دو معنی ہوں، ایک قریب کے اور دوسرے دور کے، مگر شعر میں دور کے معنی اخذ کئے جائیں۔

بستے ہیں ترے سائے میں سب شیخ و برہمن
آباد تجھی سے تو ہے گھر دیر و حرم کا

یہاں لفظ سایا کے دو معنی ہیں ایک چھاؤں اور دوسرا حمایت۔ شعر میں دور کا معنی یعنی حمایت کا استعمال کیا جائے گا۔ اسے صنعت ایہام کہتے ہیں۔

اس کے رخسار دیکھ جیتا ہوں
عارضی میری زندگانی ہے

لفظ عارضی کے دو معنی ہیں ایک ہے کاغذی یعنی کاغذ کا بنا ہوا اور دوسرا 'تھوڑے وقت کی' یعنی قلیل مدت والی۔ شعر میں زندگی کے لئے دوسرا معنی یعنی تھوڑے وقت کی زندگی اخذ کیا جائے گا۔

ہم سے پوچھو کہ غزل کیا ہے، غزل کا فن کیا
چند لفظوں میں کوئی آگ چھپا دی جائے

مندرجہ بالا شعر میں لفظ آگ کا استعمال کیا گیا ہے۔ آگ کے ایک معنی آگ یا آتش ہی ہوتے ہیں مگر دوسرے معنی آتشی خیال بھی ہوتا ہے۔ شعر میں یہ دوسرا معنی یعنی آتشی خیال ہی لیا جائے گا۔ یعنی شاعر کہتا ہے کہ غزل وہ فن ہے جس میں بہت قلیل الفاظ میں ایک بڑے، اہم اور آتشی خیال کو پیش کیا جاتا ہے۔

تضاد

جب شعر میں متضاد الفاظ کا استعمال کیا جائے تو اسے تضاد کہتے ہیں۔مندرجہ ذیل اشعار اس کی وضاحت کے لئے پیش کئے جاتے ہیں۔

خود رفتگیِ شب کا مزہ بھولتا نہیں
آئے ہیں آج آپ میں یارب کہاں سے ہم

اس شعر کے دونوں مصرعوں میں متضاد الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے جیسے پہلے مصرعے میں لفظ خودرفتگی (مدہوشی) اور دوسرے میں اس کی ضد،آپ میں آنا (ہوش میں آنا) استعمال کیا گیا ہے لہٰذا اس شعر میں صنعت تضاد ہے۔

جنگل میں ہوئی ہے شام ہم کو
بستی سے چلے تھے منھ اندھیرے

مندرجہ بالا شعر میں لفظ شام اور اس کی ضد منھ اندھیرے کا استعمال اس میں صنعت تضاد کی دلیل ہے۔

کر رہا تھا غمِ جہاں کا حساب
آج تم بے حساب یاد آئے

مندرجہ بالا شعر میں لفظ حساب اور بے حساب ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

سوزِ غم سے نہ ہو جو مالا مال
دل کو سچّی خوشی نہیں ملتی

مندرجہ بالا شعر میں غم اور خوشی متضاد الفاظ ہیں جو صنعت تضاد کی دلیل ہیں۔

مبالغہ

کسی بات کو حد سے زیادہ بڑھا چڑھا کر بیان کرنا یعنی ایسی بات کہنا جو ممکن نا ہو، مبالغہ کہلاتا ہے۔اس کی مثالیں ملاخطہ ہوں۔

اک دن شبِ فراق میں، رویا میں اس قدر
چوتھے فلک پہ پہنچا تھا پانی کمر کمر

اس شعر میں شاعر کہتا ہے کہ، وہ جدائی کی رات میں اس قدر رویا کہ اس کے آنسوؤں کی وجہ سے چوتھے آسمان پر بھی کمر کی اونچائی تک پانی بھر گیا تھا۔ظاہر ہے یہ ایک نہایت مبالغہ آمیز بات ہے جو کہ ممکن نہیں ہے۔

گودی میں کھیلتی ہیں جسکی ہزاروں ندیاں
گلشن ہے جسکے دم سے رشکِ جناں ہمارا

مندرجہ بالا شعر میں شاعر کہہ رہا ہے کہ میرا وطن ہندوستان ایک ایسا گلشن ہے جس میں ہزاروں ندیاں بہتی ہیں اور اس کی خوبصورتی اور دلکشی ایسی ہے کہ کہ جنتیں بھی اس پر رشک کرتی ہیں۔ظاہر ہے کہ یہ ایک مبالغہ آمیز بات ہے کیوں کہ جنت تو سب سے اعلیٰ مقام ہے اور جنت سے زیادہ خوب صورت کچھ نہیں ہوسکتا۔

آتش گل سے پڑے چھالے ہمارے ہاتھوں میں

اس مصرعہ میں شاعر کہتا ہے کہ وہ اتنا نازک ہے کہ گل یعنی پھول کو چھو لینے سے پھول کی آتش یعنی پھول کی حرارت سے اس کے ہاتھ جھلس گئے اور ان میں چھالے پڑ گئے۔شاعر کا مقصد یہ بتانا ہے کہ وہ پھول سے بھی کہیں زیادہ نازک ہے۔

حسنِ تعلیل

تعلیل کے لفظی معنی علّت یعنی وجہ بیان کرنے کے ہیں۔اس صنعت میں شاعر کسی بات کا وہ سبب بیان کرتا ہے جو حقیقت میں اس کا سبب نہیں ہوتا ہے اس لئے اسے حسن تعلیل کہتے ہیں۔

خدا جانے صبا ہر روز کیا پیغام لاتی ہے
کہ پہروں کانپتے رہتے ہیں تنکے آشیانوں کے

شاعر تنکوں کے ہلنے (کانپنے) کا سبب یہ بیان کرتا ہے کہ ہوا کے کسی پیغام کی وجہ سے ،ڈر کے مارے تنکے کانپنے لگتے ہیں جبکہ ہوا چلنے پر تنکوں کا ہلنا ایک قدرتی عمل ہے۔

پیاسی جو تھی سپاہِ خواتین رات سے
ساحل سے سر پٹکتی تھیں موجیں فرات کی

شاعر کہتا ہے دریائے فرات کی موجیں ساحل سے سر ٹکرا ٹکرا کر خواتین سپاہیوں کی پیاس کا ماتم کر رہی ہیں۔ظاہر ہے موجوں کے اٹھنے کا یہ سبب یا علت نہیں ہے۔

ہو رہا ہے ہائے میرا ماتمِ تشنہ لبی
رو رہا ہے خود بہ خود شیشے سے مل کر جام بھی

شیشہ یعنی بوتل سے شراب نکل کر جام میں جو گر رہی ہے دراصل وہ شیشے کے آنسوں ہیں جو میری پیاس کا افسوس کر رہے ہیں۔

زیرِ زمیں سے آتا ہے جو گل سو زر بکف
قاروں نے راستے میں لٹایا خزانہ کیا

زمین سے نکلنے والا ہر پھول اس طرح سنہرا اور سجا دھجا باہر آتا ہے مانو اس زمین کے نیچے قارون کا خزانہ پڑا ہے جو اس نے اس راستے میں لٹایا تھا۔

تلمیح

جب شعر میں کسی مشہور واقعہ، قصہ یا مذہبی روایت کی طرف اشارہ کیا گیا ہو تو اسے صنعت تلمیح کہتے ہیں۔ مثالیں درج ذیل ہیں۔

ابنِ مریم ہوا کرے کوئی
میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

شاعر کہتا ہے کہ کوئی تو ابن مریم یعنی عیسیٰ ؑ کی طرح آئے اور میرے غموں اور تکلیفوں سے مجھے نجات دلائے۔ کیونکہ اس شعر میں نبی کا ذکر کیا گیا ہے لہٰذا تلمیح کی مثال ہے۔

کیا وہ نمرود کی خدائی تھی
بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا

اس شعر میں نمرود کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس نے خدائی کا دعوہ کیا تھا۔

جب تک کہ نہ دیکھا تھا قدِ یار کا عالم
میں معتقدِ فتنۂ محشر نہ ہوا تھا

شاعر، شعر میں معشوق کے قد کو دیکھ کر محشر یاد آ جانے کی بات کہتا ہے کیونکہ محشر کا عقیدہ ایک مذہبی عقیدہ ہے لہٰذا اسے تلمیح کی مثال مانا جائے گا۔ مندرجہ ذیل اشعار کے مطالعہ سے یہ بات اور آسانی سے سمجھ میں آ جائے گی۔

نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے تھے لیکن
بڑے بے آبرو ہو کر تیرے کوچہ سے ہم نکلے

آگ ہے، اولادِ ابراہیم ہے، نمرود ہے　　دل میں خیالِ حسنِ محبوب، روز رشب ہے
کیا کسی کو، پھر کسی کا، امتحاں مقصود ہے　　اترا ہوا ہے یوسف، مہماں، سرائے تن میں

300 خزینہ اردو اکمل نعیم صدیقی

تاریخ ادب اردو

شمالی ہند میں نثر کا ارتقاء

شمالی ہند میں اردو نثر کے ارتقا کو ذیل میں بتدریج پیش کیا گیا ہے۔

(۱) اورنگ زیب اور بہادر شاہ ظفر کے زمانے میں میر جعفر زٹلی نے فارسی اور اردو کی ملی جلی زبان میں مزاحیہ شعر، جملے اور فقرے کہے۔

(۲) ۱۷۳۱ء میں فضل علی فضلیؔ کی کتاب ''کربل کتھا'' جو فارسی کتاب ''روضۃ الشہداء'' از ملاّ حسین واعظ کاشفی کی بنیاد پر لکھی گئی تھی شمالی ہند کی پہلی نثری کتاب ہے۔

(۳) شاہ ولی اللہ کے بیٹوں رفیع الدین اور عبدالقادر کے قلم سے ۱۷۸۶ء اور ۱۷۹۰ء میں قرآن کے دو ترجمے وجود میں آئے جو اردو زبان میں تھے۔

(۴) ۱۸ویں صدی میں میر حسین عطا تحسینؔ نے امیر خسرو کے ''قصّہ چہار درویش'' کا ترجمہ ''نوطرز مرصع'' کے نام سے ۱۷۸۵ء میں کیا۔ اسکی زبان مقفیٰ ہے۔

(۵) ۴ مئی ۱۸۰۰ء کو کلکتّہ کے فورٹ ولیم قلعے میں ''فورٹ ولیم کالج'' قائم کیا گیا۔ لارڈ ویلزلی نے اسکے معاملات میں دلچسپی لی اور اس میں کئی شعبے قائم کئے۔ اسکے پہلے پرنسپل ڈیوڈ براؤن اور ہندوستانی زبان کے شعبے کے صدر جان گلکرسٹ مقرر ہوئے۔ یہاں ایک بڑا کتب خانہ اور پریس قائم کیا گیا جہاں نستعلیق ٹائپ سے کتابیں چھاپی جاتی تھیں۔

اس ادارے کا قیام دراصل ہندوستان میں بولی جارہی اس وقت کی سب سے اہم زبان اردو کی تعلیم اپنے انگریز افسروں کو دلانے کی غرض سے کیا گیا تھا۔ کسی زبان کی تدریس کے لئے اس زبان میں تدریسی کتب کا ہونا لازمی ہے اس لئے اردو زبان کی

تدریس کے مقصد کے حصول کے لئے اردو زبان میں کتابیں درکار تھیں اس لئے کالج نے ملک بھر سے اہل قلم کو جمع کیا جو کتب لکھ سکیں یا فارسی کتب کا اردو میں ترجمہ کر سکیں۔ اس طرح جانے انجانے میں انگریزوں نے فورٹ ولیم کالج کے ذریعہ اردو کی نشونماء میں اہم رول ادا کیا۔

فورٹ ولیم کالج کے قلمکاروں اور انکی تصانیف کی فہرست درج ذیل ہے۔

۱۔ میر امّن : دہلی ۱۷۴۸ء ۔ کلکتہ ۱۸٦۰ء، باغ و بہار ترجمہ ''قصہّ چہار درویش'' ،گنج خوبی ترجمہ ''اخلاق محسنی'' از ملاّ حسین واعظ کاشفی

۲۔ میر شیر علی افسوسؔ : ۱۷۴٦ء۔۱۸۰۹ء، باغ اردو (گلستان سعدی کا ترجمہ)، خلاصۃ التواریخ

۳۔ حیدر بخش حیدرؔی : دہلی (۱۷٦۸ء ۔ ۱۸۲۳ء) بنارس، سب سے زیادہ کتابوں کے مصنف اور مترجم۔ آرائش محفل (واعظ حسین کاشفی کی فارسی کتاب '' روضۃ الشہداء کا خلاصہ ہے)، قصّہ مہر و ماہ، لیلیٰ مجنوں، ہفت پیکر، تاریخ نادری، گلشن ہند، توتا کہانی، گل مغفرت

۴۔ کاظم علی جوانؔ : لکھنؤ ۱۸۸۴ء ۔۱۹۵٦ء لکھنؤ، شکنتلا (کالیداس کی شکنتلا کا برج بھاشا سے اردو میں ترجمہ)، بارہ ماسہ یا دستور ہند، تاریخ فرشتہ کے بہمنی خاندان کے ذکر کا اردو ترجمہ

۵۔ میرزا علی لطف : تذکرہ گلشن ہند

٦۔ للوّ لال جی : میر کاظم علی جوانؔ کی مدد سے سنگھاسن بتّیسی لکھی۔

۷۔ میر بہادر علی حسینی : اخلاق ہندی (سنسکرت کی اخلاقی کہانیوں کے فارسی ترجمے 'مفرح القلوب' کا ترجمہ، اسی قصّہ کی بنیاد پر مثنوی سحر البیان لکھی گئی)، نثر بے نظیر (قصّہ گل بکاؤلی)، تاریخ آسام

۸۔ بینی نرائن جہاںؔ : دیوان جہاں (۱۲۵ شاعروں کے مختصر حالات اور نمونہ کلام)، داستان چار گلشن

۹۔ نہال چند لاہوری : دہلی، مذہب عشق (عزمت اللہ نے ہندی قصہ گل بکاؤلی کا فارسی ترجمہ کیا

جسے نہال چند نے اردو میں ترجمہ کیا۔اسی کو نسیمؔ نے گلزار نسیم میں نظم کیا۔)

خزینہ اردو ﴿300﴾ اکمل نعیم صدیقی

گلکرسٹ نے کالج میں قصّہ خواں بھی مقرر کئے جو نو واردوں انگریزوں کو آسان زبان میں قصّے سنا کر اردو کا ذوق پیدا کرتے تھے۔ ۱۸۵۴ء میں کالج کو فضول سمجھ کر بند کر دیا گیا۔

(٦) فورٹ ولیم کالج کے باہر ۱۹ویں صدی کی اہم تصنیفات۔

۱۔ محمد بخش مہجورؔ — لکھنوٴ، نورتن، گلشن نو بہار (داستانیں)

۲۔ حقیقتؔ — جذبہ عشق

۳۔ تشنہؔ — ہفت سیّاح

۴۔ انشااللہ خان انشاؔء — رانی کیتکی، کنور اودے بھان کی کہانی (اس کتاب میں عربی، فارسی الفاظ کا استعمال نہیں کیا گیا ہے)، دریائے لطافت (فارسی زبان میں جا بجا اردو نثر کے نمونے ہیں) سلک گہر (ایک مختصر کہانی، کتاب میں بغیر نقطہ والے حروف کا ہی استعمال کیا گیا ہے)

۵۔ مولوی اسماعیل — تقویت الایمان

٦۔ ولیم ٹیلر اور ولیم مور — انگریزی اردو لغت (۱۸۰۸ء)

۷۔ جان شیکسپئر — لغت (۱۸۱۲ء)

۸۔ گلیڈون — لغت (۱۸۰۹ء)

300 خزینہ اردو اکمل نعیم صدیقی

(۷) دلّی کالج

دلّی کالج کا قیام ۱۸۲۵ء میں دلّی میں کیا گیا۔ اس کالج میں انگریزی کی تعلیم دی جاتی تھی ساتھ ہی ریاضی، جغرافیہ اور سائنس کی تعلیم اردو زبان میں دی جاتی تھی۔ اس کالج سے بھی اردو کو فروغ ملا۔ کالج کے قیام کے ساتھ اس بات کا احساس ہوا کہ طلبہ کے لئے مختلف کتابوں کا اردو میں ترجمہ کیا جائے چنانچہ کالج پرنسپل ڈاکٹر اسپرنگر کی نگرانی میں ایک سوسائٹی قائم کی گئی جسکا نام ورناکلر ٹرانسلیشن سوسائٹی رکھا گیا جو ۱۸۵۷ء تک قائم رہی۔

(۸) ورناکلر ٹرانسلیشن سوسائٹی۔ اس سوسائٹی کے تحت رامائن، مہابھارت، دھرم شاستر، لیلاوتی، شکنتلا کے تراجم کئے گئے۔ سوداؔ، میرؔ، دردؔ، جراتؔ کے دیوان شائع کئے گئے۔ یونان، روم اور ایران وغیرہ کی تاریخ وجغرافیہ اور ریاضی وسائنس کی کتب تصنیف کی گئیں۔

(۹) ۱۹ویں صدی کا آغاز

(دکن۔ شمالی ہند۔ فورٹ ولیم کالج۔ دلّی کالج۔ ورناکلر سوسائٹی۔ اردو سرکاری زبان)

۱۹ویں صدی کے آغاز میں اردو ملک بھر میں پھیل چکی تھی۔ ہر قسم کے مضامین کا ذخیرہ اس میں موجود تھا۔ فورٹ ولیم کے چھاپے خانے میں لوہے کے حروف سے چھپائی ہوتی تھی مگر اب ''لیتھو چھپائی'' وجود میں آ چکی تھی۔ اس قسم کی چھپائی سے طباعت کا کام آسان اور تیز ہو گیا۔ اب اخبار چھاپنا بھی ممکن ہو گیا۔ ۱۸۳۰ء میں کانپور میں لیتھو پریس قائم ہوا۔ ۱۸۳۷ء میں دہلی میں لیتھو پریس قائم ہوا۔ اسکے بعد لکھنؤ میں پریس قائم ہوا۔

۱۹ویں صدی کے آغاز کے مصنّفین

۱۔فقیر محمد خاں گویاؔ : ۱۸۰۵ءء۔ ۱۸۴۹ءء ،دبستان حکمت (انوار سہیلی کا اردو ترجمہ)

۲۔ مرزا رجب علی سرورؔ : لکھنؤ ۱۷۸۶ءء ۔بنارس ۱۸۶۹ءء، فسانہ عجائب (۱۸۲۴ءء، یہ داستان اور ناول کے بیچ کی کڑی ہے) سرور سلطانی (۱۸۴۷ءء)،شرر عشق (۱۸۵۴ءء چڑیوں کی داستان محبت ہے) شگوفہ محبت،گلزار سرور (اخلاق و تصوّف)،شبستان سرور (الف لیلہ کی کہانیوں کا ترجمہ)،انشاء سرور (خطوط کا مجموعہ)

۳۔مرزا غالب : خطوط (جدید نثر اوّلین نمونے)

۴۔ غلام امام شہیدؔ : امیٹھی ۱۸۰۶ءء۔۱۸۷۶ءء، انشاء بہار بے خزاں

۵۔ غلام غوث بے خبرؔ : نیپال ۱۸۲۴ءء ۔ ۱۹۰۵ءء،خونابہ جگر،رشک لعل و گہر،فغان بے خبر (مجموعہ خطوط)،انشاء بے خبر

(۱۰) اردو نثر کا عہد زرّیں

۱۹ویں صدی

۱۹ویں صدی تک ملک پر فرنگیوں کا مکمل قبضہ ہو چکا تھا۔ہمارے بزرگ نقادوں نے انگریزی ادب کا موازنہ اردو ادب سے کیا تو پایا کہ نثر کا مقفیٰ اور مصنوعی انداز اور نظم میں صرف حسن و عشق کے قصّے ہی اردو ادب کا سرمایہ ہیں تو انہوں نے محسوس کیا کہ ان حالات اور اس روش کو اب بدلنے کا وقت آ گیا ہے۔اس دور میں سر سید احمد خاں، حالی، ڈپٹی نظیر احمد خاں،محمد حسین آزاد اور شبلی نعمانی جیسے قابل مصنفین نے اس کام کا بیڑا اٹھایا اور اسے کر کے دکھایا۔اس دور کے مصنفین اور ان کی تصنیفات و خصوصیات درج ذیل ہے

۱۔سرسید احمد خاں : دہلی ۱۸۱۷ء ۔علی گڑھ ۱۸۹۸ء، سادہ نثر کے موجد اور حامی
ان کی تصانیف میں آثار الصنادید، تاریخ سرکشی بجنور، لائل محمڈنز آف انڈیا، خطبات احمدیا
(لائف آف محمد کا جواب)اور رسالہ تہذیب الاخلاق قابل ذکر ہیں۔
انھوں نے محمڈن اینگلو اورینٹل کالج جو علی گڑھ یونیورسٹی بنا، مسلم ایجوکیشنل کانفرنس اور
سائنٹفک سوسائٹی کی بنیاد رکھی۔

۲۔ محمد حسین آزاد : دہلی ۱۸۳۱ء ۔ ۱۹۱۰ء لاہور
جدید نظم کے بانی، تنقید کے بانی، شبلی نے ان کے بارے میں کہا ' آزاد گپ بھی ہانک دیں
تو وحی لگے' آپ کی نمائندہ تصانیف میں آب حیات (اردو شاعری کی تاریخ بیان کی اور اسے ادوار
میں بانٹا، شاعروں کے حالات زندگی اور نمونہ کلام پیش کیا) سچ اور جھوٹ کا رزم نامہ، دربار اکبری (اکبر
کے زمانے کی تاریخ) سخندان فارس (فارسی اور سنسکرت کی بنیاد ایک ہی ہے یہ بات ثابت کی) قصص
ہند (بچوں کے لئے تاریخ ہند کی کہانیاں) شامل ہیں۔

۳۔ الطاف حسین حالی : پانی پت ۱۸۳۷ء ۔ لاہور ۱۹۱۴ء
سوانح نگاری کے بانی، تنقید نگار، شاعر، نثر نگار، غالب کے شاگرد
آپ کی تصانیف میں مجالس النساء (عورتوں کی تعلیم سے متعلق ناول) حیات سعدی (سوانح ۔
۱۸۸۲ء)، یادگار غالب، حیات جاوید (سرسید کی سوانح) مقدمہ شعر و شاعری (اسکے بارے میں
آل احمد سرور نے کہا '' یہ اردو شاعری کا پہلا مینی فیسٹو ہے) اہم ہیں۔

۴۔ ڈپٹی نذیر احمد : بجنور ۱۸۳۶ء ۔ دہلی ۱۹۱۲ء
اردو کے پہلے ناول نگار، انھوں نے کلام پاک کا باقاعدہ اردو ترجمہ کیا۔ مراۃ العروس (۱۸۶۹ء)
پہلا ناول تھا اس کے انھوں نے اور ناول لکھے جن کے نام ہیں۔ توبتہ النصوح، بنات النعش،

فسانہ مبتلا، ابن الوقت، رویائے صادقہ وغیرہ۔ان کی خلاق سے متعلق کتب بھی ہیں جن میں الحقوق ولفرائض، امہات الامہ، موعظہ حسنہ اہم ہیں انھوں نے انڈین پینل کوڈ کا اردو ترجمہ ''تعزیرات ہند'' اور ''قانون شہادت'' کے نام سے کیا۔

۵۔علّامہ شبلی نعمانی : اعظم گڑھ ۱۸۵۷ء۔ اعظم گڑھ ۱۹۱۴ء

دارالمصنفین کے بانی (اعظم گڑھ)

خطابات۔شمس العلماء، تغمہ مجیدی (ترکی سلطان نے دیا)

تصانیف۔ المامون، الفاروق، علم الکلام، سیرۃ النبی، شعرالعجم، موازنہ انیس ودبیر

۶۔ذکاءاللہ : دہلی ۱۸۳۲ء۔ دہلی ۱۹۱۰ء، شمس العلماء کا خطاب ملا۔

تصانیف۔ تاریخ ہندوستان (۱۰ جلد)

۷۔ سیداحمد دہلوی : دہلی ۱۸۵۴ء۔ دہلی ۱۹۱۸ء

تصانیف۔ رسوم دہلی، طفلی نامہ، ہادی النساء، فرہنگ آصفیہ

۸۔ سیدمہدی علی : اٹاوہ ۱۸۱۷ء۔شملہ ۱۹۰۷ء،

خطابات۔محسن الملک، محسن الدولہ، منیرنازجنگ۔آپ سرسید کے دست راز کہلاتے ہیں۔

سرسید تحریک یا علی گڑھ تحریک

سرسید ۱۸۱۷ء میں پیدا ہوئے اور ۱۸۹۷ء میں دنیا سے رخصت ہوئے۔ان کا دور وہ دور تھا جب ملک میں ایک نئی حکومت کے ساتھ ساتھ نئے افکار ونظریات، طرزِ معاشرت اور تہذیب وتمدن میں بھی غیر معمولی تبدیلیاں رونما ہورہی تھیں۔۱۸۵۷ء کی ناکام بغاوت کے بعد انگریزوں کی حقارت، نفرت میں تبدیل ہوگئی اور انہوں نے تمام

ہندوستانیوں پر خصوصاً مسلمانوں پر ظلم وتشدد کے پہاڑ توڑنے شروع کر دیئے۔ اس کا رد عمل یہ ہوا کہ ہندوستانیوں کو انگریز قوم اوران سے جڑی ہر چیز سے دلی نفرت ہو گئی۔

سر سید کی حساس طبیعت اور تیز دماغ نے حالات کو سدھارنے کا ایک طریقہ معلوم کر لیا۔ وہ یہ تھا کہ دونوں اقوام کے مابین باہمی غلط فہمیوں کی خلیج کو دور کر اتحاد اور سلوک قائم کیا جائے۔ اس سے دو فائدے ہونگے، ایک آپسی نفرت اور بغض کی وجہ سے ہندوستانی جن انگریزی مظالم کا شکار تھے ان سے بچ جائیں گے، اور دوسرا یہ کہ انگریز اپنے ساتھ جو تہذیب وتمدن اور علم وہنر کی توانائی لائے تھے اس سے ہندوستانی مستفید ہو سکیں۔ چنانچہ ان دو فوائد کے مدِ نظر انہوں نے نہایت مستقل مزاجی اور ذمہ داری سے اپنی تحریک چلائی۔ اس کی شروعات انہوں نے ''اسباب بغاوت ہند'' لکھ کر کی۔ اس میں انہوں نے بتایا کہ بغاوت کی وجہ، ہندوستانیوں کی چند غلط فہمیاں اور انگریزوں کی کچھ کوتاہ اندیشیاں تھیں۔ سر سید حریت پسند نہ تھے ان کا خیال تھا کہ ہندوستانیوں میں آزادی حاصل کرنے اور اسے برقرار رکھنے کی سکت نہیں ہے کیونکہ ان میں اتفاق کی بجائے انتشار زیادہ پایا جاتا ہے۔ اس لئے ان کا بھلا اسی میں ہے کہ وہ خوش دلی سے انگریزی اقتدار کو تسلیم کر لیں اور انگریزوں کی تمدنی توانائیاں اپنے اندر زیادہ سے زیادہ جذب کر لیں۔

انگلستان سے لوٹ کر آپ نے رسالہ ''تہذیب الاخلاق'' جاری کیا جو انگریزی رسالوں ٹٹلر اور اسپکٹٹر کی طرز پر تھا اور جس کا مقصد ہندوستانیوں میں تعلیمی وتہذیبی بیداری پیدا کرنا اوران کے نظریات وافکار میں وسعت پیدا کرنا تھا۔ ۱۸۷۵ء میں، علی گڑھ میں، مدرستہ العلوم کے نام سے ایک تعلیمی ادارے کی بنیاد رکھی۔ جس کا باقاعدہ سنگ بنیاد ۱۸۷۷ء میں رکھا گیا جو آج عالمی شہرت یافتہ علی گڑھ یونی ورسٹی کی شکل میں سب کے

سامنے ہے۔ سر سید ہندوستانی مسلمانوں میں اجتماعیت پیدا کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے بہت سی انجمنیں اور سوسائیٹیاں قائم کیں جیسے علی گڑھ سوسائٹی، سائنٹفک سوسائٹی، مسلم ایجوکیشنل کانفرنس وغیرہ۔

جس تحریک کی بنیاد سر سید نے رکھی تھی اس کی روایت کو ان کے رفقاء اور دیگر وابستگان تحریک نے قائم رکھا۔ ابتدائی رفقاء میں محسن الملک، چراغ علی، نواب وقار الملک، حالی، شبلی، نذیر احمد اور مولوی ذکاء اللہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

حالی کا شمار علی گڑھ تحریک کے ان ادباء میں ہوتا ہے جنھوں نے اردو ادب کو مختلف جہتوں سے متاثر کیا۔ سوانح نگاری، مضمون نگاری اور شاعری پر ایک گہری چھاپ چھوڑی۔ انہوں نے ''مسدس حالی'' لکھ کر قوم کو بیدار کرنے کی کوشش کی۔ ''یادگارِ غالب'' اور حیات سعدی'' لکھ کر سوانح نگاری کو نئی شاہراہ بخشی اور ''مقدمہ شعر و شاعری'' لکھ کر جدید شعر و ادب کو نئی تنقیدی اساس مہیا کی۔

شبلی بیک وقت شاعر، ادیب، عالم، مفکر، سوانح نگار سب کچھ تھے۔ وہ خود روشنی کے ایک مینار کی مانند تھے۔ انہوں نے شعر العجم، سیرت النبی، الفاروق جیسے کارنامے انجام دئے۔

مولوی نذیر احمد جو اس حلقہ میں سب سے بعد میں آئے، نے اپنی تقریروں کے ذریعہ اصلاح قوم کے فرائض انجام دئے۔ قرآن کی تفسیر لکھی، توبتہ النصوح اور ابن الوقت جیسے ناول لکھ کر نہ صرف معاشرے کی اصلاح کی کوشش کی بلکہ اردو ادب میں ناول نگاری کے لئے بھی راہ ہموار کی۔

مولوی ذکاء اللہ نے علی گڑھ تحریک کا پیغام بچوں تک پہونچانے کے لئے درسی کتب تصنیف کیں۔ ان کا شمار کثیر التصانیف ادیبوں میں ہوتا ہے۔ تاریخ ہند، تاریخ عہدِ

انگلسیہ، سوانح ملکہ وکٹوری اور کرزن نامہ ان کی مشہور تصانیف ہیں۔

سرسید تحریک یا علی گڑھ تحریک کا دوسرا دور ان لوگوں سے شروع ہوتا ہے جو براہ راست سرسید سے فیض یاب تو نہیں ہوئے تھے مگر سرسید کے شاگردوں کے ہاتھوں تربیت پائی تھی۔ ان ادیبوں نے اس روایت کو آگے بڑھانے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ان میں خواجہ غلام الثقلین، مولوی عبدالحق، مولوی عزیز مرزا اور عنایت اللہ دہلوی قابل ذکر ہیں۔

مولوی عبدالحق نے تحقیق وتنقید کے ذریعہ اردو ادب کی بہت خدمت کی ہے۔ انھوں نے بہت سی کتابوں کو اپنی تنقید و تحقیق کی بدولت گمنامی سے نکال کر علمی دنیا سے روشناس کرایا مثلاً سب رس، ریاض الفصحار، نکات الشعراء، معراج العاشقین، ذکر میر، نصرتی وغیرہ۔

علی گڑھ تحریک کا کارواں یہاں بھی نہیں رکا بلکہ جدید دور میں حسرت موہانی، محمد علی جوہر، ظفر علی خاں، حبیب الرحمٰن خاں شیروانی، عبدالماجد دریابادی اور طفیل احمد منگلوری وغیرہ نے اسے آگے بڑھایا۔ خواجہ غلام السیدین، خواجہ منظور حسین، ڈاکٹر ذاکر حسین اور پروفیسر مجیب وغیرہ نے تعلیم کے میدان میں گرانقدر خدمات انجام دیں اور علی گڑھ تحریک کو اسلوب حیات بنا دیا۔ رشید احمد صدیقی نے طنز و مزاح کی روایت میں اسے زندہ رکھا، جن کی علی گڑھ سے والہانہ شیفتگی جگ ظاہر ہے۔

اس تحریک کے اثرات، آنے والی تمام تحریکوں پر بھی پڑے۔ ترقی پسند تحریک کو فکری قیادت وابستگانِ علی گڑھ سے ہی ملی۔ غرضیکہ بیسویں صدی میں جتنی بھی ادبی تحریکیں پیدا ہوئیں ان سب کا سرچشمہ علی گڑھ تحریک کا ادبی زاویہ ہی تھا۔ علی گڑھ تحریک کی شکل میں سرسید نے جو خیالات وافکار پیش کئے تھے وہ مختلف شکلوں میں آج بھی علم وادب کے کارواں کو سرگرم رکھے ہوئے ہیں۔

علی گڑھ یا سرسید تحریک کے اہم ادیب اور ان کی تصانیف

۱۔**سرسید احمد خاں** دہلی ۱۸۱۷ء ۔علی گڑھ ۱۸۹۸ء، سادہ نثر کے موجد اور حامی آثار الصنادید، تاریخ سرکشی بجنور، لائل محمڈنز آف انڈیا، خطبات احمدیا (لائف آف محمد کا جواب) رسالہ تہذیب الاخلاق محمڈن اینگلو اورینٹل کالج جو علیگڑھ یونیورسٹی بنا، مسلم ایجوکیشنل کانفرنس، سائنٹفک سوسائٹی

۲۔ **محمد حسین آزاد** دہلی ۱۸۳۱ء ۔ ۱۹۱۰ء لاہور جدید نظم کے بانی، تنقید کے بانی، شبلی نے ان کے بارے میں کہا 'آزاد گپ بھی ہانک دیں تو وحی لگے' آب حیات (اردو شاعری کی تاریخ بیان کی اور اسے ادوار میں بانٹا، شاعروں کے حالات زندگی اور نمونہ کلام پیش کیا) سچ اور جھوٹ کا رزم نامہ، دربار اکبری (اکبر کے زمانے کی تاریخ) سخندان فارس (فارسی اور سنسکرت کی بنیاد ایک ہی ہے یہ بات ثابت کی) قصص ہند (بچوں کے لئے تاریخ ہند کی کہانیاں)

۳۔ **الطاف حسین حالی** پانی بت ۱۸۳۷ء ۔ لاہور ۱۹۱۴ء سوانح نگاری کے بانی، تنقید نگار، شاعر، نثر نگار، غالب کے شاگرد مجالس النساء (عورتوں کی تعلیم سے متعلق ناول) حیات سعدی (سوانح ۔ ۱۸۸۲ء)، یادگار غالب، حیات جاوید (سرسید کی سوانح) مقدمہ شعر و شاعری، اسکے بارے میں آل احمد سرور نے کہا ''یہ اردو شاعری کا پہلا مینی فیسٹو ہے''

۴۔**ڈپٹی نذیر احمد** بجنور ۱۸۳۶ء ۔ دہلی ۱۹۱۲ء اردو کے پہلے ناول نگار، مراۃ العروس (۱۸۶۹ء) پہلا ناول، کلام پاک کا باقاعدہ اردو ترجمہ توبۃ النصوح، بنات النعش، فسانہ مبتلا، ابن الوقت، رویائے صادقہ اخلاق سے متعلق کتب۔ الحقوق ولفرائض، امہات الامہ، موعظہ حسنہ انڈین پینل کوڈ کا اردو ترجمہ ''تعزیرات ہند'' اور ''قانون شہادت'' کے نام سے کیا۔

۵۔ **علّامہ شبلی نعمانی** اعظم گڑھ ۱۸۵۷ء۔ اعظم گڑھ ۱۹۱۴ء دارالمصنفین کے بانی (اعظم گڑھ) خطابات - شمس العلماء، تغمہ مجیدی (ترکی سلطان نے دیا) المامون، الفاروق، علم الکلام، سیرۃ النبی، شعرالعجم، موازنہ انیس ودبیر،

۶۔ **ذکاءاللہ** دہلی ۱۸۳۲ء۔ دہلی ۱۹۱۰ء تاریخ ہندوستان (۱۰ جلد)، شمس العلماء

۷۔ **سید احمد دہلوی** دہلی ۱۸۵۴ء۔ دہلی ۱۹۱۸ء رسوم دہلی، طفلی نامہ، ہادی النساء، فرہنگ آصفیہ

۸۔ **سید مہدی علی محسن الملک** اٹاوہ ۱۸۱۷ء۔ شملہ ۱۹۰۷ء

ترقی پسند تحریک

اردو ادب کو زندگی سے قریب تر کرنے اور اسے خیالی اور بناوٹی دنیا سے نکال کر عام زندگی کی حقیقتوں سے آشنا کرنے میں علی گڑھ تحریک نے اہم کردار ادا کیا تھا۔ ترقی پسند تحریک نے اسی روایت کو دو قدم آگے بڑھایا۔ بہت سے نقاد اسی لئے اسے علی گڑھ تحریک کی توسیع بھی مانتے ہیں۔ ۱۹۰۵ء میں انقلاب روس اور ہٹلر کے فاسزم کے خلاف ابھرنے والی تحریکوں نے جہاں دنیا بھر کے بیدار ذہنوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا وہیں یوروپ کی یونی ورسٹیوں کے طلبا کو بھی سوچنے پر مجبور کر دیا۔ اسی دور میں ہندوستان میں بھی برطانوی حکومت کے ظلم وستم کی وجہ سے ملک بھر کے نوجوانوں میں بے اطمینانی اور بے چینی پھلی ہوئی تھی۔ دنیا بھر میں پھیلے اس انتشار، جبر واستعداد اور دبے کچلے لوگوں کے استحصال کے ماحول سے متاثر ہو کر انگلینڈ میں کچھ ادیبوں، جیسے سجاد ظہیر، ملک راج آنند، ڈاکٹر جیوتی

گھوش، پرمود سین گپتا اور ڈاکٹر محمد دین تاثیر شامل تھے، نے ہندوستانی ترقی پسند ادیبوں کی ایک انجمن قائم کی اور اس کے باقاعدہ جلسے منعقد کئے جانے لگے۔ ۱۹۳۵ء میں پیرس میں منعقدہ ادیبوں کی کانفرس میں بھی سجاد ظہیر اور ملک راج آنند نے ہندوستانی ادیبوں کی نمائندگی کی تھی۔ ترقی پسند مصنفین کی اس انجمن نے ترقی پسند مصنفین کی رہنمائی کے لئے اپنے مقاصد کو ایک طویل اعلان کے ذریعہ شائع کیا۔

لندن میں اس تحریک کی کامیابی نے سجاد ظہیر کو ہندوستان میں بھی ترقی پسند انجمن کے قیام کا حوصلہ دیا۔ لہٰذا انہوں نے انگلستان سے ہندوستان لوٹ کر، ہندوستانی شاعروں اور ادیبوں کو اس تحریک سے روشناس کروایا۔ ان کی کوششوں سے ۱۹۳۶ء میں ایک باقاعدہ انجمن کا قیام عمل میں آیا اور لکھنؤ میں اس کا پہلا اجلاس ہوا جس کی صدارت پریم چند نے کی۔ خطبۂ صدارت میں اس بات پر زور دیا گیا کہ ہندوستانی ادیبوں کا فرض ہے کہ وہ ہندوستانی زندگی میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کا ادب میں اظہار کریں اور ادب میں سائنسی عقلیت پسندی کو فروغ دیتے ہوئے ترقی پسند تحریک کو مستحکم کریں، ان کا فرض ہے کہ وہ اس قسم کے اندازِ تحقیق کو رواج دیں جن سے خاندان، مذہب، جنس، رنگ اور سماج کے بارے میں رجعت پسندی اور ماضی پرستی کے خیالات کی روک تھام کی جا سکے۔ ان کا فرض ہے کہ وہ فرقہ پرستی، نسلی تعصب اور انسانی استحصال کی حمایت کرنے والے ادبی رجحانات کی نشوونما کو روکیں، ہم ادب کو عوام کے قریب لا کر اسے زندگی کی عکاسی اور مستقبل کی تعمیر کا موثر ذریعہ بنانا چاہتے ہیں۔

اس تحریک کی کامیابی کی وجہ یہ بھی تھی کہ تحریک کو ہندوستان میں پہلے سے تیار کی گئی نرم زمین دستیاب ہوئی تھی۔ دراصل ''انگارے''، پریم چند کے ''کفن''، پروفیسر مجیب

کے مجموعے ''کیمیا گر''، احمد علی کے افسانوں اور اختر حسین رائے پوری کے مضمون ''ادب اور زندگی'' نے اس تحریک کے لئے پہلے ہی زمین ہموار کردی تھی۔ لہٰذا ملک بھر میں تحریک کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا اور ادیبوں نے گرم جوشی سے اس تحریک کی مذیرائی کی۔

ترقی پسند تحریک اور اردو نثر

پریم چند نے سب سے پہلے اردو افسانے کو زندگی کی حقیقتوں سے روشناس کرایا اور اسے قومی جذبات، ذہنی کشمکش اور سماجی تبدیلیوں کا ترجمان بنایا۔

ترقی پسند افسانہ نگاروں میں سب سے معتبر نام **کرشن چندر** کا ہے۔ کرشن چندر نے اپنے عہد کی عکاسی کی ہے۔ سماج کے ستائے ہوئے طبقات کی زندگی اور ان کے مسائل کو اپنے افسانوں میں پیش کیا ہے۔ ''انگارے''، زندگی کے موڑ''، ''ٹوٹے ہوئے تارے''، ''ان داتا''، ''تین غنڈے''، ''اجنتا سے آگے'' وغیرہ ان کے قابل ذکر افسانوی مجموعے ہیں۔

راجندر سنگھ بیدی بھی اس تحریک کے صفِ اول کے افسانہ نگار ہیں۔ انہوں نے انسانی تکالیف، پریشانیوں اور محرومیوں کو اپنے مخصوص انداز میں اپنے افسانوں میں پیش کیا ہے جو قاری کے دل میں غم اور کسک کی لہریں پیدا کرتے ہیں۔

حیات اللہ انصاری، سہیل عظیم آبادی، احمد نسیم قاسمی، خواجہ احمد عباس وغیرہ نے عام لوگوں کی زندگی کو اپنا موضوع بنایا۔ ان کی زبان سادہ اور لب ولہجہ کا خلوص نہایت متاثر کن ہے۔

سعادت حسن منٹو نے عیش وعشرت کے ماحول میں پلے بڑھے نوجوانوں، طوائفوں، مظلوم عورتوں اور سماج کے پسماندہ، غریب طبقات کے لوگوں کی زندگیوں کی

عکاسی اپنے افسانوں کے ذریعہ کی ہے مگر ان کی حقیقت نگاری فحاشی اور عریانیت کی حدوں میں داخل ہوگئی ہے۔ اسی روایت کی اگلی کڑی میں عصمت چغتائی کا نام بھی قابل ذکر ہے۔ عصمت اپنے جنس زدہ اور شوخ لہجے میں مسلمان گھرانوں کی اخلاقی، معاشی اور ذہنی زندگی کی پرتیں نمایاں کرتیں نظر آتی ہیں۔ ان افسانہ نگاروں کے علاوہ اوپیندر ناتھ اشک، عابد سہیل، ہاجرہ مسرور، ممتاز مفتی، خدیجہ مستور، قرۃ العین حیدر اور انتظار حسین کے نام بھی قابل ذکر ہیں۔

ترقی پسند تحریک اور اردو شاعری

ترقی پسند تحریک نے اردو شاعری کو بھی متاثر کیا مگر اس تحریک کے وجود میں آنے سے قبل ہی ترقی پسندانہ رجحانات شاعری میں عام ہو چکے تھے۔ آزاد، حالی، اقبال، چکبست وغیرہ نے شاعری کو زندگی کے مسائل سے آشنا کر دیا تھا۔ شعرا کی کوششوں سے مواد اور ہیت میں تبدیلیاں رونما ہو چکی تھیں۔ لہٰذا اگر یہ کہا جائے کہ ان شعرا کی روایت کی توسیع ترقی پسند شاعری سے ہوئی تو بے جا نہ ہوگا۔ ترقی پسند شعرا نے غزل اور نظم دونوں کو زندگی کے ابھرتے ہوئے تقاضوں کا ترجمان اور عکاس بنایا۔ جن ترقی پسند شعرا نے غزل کو وقار اور درجہ اعتبار بخشا ان میں جذبی، مجروح، فراق، فیض، تاباں، جاں نثار اور خلیل الرحمٰن اعظمی قابل ذکر ہیں۔ ان شعرا نے روایتی لفظیات وتشبیہات و استعارات کو نئی معنویت عطا کی جس سے غزل اپنے عہد کی حقیقتوں کا استعارہ بن گئی۔

ترقی پسند تحریک کا پہلا حدف غزل تھی لیکن اس تحریک کے ایک معتبر علمبردار فیض نے اس کو اپنے خیالات اور افکار کے اظہار کا ذریعہ بنا کر اس اعتراض کو رد کیا۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ شعر کی مجموعی قدر میں جمالیاتی ذوق اور سماجی افادیت دونوں شامل ہیں۔ اس لئے ان کے

مطابق ایک اچھا شعر وہ ہے جو فن کے معیار پر ہی نہیں زندگی کے معیار پر بھی پورا اترے۔

ترقی پسند تحریک اور اردو نظم

ترقی پسند تحریک کے زیر اثر نظم کی ہیت اور مواد دونوں میں کافی تبدیلیاں رو نماں ہوئیں۔ ہیت کے اعتبار سے معرّیٰ نظم اور نثری نظم تجربہ میں آئیں۔ مواد کے اعتبار سے یہ تبدیلی آئی کہ اب نظم حقیقی زندگی کے دکھ درد، تکالیف، معاشی و سیاسی مسائل، مختلف فکری رجحانات اور انقلابی موضوعات کو بھی پیش کرنے کا ذریعہ بن گئی۔ جوش، مجاز، مخدوم، فیض اور علی سردار جعفری اس نئی نظم کے علمبر دار بنے۔

علی سردار جعفری اس تحریک کے بڑے شدت پسند علمبرادر ہیں۔ ان کے کلام میں انقلاب اور اشتراکیت کے عناصر بہت نمایاں ہیں۔ ان کی نظم ''نئی دنیا کو سلام'' ان کی صحیح نمائندگی کرتی ہے۔ ن م راشد نے نظم کی ہیت اور تکنیک میں تبدیلی کے بہت سے تجربات کئے۔

اس میں شبہ نہیں کہ ترقی پسند تحریک نے تجربے کی نئی راہیں دکھائیں اور اردو شاعری کے قدیم رسمی اسلوب، موضوع اور تکنیک کو تبدیل کیا۔ مگر ایک مخصوص سیاسی نظریہ کی اشاعت و تبلیغ، اخلاقی قدروں کی پامالی، جنسی رجحانات کی بے اعتدالی نے ۱۹۴۷ء تک آتے آتے اس کی تحریک کو تقریباً ختم کر دیا۔

300 خزینہ اردو اکمل نعیم صدیقی

ترقی پسند تحریک اور اردو تنقید

ترقی پسند تحریک سے قبل اردو تنقید حالؔی اور شبلؔی کی تنقیدی کاوشوں سے قطع نظر تاثراتی اور فصاحت و بلاغت اور نکتہ آفرینیوں تک محدود تھی کیونکہ اس سے پہلے ادب کا مقصد اسی حد تک محدود تھا۔ مگر ترقی پسند تحریک نے ادب کو نئے موضوعات اور نئی ہیتوں سے وابستہ کیا اور اسے نئے مقاصد عطا کئے تو اب یہ ضروری تھا کہ تنقید کے زاویوں میں بھی تبدیلی آنی چاہئے۔ اس تحریک نے ذوق و وجدان کے بجائے سماجی شعور، نفسیاتی تجزیئے اور زندگی سے ادب کے رشتے کو اپنی تنقید کا رہنما اصول بنایا۔ ابتدائی ترقی پسند نقادوں میں اختر حسین رائے پوری (ادب اور زندگی)، ڈاکٹر عبدالعلیم اور سجاد ظہیر (روشنائی) کا نام آتا ہے۔ ان نقادوں نے ترقی پسند تنقید کو فکری اساس بخشنے اور تنقید کے مارکسی نظریات کی تشریح و تفہیم کا فریضہ انجام دیا۔

مجنوں گورکھپوری، جمالیاتی اور تاثراتی نقاد کی حیثیت سے منظر عام پر آئے تو آل احمد سرور نے سائنسی نقطۂ نظر کی تنقید کو اپنایا۔ سید احتشام حسین نے مارکسی رجحانات کے تحت نظریاتی تنقید کے اصول مرتب کرنے کی جدوجہد کی۔ عملی اور نظری تنقید کے نمونے پیش کرنے والے دیگر قابل ذکر ناقدین میں، عزیز احمد، ممتاز حسین، وقار عظیم، اختر اورینوی اور ڈاکٹر خلیل الرحمٰن شامل ہیں۔

ترقی پسند تحریک کی وہ ہماہمی فی الحال متحرک نظر نہیں آتی، لیکن یہ ایک ایسا فطری رجحان یا نظریہ ہے جو بظاہر نظر آئے یا نہ آئے ہمیشہ ادب میں کارفرما رہا ہے اور رہے گا۔

PART 3 TEACHING METHODS OF URDU SUBJECT

I زبان کی مہارتیں

کسی بھی زبان کی تدریس کے ۴ بنیادی مقاصد ہیں ۔(۱) بولنا (۲) پڑھنا (۳)لکھنا(۴) سمجھنا

ان مقاصد میں بولنا اور لکھنا سکھانے کی اہمیت ''عملی'' ہے جبکہ پڑھنے اور سمجھنے کی اہمیت ''نظری'' ہے۔زبان کی تدریس میں بولنے کی اہمیت اول اور لکھنے کی اہمیت دوئم درجہ کی ہے۔اردو زبان کے پڑھنا اور لکھنا سکھانے کے متعدد طریقے ہیں ۔ان کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

(الف) اردو پڑھنا سکھانے کے طریقے

اردو پڑھنا سکھانے کے متعدد طریقے ہیں مگر سب طریقے بنیادی طور پر دو میں سے ایک طرح کے ہونگے یعنی یا تو وہ ترکیبی طریقہ ہوگا یا تحلیلی طریقہ۔

(الف) ترکیبی طریقہ

اس طریقہ میں ''جز سے کل'' کی طرف بڑھتے ہوئے پڑھایا جاتا ہے۔جز کے معنی حصّہ یا ٹکڑے کے ہوتے ہیں۔اس طریقہ میں سب سے پہلے سب سے چھوٹی یونٹ یعنی حروف تہجی ترتیب سے لکھنا اور پڑھنا سکھائے جاتے ہیں اس کے بعد حروف کی بناوٹ اور اس کی مختلف شکلیں بتائی جاتی ہیں۔اعراب کی مشق کروائی جاتی ہے۔حروف اور اعراب سکھانے کے بعد دوحرفی ، سہ حرفی اور چہار حرفی الفاظ سکھائے جاتے ہیں ۔ الفاظ

سے جملے اور جملوں سے اقتباس لکھنے کی مشق کروائی جاتی ہے۔حروف تہجی کا طریقہ اور صوتی طریقہ اسکی مثالیں ہیں۔ یہ طریقہ بڑا قدیم طریقہ ہے مگر بچوں کی نفسیات کے برعکس ہے کیونکہ اس کا سارا دارومدار رٹوانے کی کوشش پر ہوتا ہے۔

(ب) تحلیلی طریقہ

یہ طریقہ ترکیبی طریقہ کا الٹ ہے اس میں ’’کل سے جز‘‘ کی طرف بڑھتے ہوئے سکھایا جاتا ہے۔اس طریقہ میں سب سے پہلے جملہ، جملہ سے کلمہ،کلمہ سے لفظ اور لفظ سے حرف کی پہچان اور مشق کروائی جاتی ہے۔لفظ واری، جملہ واری یا قصّہ واری طریقہ اس کی مثالیں ہیں۔اس طریقہ میں بچوں کو سیدھے حروف اور الفاظ نہیں سکھائے جاتے ہیں بلکہ انہیں کوئی کہانی یا واقعہ یا کوئی اقتباس پڑھا کر جملوں اور جملوں کے اجزا بتائے جاتے ہیں اس کے بعد ان اجزا سے لفظوں کی طرف لایا جاتا ہے پھر الفاظ کے حروف کو پڑھا کر ان کا صحیح تلفظ کروایا جاتا ہے۔ یہ فطری اور دلچسپ طریقہ ہے۔ بچے حروف، الفاظ اور جملوں سے روشناس ہوتے ہیں۔ان میں بولنے، سننے اور پڑھنے کی مہارت پیدا ہوتی ہے۔ یہ طریقہ بچوں کی نفسیات کے مطابق ہے۔اس طریقہ کی خامی یہ ہے کہ بچوں کو حروف لکھنے میں دشواری پیش آتی ہے۔

ترکیبی طریقے

(ا) حروف تہجی کا طریقہ : یہ سب سے قدیم طریقہ ہے جسے ہجے کا طریقہ بھی کہتے ہیں کیونکہ اس میں ہجے کے ذریعہ پڑھنے کی مشق کروائی جاتی ہے۔اس طریقہ میں سب

سے پہلے حروف کی آوازیں اور شکلیں ذہن نشین کروائی جاتی ہیں پھر اعراب کی مشق کروائی جاتی ہے۔ حروف کی ملواں شکلوں کی مشق کے بعد دو حرفی، سہ حرفی اور پھر چار حرفی الفاظ کی مشق کروائی جاتی ہے۔ الفاظ کے بعد جملے اور پھر اقتباس کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ اس طریقہ سے طالب علموں میں حروف شناسی بڑی مضبوط ہو جاتی ہے مگر استاد کا ڈر، غیر نفسیاتی اور بوجھل طریقہ ہونا اور رٹنے کی عادت کی نشونما اس کی بڑی کمزوریاں ہیں۔

(۲) صوتی طریقہ : اسے طریقہ الصوت بھی کہتے ہیں۔ یہ طریقہ حروف کے نام کی بنیاد کے بجائے اس کی آواز کی بنیاد پر منحصر ہے۔ اس طریقہ میں طلبہ کو آوازوں کی مشق کروائی جاتی ہے۔ اس طریقہ میں پہلے آوازوں کے مقررہ نشانات دکھا کر پڑھائے جاتے ہیں۔ اس طرح سے آواز کے ساتھ حروف شناسی بھی آسانی سے ہو جاتی ہے اور تلفظ بھی صحیح ہو جاتا ہے۔ یہ فطری طریقہ ہے اور حروف تہجی کے طریقے کے مقابلے اس میں بچوں کی دماغی کثرت بہت حد تک کم ہے۔ اس طریقہ میں حروف کی مناسبت کے اعتبار سے تصاویر کا استعمال بھی کیا جاتا ہے جنہیں دیکھ کر طلبا حروف کی پہچان با آسانی کر لیتے ہیں جیسے الف کی آواز کے لئے انار کی تصویر کا استعمال۔

اس طریقہ میں کچھ کمیاں بھی ہیں مثلاً اعراب کے بنا لکھے گئے الفاظ کو پڑھنے میں دقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بعض ایسے الفاظ ہیں جن کا تلفظ سے میل نہیں ہوتا جو بچوں کو پریشانی میں ڈال دیتے ہیں مثلاً موسیٰ، خوشی، کون، فوراً وغیرہ یہ تمام الفاظ واؤ معروف، مجہول، یائے معروف، مجہول، واؤ معدولہ، کھڑا زبر، الف مقصورہ اور تنوین کے ہیں۔ اس کے علاوہ ہم آواز حروف بھی صوتی طریقہ میں بچوں کے لئے دشواری پیدا کرتے ہیں۔

300 خزینہ اردو اکمل نعیم صدیقی

تحلیلی تریقے

(۱) لفظ واری طریقہ : اس طریقہ تدریس میں الفاظ کو بنیاد بنا کر تدریس کروائی جاتی ہے۔ اس کے لئے کسی ایک لفظ کو لیا جاتا ہے۔ اس لفظ کی بناوٹ اور اس کے تلفظ کی مشق کروائی جاتی ہے۔ لفظ میں شامل حروف کی پہچان کروائی جاتی ہے اور ان حروف کی مدد سے دوسرے الفاظ بنوائے جاتے ہیں۔ پڑھائے جانے والے الفاظ کی تصاویر یا فلیش کارڈ کا استعمال بھی کیا جاتا ہے۔

مثلاً سندر

س+ن+د+ر

درسن

د+ر+س+ن

اس طریقہ میں شروع سے ہی سمجھنے سمجھانے پر زور دیا جاتا ہے۔ رٹنے کی عادت کم ہوتی ہے۔ لفظ کے ہجے کی مشق نہیں ہونے سے تلفظ اور اعراب کی غلطیوں کے امکان رہتے ہیں۔ لفظوں کی شناخت کمزور رہتی ہے۔

(۲) جملہ واری طریقہ : ماہرین تعلیم کے مطابق عبارت میں جملہ کی بہت اہمیت ہوتی ہے کیونکہ جملے سے ہی صحیح اور مکمل بات معلوم ہوتی ہے اور جملہ ہی عام بول چال کی بنیاد ہے لہٰذا جملہ کے ذریعہ تدریس کی جانی چاہئے۔ اس طریقہ میں عام بول چال کا ایک جملہ منتخب کر کے تختہ سیاہ پر لکھا جاتا ہے پھر اس جملے سے الفاظ اور الفاظ سے حروف کی پہچان کروائی جاتی ہے۔ اس طریقہ جملوں کی بناوٹ اور ان کو صحیح پڑھنے کی طرف توجہ دلائی جاتی

ہے۔ جملوں سے متعلق تصاویر کی مدد بھی لی جاتی ہے۔ تصاویر کی مدد سے طلبا سے نئے نئے جملے بھی بنوائے جاتے ہیں۔ اس طریقہ میں کسی قاعدہ کی ضرورت نہیں پڑتی ہے۔ اس طریقہ میں بھی وہیں خامیاں ہیں جو لفظ واری طریقہ میں پائی جاتی ہیں۔

(۳) قصہ واری طریقہ : جماعتی تدریس کے ضمن میں کہانی یا قصہ کا طریقہ بچوں کی نفسیات کے عین مطابق ہے۔ اس طریقہ میں کچھ تصویروں کی مدد سے کوئی کہانی یا قصہ تیار کیا جاتا ہے اور قصہ کو اکائی مان کر تدریس کی جاتی ہے۔ یہ جملہ واری طریقہ کا ہی بڑا روپ ہے۔ اس طریقہ میں مدرس کی صلاحیت کا بڑا دخل ہے۔ اس طریقہ سے طلبہ پڑھنے میں آسانی اور دلچسپی محسوس کرتے ہیں۔ ان میں سوچنے اور سمجھنے کی قووت میں اضافہ ہوتا ہے۔ سننے اور پڑھنے کی مہارت بڑھتی ہے۔

(ب) اردو لکھنا سکھانے کے طریقے

اردو لکھنے کی مہارت کے لئے ابجدی، پستالوزی، مانٹسری اور پڑھو لکھو طریقہ کا استعمال کیا جاتا ہے۔ اردو لکھنا سکھانے کے دوران استاد کو کن نکات کا خیال رکھنا چاہئے اس کی وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر عزیز اللہ شیرانی اپنی مشہور تصنیف ''اردو درس و تدریس'' کے ایک باب میں رقم طراز ہیں۔ '' لکھنے کی مہارت میں مختلف تدریسی طریقہ کار کا استعمال کرتے ہوئے استاد کو مندرجہ ذیل نکات کا خصوصی دھیان رکھنا چاہئے۔

(۱) بچوں سے موٹے قلم سے لکھوانے کی مشق کروائی جائے۔ (۲) خوش خط کا خصوصی دھیان رکھا جائے۔ (۳) حروف کی بناوٹ صاف اور یکساں ہونی چاہئے۔ (۴)

سطریں سیدھی ہونی چاہئیں۔ (۵) املا کی درستگی ضروری ہے۔ (٦) رموز اوقاف کے استعمال میں مہارت حاصل ہو۔ (۷) استاد صحیح تلفظ کے ساتھ املا لکھوائیں اور پھر جانچ کے بعد اسے درست کروائیں۔ (۸) تیزی سے لکھنے کی مشق کروائی جائے۔"

اردو لکھنا سکھانے کے مختلف طریقوں کی تفصیل درج ذیل ہے۔ یہ سبھی طریقے ترکیبی طریقہ ہیں۔

(ا) ابجدی طریقہ : یہ ایک قدیم طریقہ تدریس ہے جس میں سب سے پہلے حروف تہجی لکھنا سکھایا جاتا ہے۔ اس کے بعد حروف کی مختلف شکلوں کی مشق کروائی جاتی ہے۔ حروف کو جوڑ کر الفاظ لکھنے کی مشق کروائی جاتی ہے۔ اس طرح رفتہ رفتہ بچے کو لفظ سے جملوں اور جملوں سے اقتباس تحریر کرنے کی طرف راغب کیا جاتا ہے۔

(۲) پستالوزی طریقہ : پستالوزی طریقہ میں بچوں کو بہت ہی کم عمر میں لکھنے کی مشق شروع کروائی جاتی ہے۔ اس طریقہ میں طلبا کو سیدھے حروف نہیں لکھوائے جاتے ہیں بلکہ ان سے مختلف قسم کی آسان لکیروں کی مشق کروائی جاتی ہے مثلاً سیدھی لائن (Standing line)، آڑی لائن (Sleeping line) وغیرہ۔ اسے خط مستقیم کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد مختلف شکلوں کی مشق کروائی جاتی ہے جو حروف کی شکلوں سے مشابہ ہوتی ہے جیسے گول دائرہ (Circle)، آدھا گولا (Semi circle)، نقطے (Dots)، چوکور خانے (Square) وغیرہ۔ اسے خط منحنی (خمیدہ یا مڑا ہوا) کہتے ہیں۔ ان تمام مشقوں کے بعد بچے حروف لکھنا بڑی آسانی سے سیکھ لیتے ہیں۔

اس طریقہ سے چھوٹی عمر میں ہی بچہ قلم کو صحیح پکڑنے اور چلانے میں مہارت حاصل کر لیتا ہے اور بچوں میں لکھنے کی بنیادیں مضبوط ہو جاتی ہیں جس سے حروف اور الفاظ

لکھنے کی مہارت وقابلیت پیدا ہو جاتی ہے۔اس کی خامی یہ ہے کہ یہ وقت طلب امر ہے۔

(۳) مانٹیسری طریقہ : اس طریقہ کی موجد اٹلی کی ایک خاتون Dr. Maria Montessorie ہیں۔ یہ ایک دلچسپ طریقہ ہے جس میں حروف شناسی کے لئے گتّے کے رنگین ٹکڑوں کو حروف کی شکل میں کاٹ کر بچوں کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ بچے رنگین حروف کو دیکھ کر اور چھو کر ان کی پہچان یاد کر لیتے ہیں۔ حروف شناسی کے بعد انہیں لکھنے کی مشق کروائی جاتی ہے۔ یہ طریقہ ان زبانوں کی تدریس کے لئے تو کارگر ہے جن کے حروف کی شکلیں تبدیل نہیں ہوتی ہیں مگر اردو زبان کی تدریس میں یہ طریقہ موثر نہیں ہے کیونکہ اردو میں حروف کی ملواں شکلوں میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے۔

II تدریسی طریقہ کار

طریقہ تدریس سے مراد پڑھانے کے طریقہ کار سے ہے۔اس کی دو نوعیتیں ہیں پہلی انفرادی تدریس اور دوئم اجتماعی تدریس۔

(الف) انفرادی تدریس

انفرادی تدریس ایک طالب علم کی ذاتی اور انفرادی تدریس ہے جس کی تکمیل اسے اپنی ذات کے لئے کرنی ہوتی ہے۔ انفرادی تدریس کا مقصد طالب علم کی شخصیت کو ابھارنا اور اس کی نشو نما کرنا ہوتا ہے۔انفرادی تدریس کے لئے طریقہ تفویض بہت موثر ہے۔

طریقہ تفویض

تفویض کو انگریزی میں (Assignment) کہا جاتا ہے۔اس طریقہ میں

طالب علم کو مختلف قسم کے اسائن مینٹز دئے جاتے ہیں جنہیں طالب علم خود مکمل کرتے ہیں اور تدریسی مقاصد کے حصول کی کوشش کرتے ہیں۔ مدرس کا رول صرف رہنما کا ہوتا ہے۔ یہ طریقہ طلبا میں علم حاصل کرنے کی جستجو پیدا کرتا ہے۔ ان کے لکھنے پڑھنے، سوچنے سمجھنے اور کچھ نہ کچھ کرتے رہنے کی صلاحیت کو تقویت بخشتا ہے۔ طلبا کے فہم و ادراک میں اضافہ کرتا ہے۔ ان کی مختلف صلاحیتوں کی نشونما کرتا ہے اور خود کر کے سیکھنے کی عادت پیدا کرتا ہے۔ موضوعات کے اعتبار سے طریقہ تفویض کی مندرجہ ذیل قسمیں ہیں۔

(۱) **منصوبی تفیض** (PROJECT ASSIGNMENT)۔ یہ طریقہ طلبہ کی معلومات کی جانچ کے لئے ہوتا ہے۔

(۲) **مشقی تفویض** (DRILL) یہ طریقہ طلبہ کو الفاظ سکھانے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

(۳) **تحقیق تفویض** (RESEARCH ASSIGNMENT) سائنس، ریاضی اور جغرافیہ کی تدریس میں یہ طریقہ کارآمد ہے۔ اس طریقہ میں طلبہ استاد کی رہنمائی میں محقق کی طرح تحقیق کرتے ہوئے خود حقائق کا پتہ لگاتے ہیں اور علم حاصل کرتے ہیں۔

(۴) **مسائلی تفویض** (PROBLEMATIC ASSIGNEMENT) اس طریقہ میں طلبہ کے سامنے ایک مسئلے کو پیش کیا جاتا ہے اور طلبہ مسئلے کا حل ڈھونڈھتے ہوئے سیکھتے ہیں۔

(۵) **آزمائشی تفویض** (EVALUATIVE ASSIGNMENT) اس طریقہ میں طالب علم کا ٹیسٹ لیا جاتا ہے۔

(۶) **استحسانی تفویض** (APPRECIATIONAL ASSIGNMENT) یہ طریقہ شاعری کی خصوصیات سمجھانے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

(۷) **تجرباتی تفویض** (EXPERIMENTAL ASSIGNMENT) اس طریقہ میں، تجربہ

گاہ میں، تجربہ کرتے ہوئے طالب علم سیکھتا ہے۔

(۸) مہارتی تفویض اس طریقہ تفویض کا مقصد طالب علم کی مہارت کی جانچ کرنا ہوتا ہے۔

(ب) اجتماعی تدریس

اس طریقہ تدریس میں ایک سے زائد طلبا کی بیک وقت تدریس کی جاتی ہے جیسا کہ عموماً مدرسہ یا اسکول میں درجہ میں تدریس کا نظام ہے۔اس طریقہ کی تدریس کے لئے مندرجہ ذیل طریقہ کار کا استعمال کیا جاتا ہے۔

(ا) بیانیہ طریقہ کار : اس طریقہ میں مدرس بول کر یا پڑھ کر تدریس کرتا ہے۔اس طریقے کی مزید قسمیں درج ذیل ہیں۔

(الف) بات چیت کا طریقہ (Conversational method)

(ب) سوال جواب کا طریقہ (Question & Answer method)

(ج) اخباری یا اطلاعی طریقہ (Narrative/Descriptive method)

(د) لیکچر یا خطابت کا طریقہ (Lecture method)

(2) مطالعہ زیر نگرانی : اس طریقہ میں استاد کی نگرانی میں طلبہ سبق کا مطالعہ کرتے ہیں ۔اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔

(الف) مطالعہ زیر لب : اس طرح کے مطالعہ میں طلبا ہلکی آواز میں سبق کا مطالعہ کرتے ہیں۔ یہ مطالعہ پرائمری درجات کے طلبا کے لئے اس لئے ضروری ہے کیونکہ خاموش مطالعہ میں ان کی توجہ بھٹک جاتی ہے اور وہ اپنی توجہ مطالعہ میں نہیں لگا پاتے۔اس مطالعہ کے ذریعہ استاد طلبا میں پڑھنے کی مناسب رفتار، صحیح تلفظ اور لفظوں کے صحیح اتار چڑھاؤ کی مشق کرواسکتا ہے۔اس مطالعہ کے دوران طالب علم کی آواز اتنی ہی بلند ہو کہ وہ اس

کے ساتھی طالب علم کے مطالعہ میں خلل پیدا نہ کر سکے۔

(ب) خاموش مطالعہ : بڑی عمر کے طلبا میں تیزی سے پڑھنے اور عبارت کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا کرنے میں خاموش مطالعہ کا اہم رول ہے۔ یہ مشق تدریس کے آخری مرحلہ میں کروائی جاتی ہے۔

(3) تحقیقی طریقہ : اس طریقہ میں طلبا تحقیق کرتے ہوئے محقق کی طرح سیکھتے ہیں۔

(4) کنڈر گارٹن طریقہ : اس طریقہ کے موجد جرمنی کے ماہر تعلیم فروبیل (ولادت ۱۷۸۳ء) ہیں۔کنڈر گارٹن کا مطلب ''بچوں کا باغیچہ'' ہوتا ہے۔اس طریقہ میں بچوں کو بنا کسی دباؤ کے، کھیل کھیل میں سیکھنے کے مواقع فراہم کروائے جاتے ہیں۔اس کے لئے اسکول میں بچوں کی دلچسپی کے مطابق مختلف کھلونے، جھولے اور سیکھنے سکھانے کے مختلف سامان مہیا کئے جاتے ہیں۔نصاب کا بوجھ ڈالے بغیر انہیں آزادی ذہن کے ساتھ سیکھنے دیا جاتا ہے۔ یہ طریقہ ۳سال سے ۷ سال تک کی عمر کے بچوں کے لئے بڑا مفید ہے۔

(5) ڈالٹن پلان : مس ہیلن پارکر نے امریکہ کے ڈالٹن شہر میں اس طریقہ کا تجربہ ۱۹۲۰ء میں کیا جہاں سے اس کی کامیابی کے بعد اسے دیگر اسکولوں میں بھی رائج کیا گیا اس لئے اس کا نام ڈالٹن پلان پڑا۔اس کے نام کے مطابق ہی یہ ایک تدریسی پلان ہے۔اس طریقہ میں پورے سال کا ایک تدریسی منصوبہ تیار کیا جاتا ہے۔اس منصوبہ کو مہینوں میں اور پھر دنوں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔اس میں مقررہ مدت میں پلان کے مطابق تدریس کو مکمل کیا جاتا ہے۔ڈالٹن پلان میں مختلف موضوعات کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

(الف) ضروری مضامین : اس میں وہ مضامین شامل ہیں جو سبھی کے لئے ضروری ہیں مثلاً زبان، حساب، تاریخ اور جغرافیہ

(ب) عملی مضامین : اس میں وہ مضامین شامل ہیں جو طلبا کی پسند کے مطابق ہوتے ہیں اور جن کو مشق کے ذریعہ سیکھا جاتا ہے مثلاً موسیقی۔

اس طریقہ میں تدریس عملی ہوتی ہے طلبا خود کام کرتے ہوئے اور ایک دوسرے کی مدد کرتے ہوئے سیکھتے ہیں۔ تمام طلبا کے مختلف گروپ بنادئے جاتے ہیں۔ پہلی نشست میں ہر گروپ اپنے موضوع سے متعلق تحقیق کرتا ہے اور پھر اسمبلی حال میں دوسری نشست میں سبھی ایک ساتھ اکٹھا ہو کر اپنے تجربات اور تحقیق کو پیش کرتے ہیں، اس موضوع پر بحث کرتے ہیں اور آخر میں ایک متفقہ، اجتماعی نتیجے پر پہونچتے ہیں۔

یہ طریقہ طلبا کو عمل کی طرف راغب کر کے ان کے کردار کی تکمیل کرتا ہے۔ ان میں سماجی، معاشرتی شعور پیدا کرتا ہے۔ حوصلہ اور ہمت میں اضافہ کرتا ہے۔

(6) منصوبی طریقہ تدریس (PROJECT METHOD): یہ طریقہ تدریس امریکہ کے رچرڈسن کا (۱۸۸۹ء میں) ایجاد کردہ ہے۔ اس طریقہ میں طلبا کو پڑھائے جانے والے تمام مضامین کو لیکر ایک منصوبہ بنایا جاتا ہے۔ موضوعات کو عمل کے ذریعہ سمجھایا جاتا ہے۔ اس کے سبھی پہلوؤں کا ریکارڈ رکھا جاتا ہے۔ آخر میں اس منصوبہ کا تجزیہ کیا جاتا ہے اور نتائج اخذ کئے جاتے ہیں۔ طلبا کے ہنر اور عملی کارکردگی کو جانچا جاتا ہے۔ اس طریقہ کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ طلبا میں کسی بھی کام کو کرنے سے پہلے اس کی منصوبہ بندی کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے اور پھر منصوبہ پر عمل درآمد کر کے اپنے مقصد کی تکمیل کی جاتی ہے۔

اس طریقہ تدریس سے طلبا میں منصوبہ بندی کرنے کی صلاحیت، خود اعتمادی، تحریک اور مسئلہ کو حل کرنے کی صلاحیت کی نشونما ہوتی ہے اور ان تجربات سے زندگی کے

مختلف شعبوں اور ادوار میں آنے والی مشکلوں کا سامنہ کرنے کی صلاحیت اور اعتماد کو فروغ ملتا ہے۔

(7) مسائلی طریقہ (PROBLEM SOLVING METHOD) : اس طریقہ تدریس میں پڑھائے جانے والے موضوع کو ایک مسئلہ کی شکل میں طلبا کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ طالب علم، مدرس کی رہنمائی میں، مختلف عملی کام کرتے ہوئے مسئلہ کا حل نکالتے ہوئے سیکھتے ہیں۔ مسئلہ کے حل کے لئے طلبا سیر (Visit)، جائزہ (Inspection)، سروے (Survey) کرتے ہیں اور آنکڑے (Data) اکٹھے کرتے ہیں۔ ان آنکڑوں (Datas) کے تجزیہ (Analysis) کے بعد وہ کسی نتیجہ پر پہونچتے ہیں اور مسئلہ کا حل پیش کرتے ہیں۔ یہ تدریس کا ایک موثر اور دلچسپ طریقہ ہے کیونکہ اس میں طلبا خود کام کرتے ہوئے سیکھتے ہیں لہٰذا ان کی دلچسپی سیکھنے میں بنی رہتی ہے اور جستجو کے بعد جو علم حاصل ہوتا ہے وہ زیادہ موثر اور دیر پا ہوتا ہے۔ اس طریقہ سے طلبا کو ذاتی زندگی میں درپیش مسائل کو حل کرنے کی صلاحیت اور قبلیت بھی حاصل ہوجاتی ہے جو ان کی زندگی میں بڑی کارآمد ثابت ہوتی ہے۔

(8) طریقہ تحقیق یا دریافت (Research Method): یہ ایک فطری طریقہ تعلیم ہے کیونکہ انسان کی فطرت میں یہ بات شامل ہے کہ وہ کسی بھی بات کو تب تک نہیں مانتا جب تک وہ خود ذاتی طور پر اس کام کو کر نہیں لیتا۔ لہٰذا یہ طریقہ طلبا کو خود دریافت کرکے سیکھنے کی آزادی دیتا ہے۔ اس طریقہ میں استاد صرف نگراں اور رہ نما کی حیثیت رکھتا ہے جبکہ طلبا محقق بن کر علم حاصل کرتے ہیں۔

قواعد کی تدریس

زبان سکھانے میں قواعد کی تدریس نہایت اہم ہوتی ہے۔ اس سے تقریر وتحریر میں پختگی آتی ہے اور زبان کا معیار بلند ہوتا ہے۔ قواعد کی تدریس طلبا کو ہر سطح پر کروائی جاتی ہے مگر اس کی تدریسی نوعیت عملی ہونی چاہیئے تا کہ بچہ قواعد کو رٹنے کی بجائے اسے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے قابل ہو جائیں۔ ابتدائی درجات میں قواعد کی تدریس اسباق کے ساتھ کروائی جانی چاہیئے جبکہ ثانوی درجات میں اسے الگ سے ایک مضمون کی شکل میں پڑھایا جانا چاہیئے۔ ثانوی درجات میں اسے پڑھانے کے لئے دو طریقہ ہیں۔

(۱) استقرائی طریقہ　　　(۲) استخراجی طریقہ

(۱) استقرائی طریقہ : قواعد کی تدریس کا یہ ایک جدید طریقہ ہے۔ یہ جانی پہچانی باتوں (شناسا) سے انجانی باتوں (غیر شناسا) کو سیکھنے (Known to Unknown) کا طریقہ ہے۔ اس طریقہ کو عملی قواعد بھی کہا جاتا ہے کیونکہ طلبا خود عمل کر کے قواعد کی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ اس طریقہ میں استاد جانے پہچانے واقعات، جملوں اور مثالوں کے ذریعہ قواعد کو سمجھاتا ہے۔ اس طریقہ سے طلبا میں شوق اور تحقیق کا مادہ پیدا ہوتا ہے۔ خود اعتمادی اور جدو جہد کی صلاحیت کی نشونما ہوتی ہے۔ اس طریقہ کے لئے زیادہ وقت کی درکار ہوتی ہے۔

(۲) استخراجی طریقہ : یہ قواعد کی تدریس کا روایتی طریقہ ہے۔ اس طریقہ میں استاد طلبا کو پہلے قواعد کی تعریفیں اور اصول وغیرہ رٹوا دیتا ہے۔ طلبا اسم، ضمیر، صفت، فعل وغیرہ کی تعریفیں یاد کر لیتے ہیں اس کے بعد استاد ان کی مثالوں کے ذریعہ مزید وضاحت کر دیتا ہے۔ اس طریقہ میں طلبا کی حیثیت محض سامعین کی رہتی ہے اور وہ استاد کی باتوں پر پورا

یقین رکھتے ہوئے سیکھتے ہیں۔ یہ ایک طرفہ طریقہ ہے جس میں صرف استاد ہی متحرک رہتا ہے۔ یہ استقرائی طریقہ کے برعکس ہے۔اس میں پہلے سے ہی طے شدہ اصول، مشاہدے اور نتیجے بتادئے جاتے ہیں اور طلبا کو رٹوا دیا جاتا ہے۔اس میں طلبا خود کر کے نہیں سیکھتے ہیں۔ یہ غیر موثر اور غیر دلچسپ طریقہ ہے مگر اس میں وقت کی بچت ہوتی ہے۔

III پڑھانے کی تراکیب ومہارتیں

موثر تدریس کے لئے جہاں کئی اصولوں اور ضابطوں کا لحاظ ضروری ہے وہیں ایک معلم کے لئے، درجہ میں تدریس کے دوران استعمال ہونے والی بہت سی مہارتوں اور تراکیب کا علم ہونا بھی اشد ضروری ہے۔ یہ مہارتیں مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔سوالات وجوابات

تدریس کو موثر بنانے اور درجہ میں طلبا کی شمولیت کو بڑھانے میں سوالات کا اہم رول ہے۔سوالات کی اہمیت کا اندازہ ہم مندرجہ ذیل نکات سے لگا سکتے ہیں۔

(الف) سوالات طلبا میں تجسس پیدا کرکے، ان کو سبق کی طرف آمادہ کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

(ب) یہ سبق میں توجہ اور دلچسپی برقرار رکھنے میں معاون ہوتے ہیں۔

(ج) غیر متوجہ طلبا کو متوجہ کرنے اور سست طلبا کی سستی دور کرنے میں معاون ہوتے ہیں۔

(د) بچوں کی صلاحیت پرکھنے میں معاون ہوتے ہیں۔

(ہ) تدریس کے دوران سبق کو آگے بڑھانے میں معاون ہوتے ہیں۔

(و) پڑھائے گئے مواد کے فہم اور اپنی تدریس کے اثر کو پرکھنے کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔

(ز) طلبا کو غور وفکر پر آمادہ کرتے ہیں۔

مہارت روانی سوالات

سوالات کے ضمن میں مندرجہ ذیل باتوں کا دھیان رکھا جانا ضروری ہے تاکہ

ایک استاد سوالات کرنے کی مہارت حاصل کر سکے۔

(الف) اغراض یا مقاصد

معلم کو یہ معلوم ہونا نہایت ضروری ہے کہ سوالات کس غرض یا مقصد سے پوچھے جا رہے ہیں کیونکہ سوالات کی نوعیت ان کے پوچھے جانے کے مقاصد پر منحصر ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے سوالات کو ہم تین اقسام میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

(i) تمہیدی سوالات

سبق کی شروعات جن سوالات سے کی جاتی ہے انہیں تمہیدی سوالات کہتے ہیں۔ یہ تعداد میں کم اور بہت آسان ہوتے ہیں۔ ان کی مناسبت آنے والے مضمون سے ہوتی ہے۔ ان سوالات کا مقصد بچوں کی سابقہ معلومات اور لیاقت کو جانچنا، آنے والے سبق کے لئے اذہان کو تیار کرنا اور سبق کی غرض و غایت، ضرورت و افادیت کو بچوں پر واضح کرنا ہوتا ہے۔

(ii) درمیانی سوالات

سوالات ، جو سبق کی تدریس کے درمیان میں پوچھے جاتے ہیں ، درمیانی سوالات کہلاتے ہیں۔ ان سوالات کے دو اہم مقاصد ہیں

- یہ معلوم کرنا کہ بچے سبق کو کتنا سمجھ رہے ہیں اور ان کی سبق میں کتنی دلچسپی ہے۔
- سبق کو آگے بڑھانے میں طلبا کی شمولیت اور سبق کے مشکل حصوں کو واضح کرنے کے لئے۔

(iii) اختتامی سوالات

یہ سوالات تدریس کے بعد، سبق کے اختتام پر کئے جاتے ہیں۔ ان کا مقصد پڑھائے گئے سبق کی یاد دہانی اور اس کو مزید پختہ کرنا ہوتا ہے۔

سوالات کی خصوصیات

درجہ میں پوچھے جانے والے سوالات میں کچھ اہم باتوں کا دھیان رکھا جانا ضروری ہے۔ یہ سوالات جن خصوصیات کے حامل ہونے چاہئیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

(الف) سوالات کی زبان صاف، ابہام سے پاک اور عام فہم ہونی چاہئے۔

(ب) سوالات طلبا کی عمر، عقل اور فہم اور ان کی لیاقت کے مطابق ہوں۔

(ج) سوالات سبق کے مطابق اور مربوط ہونے چاہئیں۔

(د) سوالات واضح اور معین ہونے چاہئیں۔

(ہ) سوالات فکر انگیز ہونے چاہئیں۔

(و) ہاں یا نہیں والے سوالات نہ ہوں۔

سوالات کرنے کا طریقہ

سوالات کرتے وقت کچھ باتوں کا دھیان رکھنا معلم کے لئے نہایت ضروری ہوتا ہے۔ اگر سوالات کرتے وقت ان باتوں کو ملحوظ خاطر نہ رکھا جائے تو یہ حصول مقاصد کی جگہ درجہ کے انتظام کو برہم کرنے کا باعث بن جاتے ہیں۔ لہٰذا سوالات کرتے وقت مندرجہ ذیل باتوں کو دھیان میں رکھا جانا چاہئے۔

(الف) سوال کرتے وقت پورے درجہ کو مخاطب کرنا چاہئے مگر جواب صرف ایک بچے سے یا ایک ایک کر کے بچوں سے پوچھا جانا چاہئے۔

(ب) سبھی بچوں کو سوال جواب میں شامل کیا جائے۔

(ج) کمزور بچوں کے لئے ہلکے سوالات بھی درجہ میں پوچھے جائیں اور صحیح جواب دینے پر ان کی حوصلہ افزائی بھی کی جائے۔

(د) جواب دینے کے لئے وقت دیا جانا چاہئے۔

(ہ) سوالات اطمینان سے کئے جائیں اس میں عجلت سے کام نہ لیا جائے۔

(و) درجہ میں، غیر متوجہ طلبا سے اچانک سوال کیا جانا چاہئے۔

(ز) سوالات میں مضمون کے اعتبار سے تسلسل اور روانی ہونی چاہئے۔

طلبا کے جوابات

درجہ میں تدریس کے تمام عوامل دو طرفہ ہوتے ہیں یعنی استاد کے عوامل اور طلبا کے عوامل۔ تدریس کے دیگر عوامل کی طرح سوالات کرنے کا عمل بھی تبھی موثر ہوسکتا ہے جب طلبا کے جوابات کے سلسلہ میں کچھ باتوں کا دھیان رکھا جائے۔اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

(الف) جوابات دھیان سے سنے جائیں۔صحیح جواب پر حوصلہ افزائی کی جائے۔

(ب) طالب علم کے نامکمل اور غلط جواب کی اصلاح کی جائے۔

(ج) بچوں کے جوابات کو صحیح کر کے قبول کیا جائے اس سے ان کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔

(د) صحیح جواب کو سبھی بچوں سے دہروایا جائے۔

(ہ) ٹھیک جواب فوراً قبول کرنے کی بجائے دوسرے بچوں سے بھی پوچھا جائے۔

(و) جواب نہ بتا پانے پر، مزید سوالات کر کے جواب کی طرف رہنمائی کی جانی چاہئے۔

مہارت تمہید

پرانی معلومات کا نئے سبق سے رابطہ قائم کرنے اور طلبا کو نئے سبق کے لئے ذہنی طور پر تیار کرنے کے لئے تمہید نہایت اہم اور ضروری ہے۔ایک موثر تمہید کے لئے مندرجہ ذیل نکات کو ذہن میں رکھا جانا چاہئے۔

(الف) تمہید مختصر مگر اثر دار ہونی چاہئے۔

(ب) یہ نئے مضمون کے متعلق تجسس پیدا کرنے والی ہونی چاہئے تا کہ بچوں کا ذہن مکمل طور پر اس کے لئے آمادہ ہو جائے۔

(ج) موضوع سے متعلق مختصر بات چیت، کوئی چھوٹی کہانی، ماڈل یا تصویر یا سابقہ معلومات پر منحصر کچھ سوالات اچھی تمہید بن سکتے ہیں۔

(د) تمہید میں اگر سوالات کئے جائیں تو یہ سوالات، آسان، عام فہم اور مربوط ہونے چاہئیں۔آخری سوال سے سبق کا مقصد واضح ہونا چاہئے اور طلبا کا ذہن متجسس ہو کر نئی معلومات کی ضرورت محسوس کرنے لگے۔

مہارت استعمال تختہ سیاہ

تختہ سیاہ، تدریس کو موثر بنانے میں اور سبق کے اہم نکات کو طلبا کے سامنے لکھ کر پیش کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ یہ تدریسی معاون شے ہے۔اس کا استعمال تدریس کے دوران مندرجہ ذیل عوامل کے لئے کیا جا سکتا ہے۔

(الف) اعلان سبق کے بعد سبق یا مضمون کا نام لکھنے کے لئے۔

(ب) سبق کے مشکل حصوں کی تشریح کرنے کے لئے۔

(ج) مشکل الفاظ کے معنی واضح کرنے کے لئے۔

(د) مختلف قسم کے چارٹ، ٹیبل یا مائنڈ میپ بنانے کے لئے۔

(ہ) گھر کا کام دینے کے لئے۔

(و) سبق کا خلاصہ پیش کرنے کے لئے۔

تختہ سیاہ کی مہارتیں

- تختہ سیاہ زیادہ چمکیلا نہ ہو۔
- تختہ سیاہ معلم کے بائیں جانب ہونا چاہئے۔
- تختہ سیاہ پر لکھنے کے لئے چاک کو 45 ڈگری کے زاویہ پر رکھنا چاہئے۔
- تختہ سیاہ پر لکھتے وقت سطریں سیدھی، حروف موٹے اور یکساں ہونے چاہئیں۔
- لکھتے وقت چاک سے آواز نہیں آنی چاہئے۔ ایسا ہونے پر اس کا اگلا سرا توڑ دینا چاہئے۔
- لکھتے وقت درجہ کی طرف مکمل پیٹھ نہ کی جائے بلکہ ایک پہلو سے لکھا جائے۔
- لکھتے وقت مڑ مڑ کر پیچھے دیکھتے رہنا چاہئے تا کہ درجہ کا نظم وضبط قائم رہے۔
- لکھنے کے بعد بلند آواز سے ایک مرتبہ پڑھ لینا چاہئے کہ کچھ چھوٹا تو نہیں۔
- ابتدائی درجات میں رنگین چاک زیادہ موثر ہوتی ہے۔
- طلبا کو بھی تختہ سیاہ پر لکھنے کا موقع فراہم کرانا چاہئے۔

300 خزینہ اردو اکمل نعیم صدیقی

IV اسباق کی تدریس

تدریس نثر و نظم کے لئے منصوبہ سبق کا خاکہ

نام اسکول۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ نام مدرس۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

درجہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ نام مضمون۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

یونٹ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ سبق یا موضوع۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

مقاصد

(۱) عمومی مقاصد

اردو بولنے، پڑھنے اور لکھنے کی صلاحیت پیدا کرنا۔

زبان وقواعد، صحیح تلفظ کی صلاحیت پیدا کرنا۔

ذخیرہ الفاظ میں اضافہ کرنا۔

مطالعہ کی عادت، شوق اور مہارت پیدا کرنا۔

حاصل شدہ علم کی روشنی میں اظہار خیال کی صلاحیت پیدا کرنا۔

(۲) خصوصی مقاصد

مقاصد خصوصی پڑھائے جانے والے سبق کے مواد اور اس کی نوعیت پر منحصر ہوتے ہیں۔

(۳) سابقہ معلومات

آج پڑھائے جانے والے موضوع سے متعلق طلبا کی سابقہ معلومات کا ذکر اس میں کیا جاتا ہے۔ سابقہ معلومات سے نئی پڑھائی جانے والی معلومات کی نسبت جوڑ دینے سے طلبا نصاب کے تسلسل کو ذہن میں قائم رکھ پاتے ہیں ساتھ ہی اس سے نئی معلومات کو

سیکھنے اور جاننے میں آسانی ہوتی ہے۔ سابقہ معلومات کو جانچنے کے لئے مدرس طلبا سے سوالات کرتا ہے اور پھر انہیں نئے پڑھائے جانے والے سبق کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

(۴) امدادی اشیاء

سبق کے متن کے مطابق تدریس کے دوران استعمال کی جانے والی معاون اشیاء کا ذکر اس میں کیا جاتا ہے۔

تدریسی عمل

(۵) تمہید سبق

سبق سے رابطہ پیدا کرنے اور نئے سبق کا اعلان کرنے کے لئے طلبا کی سابقہ معلومات سے متعلق چند آسان سوالات کئے جاتے ہیں۔ یہ سوالات سابقہ معلومات اور آنے والے مضمون سے متعلق ہوں اور ہاں یا نہیں والے نہ ہوں۔

(۶) اعلان سبق

تمہیدی سوالات کے بعد سبق کا اعلان کیا جاتا ہے اور پڑھائے جانے والے موضوع کا عنوان تختہ سیاہ پر درج کیا جاتا ہے۔

(۷) تدریسی مشاغل

اعلان سبق کے بعد سبق کی تدریس کی جاتی ہے۔ اس کے مختلف مدارج درج ذیل ہیں۔

(الف) نمونے کی بلند خوانی: تدریس کی ابتداء، مدرس نمونے کی بلند کے ساتھ کرتا ہے۔ مدرس صحیح تلفظ، مناسب لب ولہجہ اور بلند آواز کے ساتھ اقتباس کو طلبا کے سامنے پیش

کرتا ہے اور طلبا اسے دھیان سے سنتے ہیں۔

(ب) انفرادی بلند خوانی: مدرس کے بعد طلبا سے انفرادی بلند خوانی کروائی جاتی ہے جس کا مقصد طلبا کے پڑھنے کی مہارتوں کی نشونما کرنا ہوتا ہے۔ یہ مہارتیں ہیں صحیح تلفظ، اعراب اور رموز واوقاف کی پہچان، لب ولہجہ اور آواز کا اتار چڑھاؤ وغیرہ۔ غلطی ہونے پر استاد اس کی اصلاح کرتا ہے۔

(ج) تفہیم عبارت : بلند خوانی کے بعد استاد سبق کے اقتباس اور اس کے مفہوم کو آسان زبان میں طلبا کو سمجھاتا ہے۔ تفہیم کو اور موثر بنانے کے لئے مدرس بیچ بیچ میں طلبا سے سوالات بھی کریگا۔

(د) تختہ سیاہ کے مشاغل : سبق میں آنے والے مشکل الفاظ کے معنی، محاوروں، متضاد الفاظ یا تذکیر وتانیث وغیرہ سے متعلق باتوں کو تختہ سیاہ پر مدرس درج کریگا اور طلبا اپنی نوٹ بک میں درج کریں گے۔

(ہ) خاموش مطالعہ : تفہیم عبارت کے بعد طلبا سے خاموش مطالعہ کروایا جاتا ہے تاکہ وہ پڑھے گئے سبق کو اور اچھی طرح ذہن نشین کرلیں ساتھ ہی ان میں مطالعہ کا شوق اور تیز رفتاری سے پڑھنے کی مہارت پیدا ہوسکے۔

(۸) اعادہ سبق : پڑھے گئے سبق کے متن سے متعلق سوال پوچھ کر سبق کا اعادہ کیا جائے۔

(۹) گھر کا کام

طلبا کی دلچسپی اور ان کا رجحان بنائے رکھنے کے لئے سبق سے متعلق گھر کے لئے کام دیا جائے۔ اس سے طلبا میں گھر پر پڑھنے کی عادت ڈالی جاسکتی ہے۔

300 خزینہ اردو اکمل نعیم صدیقی

تدریس قواعد کے لئے منصوبہ سبق

نام مدرس۔۔۔۔۔۔۔ نام اسکول۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ درجہ۔۔۔۔۔۔

نام مضمون۔۔۔۔۔۔ سبق یا موضوع۔۔۔۔۔ نام یونٹ۔۔۔۔۔۔

مقاصد

(۱) عمومی مقاصد

(۲) خصوصی مقاصد

(۳) سابقہ معلومات

(۴) امدادی اشیاء

(۵) سابقہ معلومات

(۶) تمہیدی سوالات

(۷) اعلان سبق

(۸) تدریسی مشاغل

اعلان سبق کے بعد سبق کی تدریس کی جاتی ہے۔اس کے مختلف مدارج درج ذیل ہیں۔

(۹) طریقہ تدریس: استقرائی یا استخراجی طریقہ میں سے کسی ایک کا انتخاب

(۸) تختہ سیاہ پر قواعد کی مشق

(۹) اعادہ سبق : بذریعہ سوالات

(۹) گھر کا کام

RPSC II Grade Exam (Urdu) 2010

1۔ قصیدہ وہ نظم ہے جس میں؛

(1) امرائے وقت کی تعریف کی جائے (2) بزرگان دین کی تعریف کی جائے

(3) کسی کی مدح کی گئی ہو (4) بادشاہ کی مدح کی گئی ہو (3)

2۔ درج ذیل شعر میں کون سی صنعت ہے ؟

نازکی اس کے لب کی کیا کہئے۔ پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

(1) تشبیہ (2) استعارہ

(3) کنایا (4) مجاز مرسل (1)

3۔ دیہی زندگی پر کس نے افسانے لکھے ؟

(1) سعادت حسن منٹو (2) پریم چند

(3) کرشن چندر (4) عصمت چغتائی (2)

۴۔ مرزا فرحت اللہ بیگ کس طرح کے قلم کار تھے ؟

(1) صوفیانہ (2) سیاسی

(3) عاشقانہ (4) طنز و مزاح نگار (4)

5۔ کیا غزل میں شعروں کی تعداد مقرر ہے ؟

(1) نہیں (2) ہے

(3) نہیں بھی، ہے بھی (4) صرف چار شعر (1)

6۔ ”تضحیک روزگار“ کس کی تخلیق ہے ؟

(1) نظیر اکبرآبادی (2) سوداؔ

(3) میرؔ (4) انشاؔ (2)

7۔ رشید احمد صدیقی کہاں کے رہنے والے تھے ؟

(1) اعظم گڑھ (2) علی گڑھ

(3) فیض آباد (4) جونپور (4)

8۔ اردو تنقید میں حالیؔ کی کون سی کتاب کو تنقید کا پہلا منشور کہا جاتا ہے ؟

(1) یادگار غالب (2) حیات جاوید

(3) مقدمہ شعروشاعری (4) حیات سعدی (3)

9۔ باغ و بہار میر امن کی کون سی تخلیق ہے ؟

(1) طبع زاد (2) ترجمہ

(3) تاریخی (4) مذہبی (2)

10۔ امتیاز علی تاج کا انتقال کہاں ہوا ؟

(1) لاہور (2) کلکتہ

(3) دہلی (4) لندن (1)

11۔ انارکلی ڈرامہ سب سے پہلے کب شائع ہوا ؟

(1) 1932ء (2) 1940ء

(3) 1950ء (4) 1960ء (1)

12۔ زبان کی تدریس کے چار مقصد کون سے ہیں ؟

(1) حروف، اعراب، لفظ اور جملے سکھانا

(2) بولنا، پڑھنا، لکھنا اور سمجھنا

(3) زیر، زبر، پیش سمجھانا اور سکھانا

(4) لفظوں کے معنی، استغنا، جنس، صفت سکھانا (2)

13۔ حروف تہجی کی تدریس کے تحلیلی طریقہ میں کیا کیا جاتا ہے؟

(1) حروف کو ملانا سکھایا جاتا ہے۔

(2) حروف کے اعراب کے ساتھ مشق کرائی جاتی ہے۔

(3) حروف کی انفرادی شکل بتائی جاتی ہے۔

(4) شروع سے ہی حروف کو سمجھنے پر زور دیا جاتا ہے۔ (4)

14۔ حروف کی پہچان کے بعد کیا سکھایا جاتا ہے ؟

(1) حروف کی ملواں شکلیں (2) لفظ بنانے کا طریقہ

(3) حروف کے نقطے (4) بغیر نقطے کے حروف (1)

15۔ حروف کو پڑھانے کا صوتی طریقہ کیا ہوتا ہے ؟

(1) حروف کو آواز کے ساتھ پڑھانے کا طریقہ

(2) اعراب کے ساتھ پڑھانے کا طریقہ

(3) حروف کی انفرادی شکل بنانے کا طریقہ

(4) نقطے والے اور بغیر نقطے والے حروف سکھانا (1)

16۔ استخراجی طریقہ سے کیا ہوتا ہے ؟

(1) حروف سکھائے جاتے ہیں۔ (2) اعراب سکھائے جاتے ہیں۔

(3) لفظ بنوائے جاتے ہیں۔ (4) اصطلاحیں، تعریفیں رٹوائی جاتی ہیں۔ (4)

17۔ استقرائی طریقہ سے کیا کیا جاتا ہے ؟

(1) شاعری یاد کرائی جاتی ہے (2) زبان وادب کی مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

(3) معنی یاد کرائے جاتے ہیں۔ (4) حروف سکھائے جاتے ہیں۔ (2)

18۔ انفرادی بلند خوانی کسے کہتے ہیں ؟

(1) الگ الگ طالب علم سے پڑھوانا (2) مل جل کر پڑھنا

(3) خاموش رہ کر پڑھنا (4) چلانا (1)

19۔ تدریس قواعد کا مطلب اور مقصد ہے ؟

(1) زبان کی شکل کا علم ہونا (2) زبان کی تاریخ کا علم ہونا

(3) زبان کی خامیوں کا علم ہونا (4) زبان کی ساخت کا علم ہونا (4)

20۔ تدریس سبق میں تمہید کے بعد کیا کیا جاتا ہے ؟

(1) سوال و جواب (2) اعلان سبق

(3) تعارف (4) بلند خوانی (2)

21۔ تلفظ کی مشق سے کیا ہوتا ہے ؟

(1) بلند خوانی آ جاتی ہے۔ (2) خاموش مطالعہ ہوتا ہے۔

(3) لفظوں کو صحیح بولنا آتا ہے۔ (4) لفظوں کے معنی کا پتہ چلتا ہے۔ (3)

22۔ تدریس کی شروعات کیسے کرنی چاہئے ؟

(1) کاغذ قلم سے (2) لکھ کر

(3) خاموش رہ کر (4) بات چیت کر کے (4)

23۔ موضوع کے تعلق سے طالب علم سے مختلف باتیں معلوم کرنے کا کون سا طریقہ کہلاتا ہے ؟

(1) استخراجی طریقہ (2) استقرائی طریقہ

(3) بیانیہ طریقہ (4) طریقہ تفویض (2)

24۔ بول کر یا پڑھ کر سنانے کے طریقے کو کیا کہتے ہیں ؟

(1) سمعی طریقہ (2) بصری طریقہ

(3) بیانیہ طریقہ　(4) تحریری طریقہ　(3)

25۔ پستالوزی طریقے میں سب سے پہلے کیا لکھنا سکھایا جاتا ہے ؟

(1) لکیریں کھینچنا　(2) اعراب لکھنا

(3) حروف لکھنا　(4) لفظ لکھنا　(1)

26۔ اردو لکھنا سکھانے میں ''دیکھو، پڑھو اور لکھو'' طریقہ کیا کہلاتا ہے ؟

(1) صوتی طریقہ　(2) تحلیلی طریقہ

(3) جملہ واری طریقہ　(4) قصہ واری طریقہ　(2)

27۔ جملہ واری طریقے سے پڑھانے میں کسے چنا جاتا ہے ؟

(1) حروف کو　(2) جملے کو

(3) لفظ کو　(4) اعراب کو　(2)

28۔ لفظ بار بار بلند آواز سے پڑھنے کی عادت ڈالی جاتی ہے، یہ کون سا طریقہ ہے ؟

(1) تحلیلی طریقہ　(2) لفظ واری طریقہ

(3) ترکیبی طریقہ　(4) صوتی طریقہ　(2)

29۔ صوتی طریقہ کی سب سے بڑی خوبی کیا ہے ؟

(1) جملے بنانا آجاتا ہے۔　(2) لفظ بنانا آجاتا ہے۔

(3) حروف کو توڑنا آتا ہے۔(4) حروف کی آواز کے ساتھ شناخت ہو جاتی ہے(4)

30۔ تحلیلی طریقہ میں کیا کیا جاتا ہے ؟

(1) جز سے کل کی طرف چلتے ہیں(2) کم سے زیادہ کی طرف چلتے ہیں

(3) کل سے جز کی ترف چلتے ہیں(4) زیادہ سے کم کی طرف چلتے ہیں　(3)

300 خزینہ اردو اکمل نعیم صدیقی

31۔ پڑھانے کے طریقوں کو کس طرح تقسیم کر سکتے ہیں ؟

(1) زبانی اور قلمی طریقہ (2) ترکیبی اور تحلیلی طریقہ

(3) دلی اور دماغی طریقہ (4) ذہنی اور نظریاتی طریقہ (2)

32۔ داوت کا صحیح املا کیا ہے ؟

(1) داوط (2) داوتھ

(3) دعوط (4) دعوت (4)

33۔ تکدیر کا صحیح املا کیا ہے ؟

(1) طلدیر (2) تقادیر

(3) تقدیر (4) طقدیر (3)

34۔ کتب کا معنی کیا ہے ؟

(1) کئی کتابیں (2) ایک کتاب

(3) نیک آدمی (4) گنہگار (1)

35۔ کرب کا معنی کیا ہے ؟

(1) خوشی (2) تکلیف

(3) پاس (4) اداسی (2)

36۔ امراض کا معنی کیا ہے ؟

(1) صحت (2) کئی مرض

(3) زخم (4) علاج (2)

37۔ مشاہدہ کے معنی ہیں ؟

(1) پڑھنا (2) تجربہ کرنا

(3) غور کرنا (4) دیکھنا (4)

38۔ ہدایت کے معنی کیا ہیں ؟

(1) پڑھنا (2) سمجھنا

(3) بولنا (4) لکھنا (2)

39۔ قصہ حاطم طائی میر امن کی کون سی کتاب سے لیا گیا ہے ؟

(1) فسانہ عجائب (2) توبتہ النصوح

(3) باغ و بہار (4) گنج خوبی (3)

40۔ 'ابو خاں کی بکری' کے مصنف کا نام کیا ہے ؟

(1) سر سید احمد خاں (2) حالؔی

(3) نذیر احمد (4) ڈاکٹر ذاکر حسین (4)

41۔ 'کوہِ قاف' کسے کہتے ہیں ؟

(1) ایک محل کا نام (2) ایک قلعہ کا نام

(3) ایک پہاڑ کا نام (4) ایک حویلی کا نام (3)

42۔ ولادت کے معنی کیا ہیں ؟

(1) موت (2) زندگی

(3) پیدائش (4) قبر (3)

43۔ اشفاق اللہ کس کو اپنا بھائی سمجھتے تھے ؟

(1) رام پرساد بسمل (2) چندر شیکھر آزاد

(3) عبدالحمید　(4) بھگت سنگھ　(1)

44۔ اکبرآباد آج کس نام سے مشہور ہے ؟

(1) اجمیر　(2) آگرہ

(3) جے پور　(4) دہلی　(2)

45۔ نظیراکبرآبادی کا نام کیا ہے ؟

(1) اسداللہ　(2) ولی محمد

(3) شکیل احمد　(4) عبدالرحمٰن　(2)

46۔ نظیر نے نظم 'آدمی نامہ' میں کیا بتایا ہے ؟

(1) آدمی کی پہچان　(2) آدمی کی عادت

(3) آدمی کی خصوصیات　(4) آدمی کی عظمت　(3)

47۔ ترانہ ہندی میں آسمان کا ہمسایہ کسے بتایا گیا ہے ؟

(1) چاندکو　(2) ہمالیہ کو

(3) سورج کو　(4) کہکشاں کو　(2)

48۔ راہگیر کا کیا معنی ہے ؟

(1) راستہ دکھانے والا　(2) راستہ چلنے والا

(3) راستہ بھٹکنے والا　(4) راستہ طے کرنے والا　(2)

49۔ مکتب کا کیا معنی ہے ؟

(1) ساتھی　(2) کتاب

(3) کتاب رکھنے کی جگہ　(4) پڑھنے کی جگہ　(4)

50۔ نذیر احمد کب اور کہاں پیدا ہوئے ؟

(1) 1836 ضلع بجنور　　(2) 1835 دہلی

(3) 1837 لکھنو　　(4) 1830 سیالکوٹ　　(1)

51۔ علم الحساب کسے کہتے ہیں ؟

(1) زندگی کا علم　　(2) دولت کمانے کا علم

(3) لین دین کا علم　　(4) ریاضی　　(4)

52۔ نظم ہمدردی کے مطابق بلبل اداس کہاں بیٹھا تھا ؟

(1) آشیانہ پر　　(2) قلعہ پر

(3) پیڑ کی ٹہنی پر　　(4) حویلی پر　　(3)

53۔ آوازۂ قوم کس کی نظم ہے ؟

(1) اقبال　　(2) اختر شیرانی

(3) چکبست　　(4) حالؔی　　(3)

54۔ چکبست کب اور کہاں پیدا ہوئے ؟

(1) 1882 لکھنو　　(2) 1881 علی گڑھ

(3) 1882 فیض آباد　　(4) 1880 دہلی　　(3)

55۔ پچھم لفظ کا متضاد کیا ہے ؟

(1) مغرب　　(2) پورب

(3) دکھن　　(4) اُتر　　(2)

56۔ ہندوؤں اور مسلمانوں میں ارتباط کس نے لکھا ؟

(1) سرسید　　(2) شبلی

(3) حالی　　(4) نظیر　　(1)

57۔ امرِ اضافی کا کیا معنی ہے ؟

(1) ضروری کام (2) فالتو کام

(3) مفید کام (4) الگ سے جڑا ہوا کام (4)

58۔ اپنا منھ لے کر رہ جانا، محاورے کا مطلب کیا ہے ؟

(1) شرمندہ ہونا (2) اہلیت ہونا

(3) ہار جانا (4) نقصان اٹھانا (1)

59۔ مرزا فرحت اللہ بیگ کے استاد کون تھے ؟

(1) مولوی نذیر احمد (2) سرسید احمد خاں

(3)حالی (4) رشید احمد صدیقی (1)

60۔ مچھر کہاں پیدا ہوتے ہیں ؟

(1) گندگی میں (2) پانی میں

(3) باغ میں (4) جنگل میں (1)

61۔ خواجہ حسن نظامی کب پیدا ہوئے ؟

(1) 1860 میں (2) 1850 میں

(3) 1878 میں (4) 1865 میں (3)

62۔ گدڑی کے لال، سبق میں مصنف نے نور خاں کی کیا خوبی بتائی ہے ؟

(1) وہ بہت لمبے تھے (2) وہ سچے فرض شناس تھے

(3) خوب صورت تھے (4) دولت مند تھے (2)

63۔ خوشامد نہ کرنے والے کیسے رہتے ہیں ؟

(1) خوش اور کامیاب (2) بلند

(3) پریشان اور محتاج (4) مست (3)

64۔ خورد اور کلاں سے کیا مطلب ہے ؟

(1) چھوٹا بڑا (2) اچھا برا

(3) امیر غریب (4) گورا کالا (1)

﴿300﴾ خزینہ اردو اکمل نعیم صدیقی

65۔ نظم، ایک شکایت، کے شاعر کا کیا نام ہے ؟

(1) جوشؔ (2) فیضؔ

(3) اقبالؔ (4) اکبرالہٰ آبادی (4)

66۔ اکبرالہٰ آبادی کب پیدا ہوئے ؟

(1) 1875 میں (2) 1857 میں

(3) 1900 میں (4) 1846 میں (4)

67۔ نواب مرزا شوق نے کون سی مثنوی لکھی ؟

(1) سرائے فانی (2) سحرالبیان

(3) گلزار نسیم (4) پھول بن (1)

68۔ مرزا شوقؔ کب اور کہاں پیدا ہوئے ؟

(1) لکھنو 1780 میں (2) دہلی 1790 میں

(3) علی گڑھ 1755 میں (4) بنارس 1758 میں (1)

69۔ صنم کدہ سے کیا مطلب ہے ؟

(1) رہنے کی جگہ (2) مندر

(3) مسجد (4) گھومنے کی جگہ (2)

70۔ سر سید کے اخلاق، مضمون کے مصنف کون ہیں ؟

(1) حالیؔ (2) نذیر احمد

(3) شبلیؔ (4) مولوی عبدالحق (1)

71۔ حالیؔ کے مطابق اگر سچائی مجسم شکل میں آتی تو کس کی شکل میں آتی ؟

(1) گھوڑے کی (2) شاہین کی

(3) کبوتر کی (4) شیر کی (4)

72۔ سرسید نے مدرستہ العلوم کہاں قائم کیا ؟

(1) غازی پور (2) دہلی میں

(3) علی گڑھ میں (4) لکھنؤ میں (3)

73۔ بے روزگاری کے دور میں الیکشن نفع بخش چیز ہے۔ یہ کس نے کہا ؟

(1) حالؔی نے (2) سرسید نے

(3) شبلؔی نے (4) رشید احمد صدیقی نے (4)

74۔ خائف کے معنی کیا ہے ؟

(1) ڈراؤنا (2) پاگل

(3) ڈرپوک، خوفزدہ (4) کمزور (3)

75۔ لیل و نہار کا کیا مطلب ہے ؟

(1) دوپہر، سہ پہر (2) شام، صبح

(3) چاند، سورج (4) رات، دن (4)

76۔ دبی زبان سے کہنا۔ محاورے کا کیا مطلب ہے ؟

(1) نرمی سے کہنا (2) بہت کم بولنا

(3) چپکے سے کہنا (4) اشاروں میں کہنا (3)

77۔ نعمان سیاح کا کردار کون سے مضمون میں ہے ؟

(1) سرسید کے اخلاق (2) الیکشن

(3) سیر تیسرے درویش کی (4) سنیما کا عشق (3)

78۔ سیر تیسر درویش کی، مضمون میں خواجہ سرا کس کا پیغام لاتا ہے ؟

(1) شہزادی کا (2) مسافر کا

(3) بادشاہ کا (4) سوداگر کا (1)

79۔ میر امن نے فارسی کتاب، اخلاق محسنی، کا ترجمہ کس نام سے کیا ؟

(1) گنج علم (2) جنگ اخلاق

(3) گنج خوبی (4) گنج اعمال (3)

80۔ میر امن کا تخلص کیا تھا ؟

(1) امن (2) امان

(3) میر (4) علی (2)

81۔ مرزا فرحت اللہ بیگ کا انتقال کب ہوا ؟

(1) 1928 میں (2) 1920 میں

(3) 1946 میں (4) 1930 میں (3)

82۔ مولوی عبدالحق کا انتقال کہاں ہوا ؟

(1) سعودی عرب میں (2) پاکستان میں

(3) ناگالینڈ میں (4) انگلینڈ میں (2)

83۔ اردو قواعد، کتاب کس نے لکھی ؟

(1) مولوی عبدالحق نے (2) انشاءاللہ خاں انشا نے

(3) سرسید نے (4) محمد حسین آزاد نے (1)

84۔ شاعری میں جو مقام میر تقی میر کو حاصل ہے، وہی مقام اردو نثر میں کس کو حاصل ہے ؟

(1) سرسید احمد کو (2) شبلی نعمانی کو

(3) مولانا حالی کو (4) میر امن کو (4)

85۔ حالی تحریروں میں کس سے پرہیز کرتے تھے ؟

(1) سادگی سے (2) عام فہم سے

(3) تکلف اور تصنع سے (4) کھڑی بولی سے (3)

86۔ رشید احمد صدیقی اردو نثر میں کس میدان کے نثر نگار ہیں ؟

(1) تاریخ (2) تصوف

(3) سوانح نگاری (4) طنز و مزاح (4)

87۔ درج ذیل شعر کس کا ہے ؟

غم رہا جب تک کہ دم میں دم رہا

دم کے جانے کا نہایت غم رہا

(1) غالب (2) حسرتؔ

(3) مومنؔ (4) میرؔ (4)

88۔ یہ شعر کس کا ہے ؟

رگوں میں دوڑتے پھرنے کے ہم نہیں قائل

جو آنکھوں سے ہی نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے

(1) حالیؔ (2) میرؔ

(3) غالبؔ (4) ناسخؔ (3)

89۔ مولانا ابوالکلام آزاد کب اور کہاں پیدا ہوئے ؟

(1) دہلی 1880 (2) لکھنو 1882

(3) مکہ معظّمہ 1888 (4) حیدراباد (3)

90۔ چوری چوری ہم سے تم آکر ملے تھے جس جگہ، یہ مصرعہ کس شاعر کا ہے ؟

(1) ذوقؔ (2) مومنؔ

(3) حسرت موہانیؔ (4) اقبالؔ (3)

91۔ چرخ کہن کا معنی کیا ہے ؟

(1) زمین (2) چرخہ

(3) چکر (4) پرانا آسمان (4)

92۔ امجد حیدرآبادی کی رباعیات کا موضوع کیا ہے ؟

(1) تصوف ومعرفت (2) رومانی

(3) جمالیاتی (4) تاریخی (1)

93۔ سرور جہاں آبادی کا پورا نام کیا ہے ؟

(1) رام سہائے (2) درگا سہائے

(3) رگھوپتی سہائے (4) پربھوسہائے (2)

94۔ نواب مرزا شوق لکھنوی کا نام کیا ہے ؟

(1) اخلاق حسین (2) تصدق حسین

(3) قربان حسین (4) عاشق حسین (2)

95۔ آتش لکھنوی کے شاگرد کون ہیں ؟

(1) عزیز لکھنوی (2) ناسخ لکھنوی

(3) نسیم لکھنوی (4) نواب مرزا شوق (1)

96۔ تاج محل کون سے دریا کے کنارے بنایا گیا ہے ؟

(1) راوی (2) گنگا

(3) جمنا (4)چمبل (3)

97۔ حضرت محمد کے والد کا نام کیا تھا ؟

(1) عبدالمطلب (2) ابوطالب

(3) اسماعیل (4) عبداللہ (4)

98۔ قافیہ کب استعمال ہوتا ہے ؟

(1) سب سے پہلے (2) ردیف سے پہلے

(3) سب سے بعد میں (4) ردیف کے بعد (2)

99۔ وہ الفاظ جن کے معنی ایک جیسے ہوں کہلاتے ہیں ؟

(1) مترادف (2) متضاد

(3) مذکر (4) مونث (1)

﴿300﴾ خزینہ اکمل نعیم صدیقی

100۔ کسی کام کو کرنے والا کہلاتا ہے ؟

(1) مفعول (2) فاعل

(3) فعل (4) ضمیر (2)

101۔ جو الفاظ اسم کی جگہ بولے جاتے ہیں، ان کو کہتے ہیں ؟

(1) ضمیر (2) فاعل

(3) صفت (4) مفعول (1)

102۔ خطاب کسے کہتے ہیں ؟

(1) کسی کا دیا ہوا خاص نام (2) شاعرانہ نام

(3) گھریلو نام (4) مشہور نام (1)

103۔ افسانہ، میرا بائی، کے مصنف ہیں ؟

(1) کرشن چندر (2) کنہیا لال کپور

(3) شیام کشور (4) گوپی چند نارنگ (3)

104۔ آم میٹھا ہے۔ اس میں میٹھا کیا ہے ؟

(1) ضمیر (2) صفت

(3) اسم (4) فعل (2)

105۔ رقیہ کاپی پڑھ رہی ہے۔ اس میں کاپی ہے ؟

(1) فاعل (2) فعل

(3) مفعول (4) صفت (3)

106۔ میر دردؔ کی سنہ پیدائش کیا ہے ؟

(1) 1820 (2) 1721

(3) 1802 (4) 1857 (2)

107۔ حسرت کس شاعر کی تقلید کرتے تھے ؟

(1) غالب کی (2) اقبالؔ کی

(3) مومنؔ کی (4) میرؔ کی (4)

108۔ دبیر کا پورا نام کیا تھا ؟

(1) ببر علی (2) محمد ابراہیم

(3) شجاعت علی (4) سلامت علی (4)

109۔ بہادر شاہ ظفر نے ذوقؔ کو کون سا خطاب دیا تھا ؟

(1) ملک الشعرا (2) شمس العلماء

(3) امام الشعرا (4) امام غزل (1)

110۔ انیسؔ کے والد کا کیا نام تھا ؟

(1) میر غلام حسین (2) امیر مینائی

(3) اقبال علی (4) میر خلیق (4)

111۔ امجد حیدر آبادی کی رباعیات کے مجموعے کا نام ہے ؟

(1) ریاض امجد (2) یاد امجد

(3) گلدستہ امجد (4) باغِ امجد (1)

112۔ اکبر الہٰ آبادی کا پورا نام کیا ہے ؟

(1) اقبال حسین (2) سید اکبر حسین رضوی

(3) جعفر علی خاں (4) اکبر علی خاں (2)

113۔ اکبر کو حکومت نے کون سا خطاب دیا تھا ؟

(1) شمس العلماء (2) عالیجناب

(3) آبروئے شاعری (4) خان بہادر (4)

114۔ سر سید نے مندرجہ ذیل میں سے کون سی کتاب لکھی ؟

(1) حیات جاوید (2) اردو صحافت

(3) یادگار غالب (4) جامِ جم (2)

115۔ سرسید نے اردو نثر میں کس کی بنیاد ڈالی ؟

(1) مدعا نگاری (2) حسن وعشق

(3) دوزخ وجنت (4) دین ومذہب (1)

116۔ مولانا ابوالکلام آزاد کو قلعہ احمد نگر کی جیل میں کب قید کیا گیا ؟

(1) 1938ء میں (2) 1940ء میں

(3) 1942ء میں (4) 1950ء میں (3)

117۔ مولانا ابوالکلام آزاد کا تریخی نام کیا ہے ؟

(1) آزاد (2) ابوالکلام

(3) فیروز بخت (4) محی الدین احمد (3)

118۔ پطرس بخاری اردو کے علاوہ اورکون سی زبان کے پروفیسر تھے ؟

(1) ہندی (2) انگریزی

(3) فارسی (4) عربی (2)

119۔ سرشار کا انتقال کب اور کہاں ہوا ؟

(1) 1902ء حیدرآباد (2) 1901ء دہلی

(3) 1904ء بمبئی (4) 1903ء لکھنو (3)

120۔ نیرنگ خیال، کی اسلوبیاتی خصوصیت کیا ہے ؟

(1) محاکات (2) ایہامی تحریر

(3) تمثیلی انشاء (4) خالص انشائیہ (4)

121۔ غالب، بے رنگ من است، کسے کہتے ہیں ؟

(1) اپنے فارسی کلام کو (2) اپنے اردو کلام کو

(3) اپنے مکتوبات کو (4) اپنے قصیدوں کو (2)

122۔ مسعود حسین خاں نے ہندوستان کے کس علاقے کو اردو زبان کا گہوارا بتایا ہے ؟

(1) پنجاب (2) نواح دہلی

(3) دکن (4) سندھ (2)

123۔ ڈرامہ اردو میں کس زبان کے توسط سے آیا ہے ؟

(1) انگریزی (2) سنسکرت

(3) فارسی (4) یونانی (4)

124۔ اردو کے پہلے اخبار کا نام تھا ؟

(1) جام جہاں نما (2) شمس الاخبار

(3) آگرہ اخبار (4) دہلی اردو اخبار (4)

125۔ غالب نے مکتوب نگاری میں نیا انداز کب شروع کیا ؟

(1) 1840ء (2) 1846ء

(3) 1851ء (4) 1860ء (2)

126۔ دکن کی پہلی نثری تصنیف کون سی ہے ؟

(1) سب رس (2) کلمۃ الحقائق

(3) کلمۃ الاسرا (4) معراج العاشقین (4)

127۔ قصیدے کی ہیئت میں ضروری جز :

(1) ردیف ہے (2) قافیہ ہے

(3) اشعار کی معین تعداد ہے (4) ان میں سے کوئی نہیں (4)

128۔ ذکر میر کا تعلق کس صنف سے ہے ؟

(1) سوانح (2) تذکرہ

(3) داستان (4) مکتوب (1)

129۔ آخری تحفہ کس کا افسانوی مجموعہ ہے ؟

(1) کرشن چندر (2) پریم چند

(3) راجندر سنگھ بیدی (4) انتظار حسین (2)

130۔ غزل کی خصوصیت کیا ہے ؟

(1) مضمون کا تسلسل (2) اشعار میں بے ربطگی

(3) ارتقائے خیال (4) ارتکازِ خیال (3)

131۔ گلشن ہند کس کا تذکرہ ہے ؟

(1) مرزا علی لطف (2) مرزا قدرت اللہ شوق

(3) میر تقی میرؔ (4) میر حسن (2)

132۔ مرثیہ کے لئے مسدس کا استعمال کس دور سے شروع ہوا ؟

(1) بہمنی (2) انشاء مصحفی

(3) آتش و ناسخ (4) میر و سودا (4)

133۔ متصوفانہ شاعری میں کسے اونچا مقام حاصل ہے ؟

(1) مرزا مظہر (2) آبرو

(3) میرؔ (4) دردؔ (4)

134۔ غدر کے بعد انحطاط سے گزرنے والی صنف تھی ؟

(1) مثنوی (2) نظم معری

(3) غزل (4) مرثیہ (3)

135۔ قنوطیت کا امام کسے کہا جاتا ہے ؟

(1) میر تقی میرؔ (2) میر دردؔ

(3) میر انیسؔ (4) غالبؔ (1)

136۔ مومنؔ کی مثنوی کا کیا نام ہے ؟

(1) قصہ بے نظیر (2) اسرار عجائب

(3) زہر عشق (4) اعجاز عشق (2)

137۔ فسانہ آزاد، کس اخبار میں قسط وار چھپا ؟

(1) جام جہاں نما (2) تہذیب الاخلاق

(3) اردو اخبار (4) اودھ اخبار (4)

138۔ اردو کا پہلا صاحب فکر شاعر کون ہے ؟

(1) میر تقی میرؔ (2) سوداؔ

(3) غالبؔ (4) اقبالؔ (4)

139۔ مومن کی غزلوں میں کون سی خاصیت پائی جاتی ہے ؟

(1) سوز و گداز (2) نازک خیالی

(3) فلسفہ طرازی (4) یاسیت (2)

140۔ غبن، کا مصنف کون ہے ؟

(1) پریم چند (2) سجاد ظہیر

(3) راشد الخیری (4) قرۃ العین حیدر (1)

141۔ اردو نثری ادب میں مضمون نگاری کا موجد کون ہے ؟

(1) غالبؔ (2) سر سید احمد خاں

(3) مولوی ذکاء اللہ (4) حیدر بخش حیدری (2)

142۔ رشید احمد صدیقی کا سنِ وفات کیا ہے ؟

(1) 1940ء (2) 1949ء

(3) 1977ء (4) 1984ء (4)

143۔ گنجہائے گرانمایہ، کا مصنف کون ہے ؟

(1) شوکت تھانوی (2) رشید احمد صدیقی

(3) پطرس بخاری (4) سرشار (2)

144۔ غزل گوئی سے غیر متعلق کون سی اصطلاح ہے ؟

(1) قافیہ (2) اطناب

(3) اجمال (4) ابہام (2)

145۔ استعارے میں ارکان تشبیہ سے کون سا لفظ استعمال ہوتا ہے ؟

(1) مشبہ (2) وجہ مشبہ

(3) مشبہ بہ (4) صرف تشبیہ (1)

146۔ دکن میں اردو، کا مصنف کون ہے ؟

(1) نصیر الدین ہاشمی (2) اختر اورینوی

(3) محی الدین قادری زور (4) عبدالقادر سروری (1)

147۔ مرثیہ سے متعلق کون سی اصطلاح ہے ؟

(1) تشبیب (2) قافیہ

(3) رجز (4)مطلع (3)

148۔ مندرجہ ذیل میں علم بیان سے متعلق کون سا لفظ ہے ؟

(1) تضاد (2) تجنیس

(3) تکرار (4) تشبیہ (2)

149۔ تشبیہ اور استعارے میں گہرا تعلق یہ ہے کہ استعارے میں۔

(1) مشبہ بہ کو مشبہ قرار دیا جاتا ہے۔

(2) مشبہ بہ کو حذف کر دیا جاتا ہے۔

(3) مشبہ کو مشبہ بہ قرار دیا جاتا ہے۔

(4) مشبہ اور مشبہ بہ دونوں کو حذف کر دیا جاتا ہے۔ (4)

RPSC II Grade Exam (Urdu) 2010/11

ا۔ 'مرض' کا مترادف ہے ؟

(ا) تندرستی (۲) علالت

(۳) خوشی (۴) غم (۲)

۲۔ 'شجر' کا مترادف ہے ؟

(ا) لکڑی (۲) سبزہ

(۳) درخت (۴) پھول (۳)

۳۔ 'طبل' کا مترادف ہے ؟

(ا) دمامہ (۲) زمانہ

(۳) جمانہ (۴) زنانہ (ا)

۴۔ 'ابن مریم' کون سی صنعت ہے ؟

(ا) مبالغہ (۲) تلمیح

(۳) حسن تعلیل (۴) ایہام (۲)

۵۔ محبت میں نہیں ہے فرق جینے اور مرنے کا

اسی کو دیکھ کر جیتے ہیں جس کافر پہ دم نکلے میں صنعت ہے ؟

(ا) تلمیح (۲) تضاد

(۳) ایہام (۴) مبالغہ (۲)

۶۔ ایک دن شب فراق میں رویا میں اس قدر

300 خزینہ اردو اکمل نعیم صدیقی

چوتھے فلک پہ پہنچا تھا پانی کمر کمر میں صنعت ہے؟

(۱) حسن تعلیل (۲) مبالغہ

(۳) ایہام (۴) تلمیح (۲)

۷۔ افسانے کے اجزا کتنے ہیں ؟

(۱) ٦ (۲) ۷

(۳) ۵ (۴) ۴ (۲)

۸۔ اردو کے پہلے افسانہ نگار ہیں ؟

(۱) کرشن چندر (۲) راجندر سنگھ بیدی

(۳) عصمت چغتائی (۴) پریم چند (۴)

۹۔ عصمت چغتائی کا افسانوی مجموعہ ہے ؟

(۱) کفن (۲) کلیاں

(۳) اندا تا (۴) پریم پچیسی (۲)

۱۰۔ 'پت جھڑ کی آواز' کس کا افسانہ ہے ؟

(۱) عصمت چغتائی (۲) کرشن چندر

(۳) خدیجہ مستور (۴) قرۃ العین حیدر (۲)

۱۱۔ 'سب رس' کے مصنف کون ہیں ؟

(۱) میرامن (۲) ملاوجہی

(۳) رجب علی بیگ سرور (۴) شوکت تھانوی (۲)

۱۲۔ 'فسانہ عجائب' کس کی تصنیف ہے ؟

(۱) راجندر سنگھ بیدی (۲) کرشن چندر

(۳) میر امن (۴) رجب علی بیگ سرور (۳)

۱۳۔ میر حسن کی مثنوی کا نام ہے ؟

(۱) گلزار نسیم (۲) سحر البیان

(۳) زہر عشق (۴) قصہ گل بکاؤلی (۲)

۱۴۔ پنڈت دیا شنکر نسیم ہیں ؟

(۱) مرثیہ نگار (۲) ناول نگار

(۳) افسانہ نگار (۴) مثنوی نگار (۴)

۱۵۔ امراؤ جان ادا کس کا ناول ہے ؟

(۱) مرزا ہادی (۲) راشد الخیری

(۳) پریم چند (۴) عصمت چغتائی (۱)

۱۶۔ رتن ناتھ سرشار کا مضمون 'لکھنو کی رئیسانہ زندگی کی ایک جھلک' کس ناول سے لیا گیا ہے؟

(۱) امراؤ جان ادا (۲) فسانہ آزاد

(۳) ذات شریف (۴) شریف زادہ (۲)

۱۷۔ لکھنو کی رئیسانہ زندگی کی ایک جھلک میں مزاحیہ کردار ہے ؟

(۱) خوجی (۲) ظاہر

(۳) نواب (۴) چوبدار (۱)

۱۸۔ سر سید نے کون سا رسالہ نکالا تھا ؟

(۱) تہذیب الاخلاق (۲) الہلال

(۳) البلاغ (۴) زمیندارت (۱)

۱۹۔ خدا کن کی مدد کرتا ہے ؟

(۱) غریبوں کی مدد (۲) جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں

(۳) لاچار اور کمزور کی (۴) بچوں کی (۲)

۲۰۔ سرسید کی تصنیف ہے ؟

(۱) عود ہندی (۲) خطبات احمدیہ

(۳) توبۃ النصوح (۴) نیرنگ خیال (۲)

۲۱۔ پریم چند جانے جاتے ہیں ؟

(۱) بحیثیت افسانہ نگار (۲) بحیثیت ناول نگار

(۳) ڈرامہ نگار (۴) مرثیہ نگار (۱)

۲۲۔ پریم چند کے یہاں کس کی عکاسی کی گئ ہے ؟

(۱) شہر کی (۲) دیہات کی

(۳) پورب کی (۴) بازار کی (۲)

۲۳۔ 'کفن' کس کا افسانہ ہے ؟

(۱) پریم چند (۲) کرشن چندر

(۳) قرۃ العین حیدر (۴) شوکت تھانوی (۱)

۲۴۔ 'مظلوم کی فریاد' کس کا مضمون ہے ؟

(۱) سجاد حیدر یلدرم (۲) راشد الخیری

(۳) پطرس بخاری (۴) عبدالحق (۲)

300 خزینہ اردو اکمل نعیم صدیقی

۲۵۔ یارباش مضون کس موضوع پر لکھا گیا ہے ؟

(۱) والدین کی محبت (۲) بزرگوں کی محبت

(۳) بچوں سے محبت (۴) دوستوں کی صحبت (۴)

۲۶۔ رشید احمد صدیقی کا مضمون ہے ؟

(۱) گزشتہ لکھنو (۲) شیخ پیرو

(۳) لاہور کا جغرافیہ (۴) اودھ پنچ (۱)

۲۷۔ اردو کا پہلا ڈرامہ ہے ؟

(۱) جگت سبھا (۲) اندر سبھا

(۳) راس لیلا (۴) آنکھ کا نشہ (۲)

۲۸۔ آغا حشر کاشمیری ہیں ؟

(۱) افسانہ نگار (۲) ڈرامہ نگار

(۳) ناول نگار (۴) خاکہ نگار (۲)

۲۹۔ امتیاز علی تاج نے کون سا ڈرامہ لکھا ؟

(۱) بھیشم پرتگیہ (۲) ترکی حور

(۳) اندر سبھا (۴) انارکلی (۴)

۳۰۔ 'پردہ غفلت' کس کا ڈرامہ ہے ؟

(۱) عابد حسین (۲) صالحہ عابد حسین

(۳) طالب بنارسی (۴) حکیم شجاع (۱)

۳۱۔ فورٹ ولیم کالج کس سن میں اور کہاں قائم کیا گیا ؟

300 خزینہ اردو اکمل نعیم صدیقی

(۱) ۱۷۰۰ء آگرہ میں (۲) ۱۸۰۰ء کلکتہ میں

(۳) ۱۷۰۷ء دہلی میں (۴) ۱۷۱۷ء لکھنؤ میں (۲)

۳۲۔ فورٹ ولیم کالج کے پہلے پرنسپل تھے ؟

(۱) سرجان گلکرسٹ (۲) سرایڈمنڈ کرائسٹ

(۳) سرہنری (۴) سرویلزلی (۱)

۳۳۔ فورٹ ولیم کالج میں کون سی مشہور کتاب لکھی گئی ؟

(۱) فسانہ عجائب (۲) باغ و بہار

(۳) اخلاق ہندی (۴) سب رس (۲)

۳۴۔ غالب کے خطوط کے مجموعے کا نام ہے ؟

(۱) عودِ اردو (۲) عودِ ہندی

(۳) خطوطِ غالب (۴) خطوطِ دوراں (۲)

۳۵۔ غالب کے خطوط سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بانی ہیں :

(۱) قدیم نثر کے (۲) جدید نثر کے

(۳) مسجع نثر کے (۴) مقفع نثر کے (۲)

۳۶۔ انشائیہ نگار ہیں ؟

(۱) وزیر آغا (۲) حامدی کاشمیری

(۳) احسن لکھنوی (۴) سجاد حیدر یلدرم (۴)

۳۷۔ سوانح نگاری کا مطلب ہے ؟

(۱) سیرت نگاری (۲) ناول نگاری

(۳) حقیقت نگاری (۴) مزاح نگاری (۱)

۳۸۔ حیات جاوید کس کی تصنیف ہے ؟

(۱) شبلی نعمانی (۲) الطاف حسین حالی

(۳) محمد حسین آزاد (۴) نذیر احمد (۲)

۳۹۔ میرؔ کو کہا جاتا ہے ؟

(۱) ملک الشعرا (۲) خدائے سخن

(۳) امیرِ سخن (۴) دبیر الدولہ (۲)

۴۰۔ درج ذیل شعر کس کا ہے ؟

الٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا
دیکھا اس بیماریٔ دل نے آخر کام تمام کیا

(۱) ذوقؔ (۲) مومنؔ

(۳) میر تقی میرؔ (۴) دردؔ (۳)

۴۱۔ دردؔ کب اور کہاں پیدا ہوئے ؟

(۱) ۱۸۲۱ء میں دہلی میں (۲) ۱۸۲۹ء میں آگرہ میں

(۳) ۱۸۳۱ء میں رامپور میں (۴) ۱۸۳۹ء میں لکھنؤ میں (۱)

۴۲۔ درد شاعر ہیں :

(۱) تغزل (۲) حسن و عشق

(۳) فلسفہ (۴) تصوف (۴)

۴۳۔ غزل کا پہلا شاعر ہے ؟

(۱) ولی دکنی (۲) میر
(۳) امیر خسرو (۴) غالب (۳)

۴۴۔ قصیدہ کے اجزائے ہیں ؟

(۱) دعا (۲) وفا
(۳) خطا (۴) جزا (۱)

۴۵۔ قصیدہ نگار ہیں ؟

(۱) سوداؔ (۲) مومنؔ
(۳) اقبالؔ (۴) فیضؔ (۱)

۶۴۔ مرثیہ نگار ہیں ؟

(۱) ذوقؔ (۲) شیفتہؔ
(۳) انیسؔ (۴) جوشؔ (۳)

۴۷۔ تشبیہ ہے ؟

(۱) پھول سا چہرا (۲) رات اور دن
(۳) مرنا جینا (۴) صبح و شام (۱)

درج ذیل شعر میں کون سی صنعت ہے ؟

اپنا تکیہ ہے خدا کی ذات پر
ہاتھ رکھ کر زیر سو جائیں گے

(۱) تضاد (۲) مبالغہ
(۳) تلمیح (۴) ایہام (۴)

300

۴۹۔ درج ذیل شعر میں کون سی صنعت ہے ؟

زیر زمیں سے آتا ہے جو گل سو زر بکف

قاروں نے راستہ میں لٹایا خزانہ کیا

(۱) تضاد (۲) حسن تعلیل

(۳) ایہام (۴) مبالغہ (۳)

۵۰۔ ظالم لفظ کا تضاد ہے ؟

(۱) مظلوم (۲) ظلم

(۳) ملزم (۴) ملزوم (۱)

۵۱۔ کسی بھی تاریخی یا قرآنی واقعہ کی طرف اشارہ کہلاتا ہے ؟

(۱) حسن تعلیل (۲) تلمیح

(۳) استعارہ (۴) تشبیہ (۲)

۵۲۔ غالب کے شاگرد تھے ؟

(۱) میرؔ (۲) مومنؔ

(۳) شیفتہؔ (۴) حالیؔ (۴)

۵۳۔ غالب کس مغل بادشاہ کے دربار سے منسلک تھے ؟

(۱) اورنگ زیب (۲) واجد علی شاہ

(۳) فرخ سیر (۴) بہادر شاہ ظفر (۴)

۵۴۔ حالیؔ نے کون سی مشہور نظم لکھی ؟

(۱) البیلی صبح (۲) کسان

300 خزینہ اردو اکمل نعیم صدیقی

(۳) ہولی (۴) مسدس مدو جزر اسلام (۴)

۵۵۔ مومنؔ کا پورا نام تھا ؟

(۱) مومن اللہ مومن (۲) مومن خاں مومنؔ

(۳) مومن شاہ مومنؔ (۴) مومن شیخ مومنؔ (۲)

۵۶۔ دریائے لطافت میں انشاء نے کتنے حروف تہجی لکھے ہیں ؟

(۱) ۵۱ (۲) ۴۰

(۳) ۴۵ (۴) ۴۲ (۴)

۵۷۔ مولوی عبدالحق نے قواعد اردو میں کتنے حروف تہجی لکھے ہیں ؟

(۱) ۴۸ (۲) ۴۱

(۳) ۵۲ (۴) ۵۰ (۴)

۵۸۔ صحیح املا ہے ؟

(۱) مژگاں (۲) مزگاں

(۳) مظگاں (۴) مدگاں (۱)

۵۹۔ اضافت زیر کا استعمال کس لفظ میں ہوا ہے ؟

(۱) نوع انسان (۲) موج دریا

(۳) شاخ گل (۴) رازِ گل (۴)

۶۰۔ نون غنہ کا استعمال ہوتا ہے ؟

(۱) لفظ کے شروع میں (۲) لفظ کے بیچ میں

(۳) لفظ کے آخر میں (۴) کہیں نہیں (۳)

۶۱۔ اضافت کا لفظی مطلب ہوتا ہے ؟

(۱) نسبت (۲) توڑنا

(۳) ترتیب دینا (۴) آنا (۱)

۶۲۔ واؤ عطف کا استعمال ہوا ہے ؟

(۱) رات دن (۲) جینا مرنا

(۳) شام وسحر (۴) موت زندگی (۳)

۶۳۔ اردو میں کتنے قسم کی تنوین ہوتی ہے ؟

(۱) دو طرح کی (۲) تین طرح کی

(۳) چار طرح کی (۴) ایک طرح کی (۲)

۶۴۔ ان حروف میں سے مصوتہ ہے ؟

(۱) ا (۲) ب

(۳) ح (۴) ج (۱)

۶۵۔ نیم مصوتہ ہے ؟

(۱) ر (۲) ی

(۳) ز (۴) ج (۲)

۶۶۔ مصمتی حروف کتنے ہیں ؟

(۱) ۳۵ (۲) ۳۱

(۳) ۲۸ (۴) ۳۰ (۱)

۶۷۔ تشدید کے لفظی معنی ہیں ؟

﴿300﴾ خزینہ اردو

(۱) جذبات پیدا کرنا (۲) شدت پیدا کرنا

(۳) بیان کرنا (۴) کچھ بھی نہیں (۲)

۶۸۔ عبارت آرائی کا صحیح طریقہ ہے ؟

(۱) الفاظ سہل اور جملے چھوٹے و آسان ہوں

(۲) الفاظ مشکل اور جملے بڑے ہوں

(۳) الفاظ سہل اور جملے بڑے ہوں

(۴) ان میں سے کوئی نہیں (۱)

۶۹۔ انشا پردازی کسے کہتے ہیں ؟

(۱) تحریر کا موثر طریقہ (۲) تقریر کا موثر طریقہ

(۳) تدریس کا طریقہ (۴) کلاس میں پڑھانے کا طریقہ (۱)

۷۰۔ تدریس کا صحیح طریقہ ہے ؟

(۱) بورڈ پر لکھوایا جائے (۲) ابتدا میں چھوٹے جملے لکھوائیں

(۳) مشق کرائی جائے (۴) کوئی نہیں (۲)

۷۱۔ تحریر کے موثر طریقہ کے لئے ضروری ہے ؟

(۱) قواعد (۲) عبارت آرائی

(۳) مضمون نگاری (۴) خطوط نگاری (۱)

۷۲۔ پڑھانے کے لئے ضروری ہے ؟

(۱) تلفظ اور آوازوں کی مشق (۲) مضمون لکھنے کی مشق

(۳) گھر کے لئے سبق (۴) انشا نویسی (۱)

۷۳۔ فعل مجہول کہتے ہیں ؟

(۱) جس میں فاعل کا پتہ چلتا ہو (۲) جس میں فاعل کا پتہ نہ چلتا ہو

(۳) جس میں مفعول کا پتہ چلتا ہو (۴) جس میں مفعول کا پتہ نہ چلتا ہو (۲)

۷۴۔ فعل ماضی ہے ؟

(۱) راشد جائے گا (۲) راشد لکھتا ہے۔

(۳) راشد نے خط لکھا (۴) ان میں سے کوئی نہیں (۳)

۷۵۔ تختہ سیاہ کا استعمال ہوتا ہے ؟

(۱) تقریر کرنے میں (۲) بیٹھنے کے لئے

(۳) نقل نویسی کے لئے (۴) پھانسی کے لئے (۳)

۷۶۔ حروف تہجی (ہ) کے بعد کون سا حرف آتا ہے ؟

(۱) م (۲) ن

(۳) لا (۴) و (۳)

۷۷۔ گلستاں لفظ کے معنی ہیں ؟

(۱) باغ (۲) گھر

(۳) راستہ (۴) پہاڑ (۱)

۷۸۔ غافل لفظ کے معنی کیا ہیں ؟

(۱) عقل مند (۲) بے وقوف

(۳) چالاک (۴) بے خبر (۴)

۷۹۔ درکھت کا صحیح املا ہے ؟

(۱) درکت (۲) دخرت

(۳) درخت (۴) درجت (۳)

۸۰۔ سرسید احمد خاں کب اور کہاں پیدا ہوئے ؟

(۱) ۱۸۱۷ لکھنؤ (۲) ۱۸۱۷ دہلی

(۳) ۱۸۱۰ جے پور (۴) ۱۸۱۱ علی گڑھ (۲)

۸۱۔ سرسید احمد خاں نے کون سا رسالہ نکالا تھا؟

(۱) تہذیب الاخلاق (۲) تیج

(۳) اودھ پنچ (۴) اردوئے معلیٰ (۱)

۸۲۔ سبق (وقت) کے مصنف کا کیا نام ہے ؟

(۱) سرسید احمد خاں (۲) محمد حسین آزاد

(۳) شیخ سعدی (۴) نذیر احمد (۴)

۸۳۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی درگاہ ہے۔

(۱) دہلی میں (۲) بغداد میں

(۳) اجمیر میں (۴) لاہور میں (۳)

۸۴۔ ڈاکٹر کلام صاحب کو کہا جاتا ہے ؟

(۱) میزائل مین (۲) گن مین

(۳) ون مین (۴) راکٹ مین (۱)

۸۵۔ مضمون سرسید کے اخلاق کے مصنف ہیں ؟

(۱) محمد حسین آزاد (۲) الطاف حسین حالی

(۳) علامہ شبلی (۴) نذیر احمد (۲)

۸۶۔ رشید احمد صدیقی کا انتقال کب اور کہاں ہوا ؟

(۱) علی گڑھ ۱۹۷۷ (۲) دہلی ۱۹۷۰

(۳) کانپور ۱۹۷۲ (۴) لکھنؤ ۱۹۷۱ (۱)

۸۷۔ سنیما ہال میں مصنف کا سر اندھیرا ہونے کے سبب کس چیز سے ٹکرا گیا تھا ؟

(۱) بالٹیوں سے (۲) پنکھے سے

(۳) دروازے سے (۴) کھڑکی سے (۱)

۸۸۔ 'سیر تیسرے درویش کی' کس داستان سے لی گئی ہے ؟

(۱) طلسم ہوش ربا (۲) باغ و بہار

(۳) حسن و دل (۴) سب رس (۲)

۸۹۔ خواجہ الطاف حسین حالی کہاں پیدا ہوئے ؟

(۱) پانی پت میں (۲) آگرہ میں

(۳) دہلی میں (۴) علی گڑھ میں (۱)

۹۰۔ میر امن کی تصنیف کا نام لکھئے ؟

(۱) فسانہ عجائب (۲) امراؤ جان

(۳) نیرنگ خیال (۴) باغ و بہار (۴)

۹۱۔ پطرس بخاری بنیادی طور پر تھے ؟

(۱) طنز و مزاح نگار (۲) افسانہ نگار

(۳) ڈرامہ نگار (۴) ناول نگار (۱)

۹۲۔ خواجہ حسن نظامی کہاں کے رہنے والے تھے ؟

(۱) سہارنپور (۲) کانپور

(۳) دہلی (۴) آگرہ (۳)

۹۳۔ مولوی نذیر احمد کب اور کہاں پیدا ہوئے ؟

(۱) ۱۸۳۵ دہلی (۲) ۱۸۳۶ بجنور

(۳) ۱۸۳۶ لکھنو (۴) ۱۸۳۰ سیالکوٹ (۲)

۹۴۔ رشید احمد صدیقی کی اہم تصنیف ہے ؟

(۱) خنداں (۲) چنداں

(۳) الیکشن (۴) سخندان فارس (۱)

۹۵۔ پطرس بخاری کا مضمون ہے ؟

(۱) گائے (۲) کتے

(۳) آب حیات (۴) جوانی (۲)

۹۶۔ حالی کی تصنیف ہے ؟

(۱) نیرنگ خیال (۲) الغزالی

(۳) یادگار غالب (۴) الفاروق (۳)

۹۷۔ ڈپٹی نظیر احمد تھے ؟

(۱) ناول نگار (۲) افسانہ نگار

(۳) ڈرامہ نگار (۴) خاکہ نگار (۱)

۹۸۔ ’آدمی نامہ‘ نظم کے نظم نگار کون ہیں ؟

(۱) حالی (۲) اکبرالہ آبادی

(۳) نظیرا کبرآبادی (۴) شبلی نعمانی (۳)

۹۹۔ نظیر کا لقب ہے ؟

(۱) عوامی شاعر (۲) رومانی شاعر

(۳) ہندی شاعر (۴) انقلابی شاعر (۱)

۱۰۰۔ 'ترانہ ہندی' کے شاعر کون ہیں ؟

(۱) اکبرؔ (۲) اقبالؔ

(۳) حالیؔ (۴) نظیرؔ (۲)

۱۰۱۔ کس نے کہا کہ اللہ نے مجھ کو مشعل دی ؟

(۱) بلبل نے (۲) جگنو نے

(۳) جھینگر نے (۴) عقاب نے (۲)

۱۰۲۔ نظم 'ہمدردی' کے شاعر کا نام ہے ؟

(۱) افسر میرٹھی (۲) الطاف حسین حالی

(۳) علامہ اقبال (۴) اسماعیل میرٹھی (۳)

۱۰۳۔ اقبال کے شعری مجموعے کا نام ہے ؟

(۱) بانگ درا (۲) نئی دنیا کو سلام

(۳) آب جو (۴) سب رنگ (۱)

۱۰۴۔ چکبست کب اور کہاں پیدا ہوئے ؟

(۱) ۱۸۸۲ فیض آباد (۲) ۱۸۸۰ آگرہ

(۳) ۱۸۸۳دہلی (۴) ۱۸۷۸ کلکتہ (۱)

۱۰۵۔ 'وطن کے باغ میں اپنا ہی انتظام رہے' انتظام سے شاعر کی کیا مراد ہے ؟

(۱) انگریزوں کی حکومت (۲) ہندوستانی عوام کی حکومت

(۳) غیروں کی حکومت (۴) دوسروں کی حکومت (۲)

۱۰۶۔ پچھّم میں کون ڈوبتا ہے ؟

(۱) ماہتاب (۲) آسمان

(۳) آفتاب (۴) زمین (۳)

۱۰۷۔ شفیع الدین نیر نے کس کے لئے لکھا ؟

(۱) بچوں کے لئے (۲) عورتوں کے لئے

(۳) بوڑھوں کے لئے (۴) جوانوں کے لئے (۱)

۱۰۸۔ خواجہ میر درد کی ولادت کس سن میں ہوئی ؟

(۱) ۱۷۲۱ (۲) ۱۷۳۱

(۳) ۱۸۳۱ (۴) ۱۹۳۱ (۱)

۱۰۹۔ آہ کو چاہئے اک عمر اثر ہونے تک۔۔۔۔کس کا شعر ہے ؟

(۱) دردؔ (۲) غالبؔ

(۳) مومنؔ (۴) شیفتہؔ (۲)

۱۱۰۔ اسدؔ کس کا تخلص تھا ؟

(۱) مومنؔ (۲) میرؔ

(۳) محسنؔ (۴) غالبؔ (۴)

۱۱۱۔ نظم کے کیا معنی ہیں ؟

(۱) گرہ لگانا (۲) پرونا

(۳) ترتیب یا آرائش (۴) جوڑنا (۲)

۱۱۲۔ غزل کے پہلے مصرعے کو کیا کہتے ہیں ؟

(۱) مقطع (۲) مطلع

(۳) حسن مطلع (۴) قطعہ (۲)

۱۱۳۔ جس غزل میں ردیف نہ ہو اور صرف قافیے ہوں:

(۱) مردّف (۲) غیر مردّف

(۳) مقفع (۴) زیب مطلع (۲)

۱۱۴۔ مرثیہ کے معنی ہیں ؟

(۱) ماتم کرنا (۲) خوشی منانا

(۳) غصہ کرنا (۴) اظہار کرنا (۱)

۱۱۵۔ میر انیس کا پورا نام تھا ؟

(۱) میر تقی علی (۲) میر مظہر علی

(۳) میر ببر علی (۴) میر دبیر علی (۳)

۱۱۶۔ کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے ----۔

(۱) دبیرؔ (۲) انیسؔ

(۳) ظہیر (۴) مونسؔ (۲)

۱۱۷۔ مرثیہ کا جزو ہے ؛

(۱) رجز (۲) تشبیب

(۳) مدح (۴) دعا (۱)

۱۱۸۔ رباعی کتنے مصرعوں پر مشتمل ہوتی ہے ؟

(۱) تین (۲) پانچ

(۳) چار (۴) دو (۳)

۱۱۹۔ رباعی کس زبان کا لفظ ہے ؟

(۱) فارسی (۲) ترکی

(۳) عربی (۴) ہندی (۳)

۱۲۰۔ حسرت موہانی تھے ؟

(۱) نثر نگار (۲) ڈرامہ نگار

(۳) وطن پرست (۴) مرثیہ نگار (۳)

۱۲۱۔ امجد حیدر آبادی کہاں اور کس سن میں پیدا ہوئے ؟

(۱) ۱۸۸۶ دہلی میں (۲) ۱۸۹۶ لکھنؤ میں

(۳) ۱۸۸۸ آگرہ میں (۴) ۱۸۸۶ حیدر آباد میں (۴)

۱۲۲۔ غالب کے ہم عصر شاعر کون ہیں ؟

(۱) شیفتہ (۲) میر

(۳) ولی (۴) فیض (۲)

۱۲۳۔ غالب نے اپنے کلام میں کیا پیدا کیا ؟

(۱) قدامت (۲) جدّت

(۳) مزاح (۴) طنز (۲)

۱۲۴۔ اکبرالہٰ آبادی کی شاعری میں پایا جاتا ہے ؟

(۱) حسن وعشق (۲) طنز ومزاح

(۳) فلسفہ (۴) اخلاقیات (۲)

۱۲۵۔ اکبرالہٰ آبادی کو حکومت سے خطاب کب ملا ؟

(۱) ۱۸۹۴ (۲) ۱۷۹۴

(۳) ۱۹۹۴ (۴) ۱۷۹۶ (۱)

۱۲۶۔ راست بازی کے کیا معنی ہیں ؟

(۱) سچائی (۲) ایمان داری

(۳) نیکی (۴) بے وقوفی (۲)

۱۲۷۔ اقبال نے کون سا پیشہ اختیار کیا ؟

(۱) وکالت (۲) پروفیسر

(۳) ڈاکٹر (۴) انجینئر (۱)

۱۲۸۔ مضمون کتنے قسم کے ہوتے ہیں ؟

(۱) دو (۲) تین

(۳) چار (۴) پانچ (۲)

۱۲۹۔ تمہید مضمون کے کس حصے میں آتی ہے ؟

(۱) بیچ میں (۲) اختتام میں

(۳) شروع میں (۴) عنوان میں (۳)

۱۳۰۔ ادبی مضمون ہے ؟

(۱) کانفرنس پر (۲) بے روزگاری کے مسئلے پر

(۳) شخصیت پر (۴) ادب پر (۴)

۱۳۱۔ جے پور کس زمرے میں آتا ہے ؟

(۱) فعل (۲) اسم

(۳) ضمیر (۴) واحد (۲)

۱۳۲۔ اسدؔ ہے ؟

(۱) نام (۲) کنیت

(۳) تخلص (۴) لقب (۳)

۱۳۳۔ اسم معرفہ کی قسمیں ہیں ؟

(۱) ۶ (۲) ۴

(۳) ۵ (۴) ۸ (۳)

۱۳۴۔ آدمی ہے ؟

(۱) اسم نکرہ (۲) اسم عرفیت

(۳) اسم خطاب (۴) اسم تخلص (۱)

۱۳۵۔ 'پڑھنا' ہے ۔

(۱) مفعول (۲) فاعل

(۳) ضمیر (۴) فعل (۴)

۱۳۶۔ محمود نے خط لکھا ہے۔اس میں محمود کیا ہے ؟

(۱) فاعل　(۲) مفعول
(۳) فعل　(۴) ضمیر　(۱)

۱۳۷۔ 'تم' کیا ہے ؟
(۱) فاعل　(۲) مفعول
(۳) ضمیر　(۴) فعل　(۳)

۱۳۸۔ مذکر ہے ؟
(۱) لڑکا　(۲) لڑکی
(۳) مرغی　(۴) گھوڑی　(۱)

۱۳۹۔ 'بنت' ہے ؟
(۱) مذکر　(۲) مونث
(۳) فاعل　(۴) ضمیر　(۲)

۱۴۰۔ رکن کی جمع ہے ؟
(۱) ارکان　(۲) ارکن
(۳) رکان　(۴) رکنیت　(۱)

۱۴۱۔ ادیب کی جمع ہے ؟
(۱) آداب　(۲) ادبی
(۳) ادباء　(۴) ادبیت　(۳)

۱۴۲۔ ادوار کا واحد ہے ؟
(۱) داور　(۲) دور

(۳) دوار (۴) دیور (۲)

۱۴۳۔ خوش دامن ہے ؟

(۱) فعل (۲) واحد

(۳) جمع (۴) مونث (۴)

۱۴۴۔ پوشیدہ کا متضاد ہے ؟

(۱) نمایاں (۲) پرانا

(۳) نمائندہ (۴) نیا (۱)

۱۴۵۔ خورد کا متضاد ہے ؟

(۱) پرانا (۲) نیا

(۳) کلاں (۴) رونا (۳)

۱۴۶۔ راہبر کا متضاد ہے ؟

(۱) ایماندار (۲) جاندار

(۳) راہزن (۴) پائیدار (۳)

۱۴۷۔ محاورہ کس زبان کا لفظ ہے ؟

(۱) ترکی (۲) فارسی

(۳) عربی (۴) ہندی (۳)

۱۴۸۔ 'آب آب ہونا' محاورے کا مطلب ہے ؟

(۱) خوش ہونا (۲) غصہ ہونا

(۳) شرمندہ ہونا (۴) رونا (۳)

۱۴۹۔ 'طوطی بولنا' محاورے کا مطلب ہے ؟

(۱) دبدبہ ہونا (۲) پانی پانی ہونا

(۳) مشہور ہونا (۴) بے عزت ہونا (۱)

۱۵۰۔ 'سورج کو چراغ دکھانا' محاورے کا مطلب ہے ؟

(۱) بے وقوف کو سمجھانا (۲) آنسو پونچھنا

(۳) عقل مند کو عقل کی بات بتانا (۴) اونچائی پر جانا (3)

خزینہ اردو 300 اکمل نعیم صدیقی

RPSC II Grade Exam (Urdu) 2013

(1) انگریزوں نے اردو کو کس نام سے پکارا ؟

(1) گجری (2) ہندوی

(3) ہندی (4) اردوئے معلیٰ (2)

(2) پنجاب میں اردو، کے مصنف ہیں۔

(1) اختر شیرانی (2) محمود شیرانی

(3) گیان چند جین (4) گوپی چند نارنگ (2)

(3) مندرجہ ذیل میں سے کون سا املا درست ہے ؟

(1) کشش (2) کشس

(3) قصش (4) کصص (1)

(4) اردو کہاں پیدا ہوئی ؟

(1) ایران میں (2) عرب میں

(3) ہندوستان میں (4) ترکی میں (3)

(5) مغنی کا معنی ہے ؟

(1) گانے والا (2) فنی طبیعت والا

(3) واقف (4) فرشتہ (1)

(6) پُرآشوب کے کیا معنی ہیں ؟

(1) پُرسکون (2) پرکشش

(3) پرشوق (4) جہاں اتھل پتھل مچی ہو (4)

(7) چشم خوں فشاں کے کیا معنی ہیں ؟

(1) آنسو بہانے والی آنکھ (2) خون بہانے والی آنکھ

(3) سرخ ڈوروں والی آنکھ (4) موتیا بند والی آنکھ (2)

(8) تجلی کدہ کے معنی کیا ہیں ؟

(1) اندھیری جگہ (2) روشن جگہ

(3) غلط جگہ (4) پتھریلی جگہ (2)

(9) سویرے جو کل میری آنکھ کھلی، کس کا مضمون ہے ؟

(1) منشی پریم چند (2) محمد مجیب

(3) ڈپٹی نذیر احمد (4) کوئی نہیں (4)

(10) چوتھی کا جوڑا، کیا ہے ؟

(1) ناول (2) افسانہ

(3) خاکہ (4) انشائیہ (2)

(11) پہاڑ اور گلہری، نظم میں گلہری نے پہاڑ سے کیا کہا تھا ؟

(1) پہاڑ میں طاقت ہے (2) پہاڑ ٹھوس ہے

(3) پہاڑ سے ندیاں نکلتی ہیں (4) مجھے درخت پر چڑھنا آتا ہے۔ (4)

12۔ خدا کے نام خط، سبق میں لین شو نے لفافے پر کس کا پتہ لکھا ؟

(1) دوست کا (2) والدین کا

(3) سسرال کا (4) خدا کا پتہ (4)

13۔ میر امن کہاں پیدا ہوئے ؟

(1) جے پور (2) اودے پور

(3) دہلی (4) گجرات (3)

14۔ ژالہ باری سے کیا نقصانات ہوئے ؟

(1) مکان گر گیا (2) فصل چوپٹ ہوگئی

(3) بچے زخمی ہو گئے (4) سامان خراب ہو گیا (2)

15۔ زمین سے بڑے آگ کے گولے کون سے ہیں ؟

(1) سورج (2) چاند

(3) آتش فشاں پہاڑ (4) کوئی نہیں (3)

16۔ وزیر علی کے کارنامے سن کر کس کے کارنامے یاد آتے ہیں ؟

(1) سراج الدولہ (2) ٹیپو سلطان

(3) شمس الدولہ (4) حیدر علی (2)

17۔ کرنل سے کارتوس مانگنے والا جوان کون تھا ؟

(1) امیر علی (2) سعادت علی

(3) وزیر علی (4) حیدر علی (3)

18۔ باغ و بہار کس کی تصنیف ہے ؟

(1) کرشن چندر (2) اجندر سنگھ بیدی

(3) عصمت چغتائی (4) میر امن (4)

19۔ مچھر، سبق میں انسان کو کیا نصیحت کی گئی ہے ؟

(1) سوتے رہو (2) غفلت میں رہو

(3) بیدار رہو (4) عبادت کرو (4)

20۔ مچھر، سبق میں مصنف نے کس بادشاہ کا ذکر کیا ہے، جو خدائی کا دعویٰ کرتا تھا ؟

(1) فرعون (2) شداد

(3) نمرود (4) قارون (3)

21۔ آب حیات کیا ہے ؟

(1) افسانہ (2) ناول

(3) اردو شاعری کی تاریخ کی پہلی کتاب (4) ڈرامہ (3)

22۔ چرکہ لگانا، محاورے کا مطلب ہے ؟

(1) فائدہ پہنچانا (2) زخم لگانا

(3) مزہ چکھانا (4) بدلہ لینا (2)

23۔ مندرجہ ذیل میں سے محاورہ کون سا ہے ؟

(1) کوئی اثر نہ ہونا (2) وارے نیارے ہونا

(3) خوب فائدہ اٹھانا (4) ہوش میں آجانا (2)

24۔ غالب جدید شعرا کی مجلس میں، سبق میں ن۔م۔راشد کی نظم پر میراجی نے کیا تبصرہ کیا ؟

(1) صدی کی سب سے خراب نظم (2) صدی کی سب سے آگے کی نظم

(3) صدی کی سب سے اچھی نظم (4) صدی کی سب سے جدید نظم (3)

25۔ بکرماجیت ورمانے جو کلام سنایا اس کا تعلق کس صنف سے ہے ؟

(1) نثری نظم (2) جدید گیت

(3) ہائیکو (4) گیت (4)

26۔ سیرت النبی، کس کی تصنیف ہے ؟

(1) اقبالؔ (2) شبلی نعمانی

(3) فراقؔ گورکھپوری (4) مجنوں گورکھپوری (2)

27۔ کون سی سوانح عمری حالیؔ کی لکھی نہیں ہے ؟

(1) یادگار غالب (2) حیات جاوید

(3) حیات سعدی (4) سوانح مولانا روم (4)

28۔ پیروڈی کسے کہتے ہیں ؟

(1) گیت لکھنا (2) سنجیدہ نظم لکھنا

(3) کسی نظم کی مزاحیہ نقل (4) مزاحیہ نظم (3)

29۔ میراثی کسے کہتے ہیں ؟

(1) گانے بجانے والی قوم (2) ناچنے والی قوم

(3) نقالی کرنے والی قوم (4) سوداگری کرنے والی قوم (1)

30۔ قرۃ العین حیدر کا پہلا افسانوی مجموعہ کون سا ہے ؟

(1) ستاروں کے آگے (2) پت جھڑ کی آواز

(2) سفینہ غم ودل (4) چاندنی بیگم (2)

31۔ قرۃ العین حیدر کو ادب (ساہتیہ) کا کون سا سب سے بڑا ایوارڈ ملا تھا ؟

(1) ساہتیہ اکادمی پرسکار (2) گیان پیٹھ پرسکار

(3) اقبال سمان (4) پدم بھوشن (2)

32۔ لندن کی ایک رات، کس کی تصنیف ہے ؟

(1) پریم چند (2) مرزا رسوا

(3) مولانا آزاد (4) سجاد ظہیر (4)

33۔ بنے بھائی کے نام سے کون سے ادیب مشہور ہوئے ؟

(1) اعجاز احمد (2) سعادت حسن منٹو

(3) سجاد ظہیر (4) امتیاز علی تاج (3)

34۔ کرشن چندر کا بچپن کہاں گزرا ؟

(1) یوپی (2) راجستھان

(3) کشمیر (4) بمبئی (3)

35۔ سجاد ظہیر نے 1936 میں کس انجمن کو قائم کیا ؟

(1) انجمن زندہ دلاں (2) انجمن پنجاب

(3) انجمن ترقی پسند مصنفین (4) انجمن قومی آزادی (3)

36۔ میری یادوں کے چنار، کس کی تصنیف ہے ؟

(1) کرشن چندر (2) عصمت چغتائی

(3) قرۃ العین حیدر (4) سجاد ظہیر (1)

37۔ پریم چند کا اصلی نام کیا تھا ؟

(1) دھنپت رائے (2) موہن رائے

(3) سوہن رائے (4) رامیشور رائے (1)

38۔ پریم چند کا پہلا افسانوی مجموعہ کون سا ہے ؟

(1) پریم بتیسی (2) پریم پچیسی

(3) واردات (4) سوزِ وطن (4)

39۔ میدانِ عمل کیا ہے ؟

(1) ناول (2) افسانہ

(3) خاکہ (4) انشائیہ (1)

40۔ میر امن کون سے کالج میں ملازمت کرتے تھے ؟

(1) دلی کالج (2) علی گڑھ کالج

(3) فورٹ ولیم کالج (4) انشائیہ (3)

41۔ موت کا ایک دن معین ہے

مندرجہ بالا شعر کا دوسرا مصرعہ کون سا ہے

(1) رات بھر جاگتے گزرتی ہے (2) نیند رات بھر آتی ہے

(3) نیند کیوں رات بھر نہیں آتی (4) صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے (3)

42۔ پطرس کا اصلی نام کیا تھا ؟

(1) علی احمد بخاری (2) سید احمد شاہ بخاری

(3) شاہین علی بخاری (4) سید محمد شاہ بخاری (2)

43۔ پطرس کے مضامین کی نوعیت ہے ؟

(1) سنجیدہ (2) مزاحیہ

(3) بیانیہ (4) کوئی نہیں (2)

44۔ چوتھی کا جوڑا، افسانے میں کبریٰ کا چوتھی کا جوڑا کس رنگ کا تیار ہوا ؟

(1) لال (2) ہرا

(3) سفید (4) کالا (3)

45۔ نظم اے شریف انسانوں، کا مرکزی خیال ہے ؟

(1) دوستی دشمنی (2) بھائی چارگی

(3) جنگ وجدل (4) قربانی (2)

46۔ محمد حسین آزاد کس تحریک سے وابستہ تھے ؟

(1) ترقی پسند تحریک (2) سرسید تحریک

(3) رومانی تحریک (4) جدید تحریک (2)

47۔ شبلی نعمان نے کس صنف سخن میں زیادہ تصانیف لکھی ہے ؟

(1) ناول نگاری (2) خاکہ نگاری

(3) سوانح نگاری (4) انشا نگاری (3)

48۔ سرسید احمد خاں نے غدر کے متعلق کون سی کتاب لکھی ہے ؟

(1) خطبات احمدیہ (2) اسباب بغاوت ہند

(3) آثار الصنادید (4) حیات سعدی (2)

49۔ نظیر اکبر آبادی کا پورا نام کیا تھا ؟

(1) علی محمد (2) تقی محمد

(3) ولی محمد (4) ذکی محمد (3)

50۔ نظیر اکبر آبادی نے اپنی نظم نیکی اور بدی میں کیا سبق دیا ہے ؟

(1) نیکی اور بدی کا صلہ دنیا میں ملتا ہے (2) نیکی اور بدی کا صلہ مرنے کے بعد ملتا ہے

(3) نیکی اور بدی کا صلہ کہیں نہیں ملتا (4) نیکی اور بدی کا صلہ سرکار سے ملتا ہے

(1)

51۔ نظیر اکبرآبادی کو کہا جاتا ہے ؟

(1) رومانی شاعر (2) پیغامی شاعر

(3)عوامی شاعر (4) انقلابی شاعر (3)

52۔ موت کا ایک دن معین ہے

نیند کیوں رات بھر نہیں آتی غالب کا یہ شعر کس فلسفہ کی طرف اشارہ کرتا ہے ؟

(1) زندگی کی پریشانی (2) زندگی کی بے ثباتی

(3) زندگی کی لافانیت (4) کوئی نہیں (2)

53۔ نظم شعاع امید میں، غواص، سے کیا مراد ہے ؟

(1) جنوب (2) شمال

(3) مشرق (4) دکن (3)

55۔ اقبال کی شاعری کی خوبی ہے ؟

(1) رومانیت (2) فلسفہ

(3) سیاسی (4) سماجی (2)

56۔ ساحرلدھیانوی کے شعری مجموعے کا نام ہے ؟

(1) تنہائیاں (2) تلخیاں

(3) خواب وخیال (4) جام وصبو (2)

57۔ انیسؔ کا پورا نام کیا تھا ؟

(1) میر ضمیر علی (2) میر ممنون علی

(3) میر احسان علی (4) میر ببر علی (4)

58۔ولی کے کلام کی سب سے اہم خاصیت کیا ہے ؟

﴿300﴾ خزینہ اردو اکمل نعیم صدیق

(1) کھڑی بولی (2) دکنی شاعروں سے مماثلت
(3) فارسی آمیز (4) عربی آمیز (2)

59۔ مفلسی کس شاعر کی نظم ہے ؟
(1) غالبؔ (2) اقبالؔ
(3) فیضؔ (4) نظیرؔ (4)

60۔ دردؔ اردو کے کس دبستان سے تعلق رکھتے ہیں ؟
(1) دبستانِ دہلی (2) دبستان لکھنو
(3) دبستان رامپور (4) دبستان عظیم آباد (1)

61۔ اردو ادب کا سب سے بڑا طنز و مزاح کا شاعر کون ہے ؟
(1) فیضؔ (2) حسرتؔ
(3) اکبرؔ (4) حالیؔ (3)

62۔ شاعر شباب اور شاعر انقلاب کسے کہا جاتا ہے ؟
(1) اقبالؔ (2) ساحرؔ
(3) جوشؔ (4) مجازؔ (3)

63۔ خود کلامی کا مطلب کیا ہے ؟
(1) محبوب سے کلام کرنا (2) خدا سے کلام کرنا
(3) خود سے کلام کرنا (4) دوست سے کلام کرنا (3)

64۔ حالی نے شاعری سے متعلق کون سی کتاب لکھی ؟
(1) موازنہ انیس و دبیر (2) شعر شعور انگیز
(3) شعر العجم (4) مقدمہ شعر و شاعری (4)

65۔ احسن جذبی نے دردمندوں کی راہ گزر کون سی بتائی ہے ؟
دل اگر دل ہے تو جس راہ پر لے جائے گا

درد مندوں کی وہی راہ گزر ہوگی

(1) دوسرے کی تنہائی میں شریک ہونا (2) خوشیوں میں شریک ہونا

(3) دوسروں کے دکھ درد سمجھنا　(4) دوسرے کی محنت کی قدر کرنا　(3)

66۔ ناصر کاظمی کی غزل میں کس جذبہ کی کارفرمائی ہے ؟

(1) تنہائی کا کرب　(2) ہجرت کا کرب

(3) معاشی کرب　(4) سیاسی کرب　(2)

67۔ میر انیسؔ ۔۔۔۔۔۔۔ کے سب سے بڑے شاعر ہیں ؟

(1) قصیدہ　(2) غزل

(3) مرثیہ　(4) رباعی　(3)

68۔ اسماعیل میرٹھی نے ۔۔۔۔۔۔ نصیحت آمیز نظمیں لکھی ہیں ؟

(1) بڑوں کے لئے　(2) عورتوں کے متعلق

(3) جانوروں کے متعلق　(4) بچوں کے متعلق　(4)

69۔ لکھنو دبستان کے تحت کس نئی صنف سخن کی ایجاد ہوئی ؟

(1) مرثیہ　(2) رہس

(3) ریختی　(4) مثنوی　(3)

70۔ دہلی دبستان کی خاصیت کون سی ہے ؟

(1) اخلاقیات　(2) مبالغہ

(3) تصنع　(4) خارجیت　(1)

71۔ اردو کا پہلا افسانہ نگار کون ہے ؟

(1) کرشن چندر　(2) پریم چند

(3) منٹو　(4) راجندر سنگھ بیدی　(2)

72۔ اردو کا پہلا ڈرامہ نگار کون ہے ؟

(1) امتیاز علی تاج　(2) آغا حشر کاشمیری

(3) امانت لکھنوی　(4) علی عباس حسینی　(3)

73۔ اردو کا شیکسپئر کسے کہا جاتا ہے ؟

(1) حبیب تنویر　(2) محمد حسین

(3) آغا حسن کاشمیری　(4) امتیاز علی تاج　(3)

74۔ انشائیہ میں انشائیہ نگار اپنے مشاہدات کا اظہار کس طرح سے کرتا ہے ؟

(1) سنجیدگی سے　(2) شگفتگی سے

(3) دلائل سے　(4) سرسری انداز سے　(2)

75۔ مضمون نویسی میں کتنے حصے ہوتے ہیں ؟

(1) چار　(2) پانچ

(3) تین　(4) دو　(3)

76۔ نجی خط میں کاتب اپنا پتہ و تاریخ کاغذ کے کس جانب لکھتا ہے ؟

(1) نیچے　(2) اوپر

(3) دائیں　(4) بائیں　(3)

77۔ کاروباری اور سرکاری خطوط میں تاریخ و پتہ کاغذ کے کس جانب لکھا جاتا ہے ؟

(1) بائیں　(2) دائیں

(3) نیچے　(4) باہر　(1)

78۔ اسلم، چاندنی چوک، قطب مینار۔ یہ مثالیں کس اسم کی مثالیں ہیں ؟

(1) اسمِ معرفہ　(2) اسمِ نکرہ

(3) اسمِ مصغر　(4) اسمِ ذات　(1)

79۔ قاتل کا اسمِ مفعول کیا ہوگا ؟

(1) مظلوم　(2) مقتول

(3) قتال (4) مقبول (2)

80۔ بات کرنے والا اپنے لئے جو ضمیر استعمال کرتا ہے، اس کو۔۔۔۔۔کہتے ہیں ؟

(1) ضمیر غائب (2) ضمیر حاضر

(3) ضمیر متکلم (4) ضمیر خاص (3)

81۔ لفظ صغریٰ کا متضاد ہے ؟

(1) کبریٰ (2) اعلیٰ

(3) ادنیٰ (4) اونچا (1)

82۔ خواجہ کا مونث کیا ہوگا ؟

(1) خواجگان (2) خاتون

(3) بیوی (4) باندی (2)

83۔ خانم کا مذکر کیا ہوگا ؟

(1) پری (2) خاتون

(3) باندی (4) خان (4)

84۔ اردو زبان کی پہلی نثری تصنیف کا کیا نام ہے ؟

(1) معراج العاشقین (2) سب رس

(3) کدم راؤ پدم راؤ (4) علی نامہ (1)

85۔ قطب مشتری کس کی تصنیف ہے ؟

(1) غالبؔ (2) قلی قطب شاہ

(3) ملا وجہی (4) نصرتی (3)

86۔ سحر البیان، کیا ہے ؟

(1) غزلوں کا مجموعہ (2) مرثیوں کا مجموعہ

(3) مثنوی (4) قصیدہ (3)

87۔ نظم کی ایک قسم، مسدس کے ایک بند میں کتنے مصرعے ہوتے ہیں ؟

(1) چھ (2) تین

(3) چار (4) پانچ (1)

88۔ اردو املا کو سہل اور سائنٹفک بنانے میں اہم رول رہا ہے ؟

(1) رشید حسن خاں (2) گوپی چند نارنگ

(3) عبدالستار صدیقی (4) تینوں کا (4)

89۔ خطوط نگاری ایک فن ہے۔ اس کے لئے کیا اصول اور کیا موضوعات ہوتے ہیں۔ اس میں سے ایک اصول جو اہم ہے بتائیے۔

(1) دلچسپی (2) تنوع

(3) شگفتگی (4) کوئی اصول نہیں (4)

90۔ املا درست ہونے میں کس کی پیروی کی جائے ؟

(1) عوام میں رائج املا (2) لغت میں رائج املا

(3) ادیبوں اور نقادوں کی پیروی (4) اساتذہ کے بتائے ہوئے املا (1)

91۔ آغا حشر کاشمیری کا تعلق کس صنف سے ہے۔

(1) افسانہ (2) ناول

(3) ڈرامہ (4) سفرنامہ (3)

92۔ مضمون، اپنی مدد آپ کا مصنف کون ہے ؟

(1) پریم چند (2) فرحت اللہ بیگ

(3) رشید احمد صدیقی (4) سرسید احمد خاں (4)

93۔ میر تقی میرؔ کس صدی کے شاعر ہیں ؟

(1) سترہویں (2) اٹھارویں

(3) انیسویں (4) بیسویں (2)

94۔ تم میرے پاس ہوتے ہو گویا
کوئی دوسرا نہیں ہوتا کس کا شعر ہے ؟
(1) غالبؔ (2) مومنؔ
(3) حالیؔ (4) میرؔ (2)

95۔ اس شعر کے کس لفظ میں ایہام کی صنعت ہے ؟
اس کے رخصار دیکھ جیتا ہوں
عارضی میری زندگانی ہے
(1) عارضی (2) رخسار
(3) جینا (4) زندگانی (1)

96۔ نمک کا داروغہ، کیا ہے ؟
(1) ڈرامہ (2) ناول
(3) افسانہ (4) خاکہ (3)

97۔ ان میں سے فرحت اللہ بیگ کی تصنیف کون سی ہے ؟
(1) شیخ پیرو (2) دوبیل
(3) ذاکر صاحب (4) یارباش (4)

98۔ فورٹ ولیم کالج کب قائم ہوا ؟
(1) 1799 (2) 1800
(3) 1801 (4) 1802 (2)

99۔ گریز کا تعلق کس صنف سے ہے ؟
(1) قصیدہ (2) مرثیہ
(3) غزل (4) رباعی (1)

100۔ درج ذیل شعر میں کون سی صنعت ہے ؟

رات دن گردش میں ہیں سات آسمان
ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

(1) ایہام (2) حسن تعلیل
(3) تضاد (4) تلمیح (3)

101۔ مقدمہ شعروشاعری، کس شاعر کے دیوان کا مقدمہ ہے ؟
(1) محمد حسین آزادؔ (2) حالیؔ
(3) فراقؔ (4) مومنؔ (2)

102۔ اغراق، کا تعلق کس سے ہے ؟
(1) حسن تعلق (2) استعارہ
(3) تضاد (4) مبالغہ (4)

103۔ کربل کتھا کا مصنف کون ہے ؟
(1) میر انیسؔ (2) فضلی
(3) افضل (4) راشد الخیری (2)

104۔ ان میں سے کس کا تعلق سرسید تحریک سے ہے ؟
(1) محسن الملک (2) غالبؔ
(3) داغؔ (4) چکبستؔ (1)

105۔ لفظ مرثیہ کس سے مشتق ہے ؟
(1) رسا (2) رثا
(3) رثائی (4) رسائی (2)

106۔ غزل اردو شاعری کی آبرو ہے، یہ قول کس کا ہے ؟
(1) محمد حسین آزادؔ (2) غالبؔ
(3) رشید احمد صدیقی (4) آل احمد سرور (3)

300 خزینہ اکمل نعیم صدیقی

107۔ ان میں سے کس کی بنیاد مشاہدات پر قائم ہے ؟

(1) مبالغہ (2) تضاد

(3) حسن تعلیل (4) استعارہ (4)

108۔ سرسید تحریک کو اور کس نام سے جانا جاتا ہے ؟

(1) اردو تحریک (2) علی گڑھ تحریک

(3) تعلیمی تحریک (4) کوئی نہیں (2)

109۔عود ہندی، کیا ہے ؟

(1) خطوط کا مجموعہ (2) غزلوں کا مجموعہ

(3) افسانوں کا مجموعہ (4) گیتوں کا مجموعہ (1)

110۔ ان میں سے کس فن کا تعلق عمل سے ہے ؟

(1) افسانہ (2)مثنوی

(3) ڈرامہ (4) ناول (3)

111۔ نوطرزِ مرصع کا سن تصنیف کیا ہے ؟

(1) 1770ء (2) 1772ء

(3) 1775ء (4) 1785ء (3)

112۔ ان میں سے غالب کا مکتوب الیہ کون ہے ؟

(1) اقبال (2) ہرگوپال تفتہ

(3) پریم چند (4) میرؔ (2)

113۔ خدائے سخن کے لقب سے کون مشہور ہے ؟

(1) ولیؔ (2) غالبؔ

(3) میرؔ (4) اقبالؔ (3)

114۔ دبستان لکھنو میں آتش کے ساتھ کس شاعر کا نام لیا جاتا ہے ؟

(1) ناسخؔ (2) میر انیسؔ

(3) میر سوزؔ (4) نظم طباطبائی (1)

115۔ میر انیسؔ ابتدا میں کون سا تخلص استعمال کرتے تھے ؟

(1) رساؔ (2) حزیںؔ

(3) سالکؔ (4) ضمیرؔ (2)

116۔ تہذیب الاخلاق کا اجرا کس سنہ میں ہوا ؟

(1) 1875ء (2) 1870ء

(3) 1868ء (4) 1872ء (2)

117۔ حیات جاوید کا تعلق کس صنف ادب سے ہے ؟

(1) خاکہ نگاری (2) انشائیہ نگاری

(3) رپورتاژ (4) سوانح نگاری (4)

118۔ درج ذیل شعر میں کون سی صنعت استعمال کی گئی ہے ؟

ایک دن شب فراق میں رویا میں اس قدر
چوتھے فلک پہ پہنچا تھا پانی کمر کمر

(1) تضاد (2) تجاہل عارفانہ

(3) تشبیہ (4) مبالغہ (4)

119۔ نئی دنیا کو سلام، کے خالق کون ہیں ؟

(1) جوش ملیح آبادی (2) علی سردار جعفری

(3) فیض (4) مخدوم (2)

120۔ میر درد کے والد کا تخلص کیا تھا ؟

(1) مائلؔ (2) بیخودؔ

(3) عندلیبؔ (4) ہدایت (3)

121۔ کیوں صاحب روٹھے ہی رہو گے یا منو گے بھی اور اگر کسی طرح نہیں مانتے تو روٹھنے کی وجہ لکھو۔ اس خط کا مکتوب الیہ کون ہے ؟

(1) میر مہدی (2) غالبؔ

(3) مرزا ہر گوپال تفتہ (4) علاء الدین خان (3)

122۔ اندر سبھا، کا سنہ تصنیف کیا ہے ؟

(1) 1835ء (2) 1862ء

(3) 1852ء (4) 1840ء (3)

123۔ ہندوستان میں سب سے پہلے ڈرامہ کا آغاز کس زبان میں ہوا ؟

(1) سنسکرت (2) ہندی

(3) فارسی (4) اردو (1)

124۔ المیہ اور طربیہ کس صنف کی خصوصیات ہیں ؟

(1) داستان (2) ناول

(3) ڈرامہ (4) افسانہ (3)

125۔ وہ صنف جس کا ہر شعر جداگانہ مطلب رکھتا ہے اسے کیا کہتے ہیں ؟

(1) نظم (2) غزل

(3) قصیدہ (4) مرثیہ (2)

126۔ ترقی پسندوں کا پہلا اجلاس کس سنہ میں ہوا ؟

(1) 1930ء (2) 1934ء

(3) 1935ء (4) 1936ء (4)

127۔ پنڈت الوپی دین کس افسانے کا کردار ہے ؟

(1) کفن (2) آنندی

(3) آخری آدمی (4) نمک کا داروغہ (4)

128۔ ادب برائے زندگی کس کا نظریہ ہے ؟

(1) وہابی تحریک (2) ترقی پسند تحریک

(3) علی گڑھ تحریک (4) جدیدیت (2)

129۔ ڈپٹی نظیر احمد کس کالج کے طالب علم تھے ؟

(1) دلی کالج (2) سینٹ جانسن کالج

(3) سینٹ اسٹیفنسن کالج (4) عالی گڑھ تحریک (1)

130۔ غالبؔ کس کالج میں فارسی پڑھانے پر معمور ہوئے ؟

(1) کروڑی مل کالج (2) دلی کالج

(3) جامعہ ملیہ اسلامیہ (4) سینٹ اسٹیفنسن کالج (2)

131۔ تدریس زبان کے لئے درست ترتیب ہے ؟

(1) سننا، بولنا، لکھنا، پڑھنا (2) بولنا، پڑھنا، لکھنا، سننا

(3) سننا، بولنا، پڑھنا، لکھنا (4) پڑھنا، لکھنا، بولنا، سننا (3)

132۔ پڑھنا سکھانے کے ترکیبی طریقے میں کیا اقدام کرتے ہیں ؟

(1) کل سے جز کی طرف (2) لفظ سے نئے لفظ کی طرف

(3) حروف سے لفظ سازی کی طرف (4) بڑی اکائی سے حروف کی شناخت کی طرف (3)

133۔ حروف تہجی کی تدریس کا صوتی طریقہ کیا ہوتا ہے ؟

(1) بہ آواز بلند پڑھنا (2) طلبہ کو حروف کی آواز سے واقف کرانا

(3) اعراب کے ساتھ پڑھنا (4) حروف کی انفرادی شکلوں کی پہچان (2)

134۔ دائروں اور خطوں کے ذریعہ حروف تہجی کی تدریس کا طریقہ کیا کہلاتا ہے ؟

(1) ترکیبی طریقہ (2) تحلیلی طریقہ

(3) ابجدی طریقہ (4) پستالوزی طریقہ (4)

135۔ جملہ واری طریقہ، پڑھنا سکھانے کا کون سا طریقہ ہے ؟

(1) قصہ واری طریقہ (2) تحلیلی طریقہ

(3) مشرقی طریقہ (4) جملہ ترجمہ کرانے کا طریقہ (2)

136۔ حروف علت کے لئے کس لفظ کا استعمال ہوتا ہے ؟

(1) مصوتہ (2) کلمہ

(3) مصمتہ (4) مہمل (1)

137۔ ہائے مختفی کا استعمال ہوتا ہے ؟

(1) لفظ کے شروع میں (2) لفظ کے درمیان میں

(3) لفظ کے آخر میں (4) کوئی نہیں (3)

138۔ تدریس قواعد کے کس طریقہ میں اصطلاحیں، تعریفیں اور رٹوائے جاتے ہیں ؟

(1) استقرائی طریقہ (2) استخراجی طریقہ

(3) مخلوط طریقہ (4) قصہ واری طریقہ (2)

139۔ طریقہ تفویض کے ذریعے طلبہ کی کس صلاحیت میں اضافہ ہوتا ہے ؟

(1) تحریری (2) تقریری

(3) تحریری اور تقریری دونوں (4) تلفظ (1)

140۔ اسباق کی تدریس میں، اطلاق، کا کیا مطلب ہے ؟

(1) سبق کی وضاحت کرنا (2) سبق کو پیش کرنا

(3) سبق کا اعادہ کرنا (4) نئی معلومات کا موزوں استعمال (4)

141۔ لیکچر کا طریقہ تدریس جب املا کے طریقے میں تبدیل ہو جائے تو اس طریقہ کار کی ـــــــ ہوگی۔

(1) وسعت (2) نشونما

(3) خرابی (4) خوبی (3)

142۔ تفویضات کا طریقہ کن جماعتوں میں استعمال نہیں ہوسکتا ؟

(1) ابتدائی جماعت میں (2) وسطانی جماعت میں

300 خزینہ اردو اکمل نعیم صدیقی

(3) ثانوی جماعت میں (4) اعلیٰ ثانوی جماعت میں (1)

143۔ مطالعہ زیر نگرانی طریقہ کار میں مدرس کا رول ہوتا ہے ؟

(1) بچوں کو تفویضات دے اور بچے انھیں اپنے طور پر مکمل کریں

(2) بچوں کی انفرادی دشواریاں دور کرے

(3) صرف اجتماعی دشواریوں پر ہدایت دیتے ہیں

(4) ان میں سے کوئی نہیں (3)

144۔ تدریس میں تمہید کی بنیاد کس پر رکھی جاتی ہے ؟

(1) سابقہ معلومات پر (2) تفہیم عبارت پر

(3) مدرس کی حرکات وسکنات پر (4) نئے علوم سے واقفیت پر (1)

145۔ دوران تدریس کئے جانے والے سوالات کے لئے ضروری ہے ؟

(1) قواعد کے اعتبار سے درست (2) مختصر یا معروضی ہوں

(3) جامع اور واضح ہوں (4) اوپر کے تینوں (4)

146۔ تدریس کے دوران سوالات کرنے کا اہم مقصد ہوتا ہے ؟

(1) ذہین اور کمزور طلبہ میں تفریق کی جائے

(2) طلبہ کو سبق کی معلومات فراہم کی جائے

(3) تدریس میں طلبہ کی ذہنی فعالی کو شامل کیا جائے

(4) طلبہ کو پریشانی میں ڈالا جائے (3)

147۔ نثر کی تدریس کا مقصد ہوتا ہے ؟

(1) لسانی مہارتوں کا حصول (2) طلبا کی معلومات میں اضافہ

(3) 1 اور 2 دونوں صحیح (4) 1 اور 2 دونوں غلط (3)

148۔ تدریس نظم کا بنیادی مقصد ہوتا ہے ؟

(1) نظم میں پیش خیالات اور احساسات سے محظوظ ہونا

(2) نظم کی بلند خوانی

(3) نظم کی لفظی اور ترکیبی مشکلات کے حل کے لئے نثر میں تبدیل کرنا۔

(4) نظم کے صرف اخلاقی پہلو کو تلاش کرنا (1)

149۔ مندرجہ ذیل میں کس کا تعلق بصری توضیحات سے ہے ؟

(1) ریڈیو (2) ٹیلی ویژن

(3) ٹیپ ریکارڈر (4) مائکروفون (2)

150۔ مکتوب الیہ کسے کہتے ہیں ؟

(1) خوبصورت خط (2) خط لکھنے والا

(3) خط پہنچانے والا (4) جس کو خط لکھا جائے (4)

خزینہ اردو ﴿300﴾ اکمل نعیم صدیقی

RPSC II Grade Exam (Urdu) 2017

(1) مندرجہ ذیل میں سے کس لفظ کا املا غلط ہے ؟

(1) حیات (2) نشات

(3) بالآخر (4) بلیقیں (2)

(2) مندرجہ ذیل میں سے کس لفظ کا املا درست ہے۔

(1) تجاحل عارفانہ (2) حسن تالیل

(3) مراعاۃ نزیر (4) لف ونشر مرتب (4)

(3) میرامن کو کس شخص کے ذریعہ فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں ملازمت ملی تھی ؟

(1) نہال چند لاہوری (2) مرزا علی لطف

(3) میر بہادر علی حسینی (4) مظہر علی خاں ولا (3)

(4) مندرجہ ذیل میں سے کسے 'لسان العصر' کہا گیا ہے ؟

(1) اکبرالہٰ آبادی کو (2) کنھیا لال کپور کو

(3) پطرس بخاری کو (4) میر انیسؔ کو (1)

(5) افسانہ 'چوتھی کا جوڑا' میں جس لڑکی کے پیغام کا تذکرہ کیا گیا ہے، اس کا کیا نام تھا ؟

(1) ناظرہ (2) کبریٰ

(3) عذرا (4) صغرا (2)

(6) سبق 'سویرے جو کل میری آنکھ کھلی' کے مطابق مصنف کے پڑوسی کا کیا نام تھا ؟

(1) لالا جٹا شنکر (2) لالہ دیا شنکر

(3) لالہ کرپا شنکر (4) لالہ مول شنکر (3)

(7) مندرجہ ذیل میں سے غالب کا مکتوب الیہ کون ہے ؟

(1) منشی ہرگوپال تفتہ (2) میر تقی میر

(3) مرزا محمد رفیع سوداؔ (4) خواجہ میر دردؔ (1)

خزینہ اردو ﴿300﴾ اکمل نعیم صدیقی

(8) زبان کی ابتدا، ارتقا اور اس کی تشکیل کے قانون کا علم کہلاتا ہے ؟

(1) علم لسانیات (2) علم بیان

(3) علم بدیع (4) صنائع لفظی و معنوی (1)

(9) نظم ''نیکی اور بدی'' کس ہیئت میں تخلیق کی گئی ہے ؟

(1) مربع (2) مخمس

(3) مسدس (4) مثلث (3)

(10) سراج الدین خان آرزو اور ظہور الدین حاتمؔ کا تعلق کس دبستان شاعری سے تھا ؟

(1) دبستان دہلی (2) دبستان رام پور

(3) دبستان لکھنو (4) دبستان عظیم آباد (1)

(11) معنی کے لحاظ سے فعل کی کتنی قسمیں ہوتی ہیں؟

(1) دو (2) آٹھ

(3) پانچ (4) تین (4)

(12) ڈرامہ ''یہودی کی لڑکی'' کا نسوانی کردار مندرجہ ذیل میں سے کون سا ہے ؟

(1) مارکس (2) عذرا

(3) حنا (4) کیشش (3)

(13) ''بے لطف مضمون آفرینی'' کس دبستان شاعری کی خصوصیات میں شامل ہے ؟

(1) دبستان لکھنو (2) دبستان عظیم آباد

(3) دبستان دہلی (4) دبستان رام پور (۱)

(14) کنھیا لال کپور کی تحریر ''غالب جدید شعرا کی ایک مجلس میں'' کس زمرے میں آتی ہے ؟

(1) سیرت نگاری (2) رپورتاژ نگاری

(3) مرقع نگاری (4) طنز و مزاح (4)

﴿300﴾ خزینہ اردو اکمل نعیم صدیقی

(15) اردو میں علامتی افسانے کا آغاز ہوا ؟

(1) 1857 کے بعد (2) 1875 کے بعد

(3) 1936 کے بعد (4) 1960 کے آس پاس (4)

(16) خط کے مترادف کے طور پر مندرجہ ذیل میں سے کون سا لفظ استعمال ہوتا ہے ؟

(1) مرقع (2) مراسلہ

(3) سرگذشت (4) خودنوشت (2)

(17) القاب وآداب کا اہتمام کس قسم کی تحریر میں کیا جاتا ہے ؟

(1) خطوط نگاری میں (2) تحقیقی مقالے میں

(3) مضمون میں (4) خاکہ نگاری میں (1)

(18) دہلی میں کس شخص نے ملاقات کے دوران ولیؔ کو یہ مشورہ دیا تھا کہ دکنی الفاظ کا استعمال کم کرو اور ان کی جگہ فارسی کے شیریں الفاظ کا استعمال کرو ؟

(1) خواجہ میر دردؔ نے (2) سعداللہ گلشن نے

(3) خان آرزوؔ (4) میر تقی میرؔ نے (2)

(19) سبق ''زبانوں کا گھر ہندوستان'' سید احتشام حسین کی کس کتاب میں شامل ہے ؟

(1) داستان زبان اردو (2) اردو کی کہانی

(3) اردو (4) اردو ادب کی تاریخ (2)

(20) ''ایران میں اجنبی'' کس کا مجموعہ کلام ہے ؟

(1) سجاد ظہیرؔ کا (2) اکبر الہ آبادی کا

(3) جوش ملیح آبادی (4) ن م راشدؔ کا (4)

(21) مولانا اسماعیل میرٹھی کا انتقال کب ہوا ؟

(1) 1971 (2) 1951

(3) 1917 (4) 1972 (3)

300 خزینہ اردو اکمل نعیم صدیقی

(22) لفظ ''تلخیص'' کا متضاد ہے ؟

(1) تعمیل (2) تحویل

(3) تعمیر (4) تفصیل (4)

(23) لفظ ''خوش دامن'' کا مذکر ہے ؟

(1) خانم (2) خسرُ

(3) پسر (4) ہم شیر (2)

(24) ساحر لدھیانوی کی نظم ''اے شریف انسانوں ! '' میں استعمال ہونے والے لفظ ''زیست'' کا کیا مطلب ہے ؟

(1) زندگی (2) جزبہ ایثار

(3) روح تعمیر (4) احتیاج (1)

(25) مولانا محمد حسین آزاد کس سرکاری اخبار کے سب ایڈیٹر تھے ؟

(1) نوائے پنجاب (2) اتالیق پنجاب

(3) بزم پنجاب (4) صدائے پنجاب (2)

(26) لفظ ''طبل'' کا مترادف ہے ؟

(1) سارنگی (2) گٹار

(3) ستار (4) دمامہ (4)

(27) ن م راشدؔ کا پورا نام کیا تھا ؟

(1) نذر محمد راشدؔ (2) نظر محمد راشدؔ

(3) نور محمد راشدؔ (4) نظیر محمد راشدؔ (1)

(28) ''ہم وحشی ہیں'' کس کے افسانوں کا مجموعہ ہے ؟

(1) قرۃ العین حیدر (2) کرشن چندر

(3) عصمت چغتائی (4) سجاد ظہیر (2)

300 خزینہ اردو اکمل نعیم صدیقی

(29) میر امن کا اردو نثر میں وہی مرتبہ کس نے بتایا ہے جو اردو شاعری میں میر تقی میرؔ کا ہے ؟

(1) رشید حسن خاں (2) شمس الرحمٰن فاروقی

(3) شبلی نعمانی (4) سر سید احمد خاں (4)

(30) دلی کالج کا پرنسپل کون تھا ؟

() ڈاکٹر جان گل () ڈاکٹر گریرسن

() پروفیسر آرنالڈ () ڈاکٹر اسپرنگ (4)

(31) دلی کالج سے متعلق کتاب بعنوان ''مرحوم دہلی کالج'' کے مصنف کون ہیں ؟

() مولوی عبدالحق () ماسٹر رام چندر

() امام بخش صہبائی () مفتی صدر الدین (1)

(32) پروفیسر مسعود حسین خان نے اردو کی جائے پیدائش قرار دیا ہے ؟

() مدھیہ پردیش کو () دہلی اور اس کے گرد نواح کو

() خطہ سندھ اور گرد نواح () خطہ جنوبی ہند کو (2)

(33) ''حدائق البلاغت'' کا اردو ترجمہ کس نے کیا ؟

() ڈپٹی نظیر احمد نے () غلام غوث بیخبرؔ نے

() امام بخش صہبائی نے () فقیر محمد خاں گویاؔ نے (3)

(34) معریٰ نظم کسے کہتے ہیں ؟

() جن میں قافیہ اور ردیف کی پابندی نہ ہو () جن میں ردیف وقوافی کی پابندی لازمی ہو

() جن میں دو قافیہ ہر شعر میں ہوں () جن میں وزن ضروری نہ ہو (1)

(35) وہ کون سی نظم ہوتی ہے جس میں ارکان بحر کم یا زیادہ ہوتے ہیں ؟

() پابند نظم () نظم معریٰ

() صنف نظم () آزاد نظم (4)

(36) مولانا اسمٰعیل میرٹھی نے فارسی زبان کی تعلیم کس عالم سے حاصل کی ؟

﴿300﴾ خزینہ اردو اکمل نعیم صدیقی

() مرزا اعظیم بیگ سے () مرزا سلیم بیگ سے

() نعیم بیگ سے () رحیم بیگ سے (4)

(37) سجاد ظہیر نے اپنے قیام لندن کے دوران کس ادبی شخصیت کی کوشش سے انجمن ترقی پسند مصنفین کی تشکیل کی تھی ؟

() علامہ راشد الخیری () کرشن چندر

() ملک راج آنند () فیض احمد فیضؔ (3)

(38) خواجہ میر دردؔ کا سلسلہ نسب کس سے ملتا ہے ؟

() خواجہ بہاؤ الدین نقش بندی سے () خواجہ معین الدین چشتی سے

() خواجہ بندہ نواز گیسو دراز سے () صوفی حمید الدین ناگوری سے (1)

(39) نظم ''شعاع امید'' اقبال کے کس مجموعہ کلام میں شامل ہے ؟

() بانگ درا () ارمغان حجاز

() بال جبریل () ضرب کلیم (4)

(40) ''صاحب فراش ہونا'' محاورے کا کیا مطلب ہے ؟

() ایسا بیمار ہونا کہ چار پائی سے نہ اٹھ سکے () کسی کو دیکھ کر خوشی ظاہر کرنا

() مصیبت سے بالکل بچ نکلنا () بھوکا رہنا مگر ایمانداری قائم رکھنا (1)

(41) عرض کرنے یا عرضی پیش کرنے والے کو کیا کہتے ہیں ؟

() مبصر () ملتمس

() حکم دہندہ () مفسر (2)

(42) دلی کالج کے پرنسپل کی نگرانی میں قائم کی ادبی انجمن کے روح رواں کون دو حضرات تھے ؟

() ماسٹر رام چندر اور عبدالحق () امام بخش صہبائی اور ماسٹر رام چندر

() فقیر محمد خاں گویا اور اسپرنگ () نذیر احمد اور امام بخش صہبائی (2)

(43) کرشن چندر کے بزرگوں کا تعلق کس خطہ سے تھا ؟

() خطہ پنجاب () خطہ گجرات

() خطہ صوبہ سرحد () خطہ کشمیر سے (4)

(44) اکبرالہ آبادی شعر گوئی میں کس سے تلمذ رکھتے تھے ؟

() امیؔر مینائی سے () وحیؔد شاگرد آتش سے

() سید ضامن علی جلال سے () محسن کاکوروی سے (2)

(45) دبستان لکھنؤ سے متعلق کس شاعر نے شاعری کو مرصع ساز کا کام بتایا ؟

() حیدر علی آتشؔ () امام بخش ناسخ

() دیا شنکر نسیمؔ () آزاد لکھنوی (1)

(46) شبلی نعمانی نے عربی ادب، معقولات اور فلسفے کی تعلیم کس مشہور عالم سے حاصل کی تھی ؟

() مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی سے () مولانا معین الدین ندوی سے

() احمد رضا خاں بریلوی سے () مولانا محمد فاروق چریا کوٹی سے (4)

(47) خاکہ نگاری کے لئے کون سی اصطلاح استعمال ہوتی ہے ؟

() افسانہ نگاری () سفرنامہ

() مرقع نگاری () یادنگاری (3)

(48) خواجہ حسن نظامی کی تصنیف ''مچھر'' کس صنف کے زمرے میں آتی ہے ؟

() انشائیہ () خاکہ

() خودنوشت () رپورتاژ (1)

(49) مندرجہ ذیل میں خاکہ نگاری کی مثال ہے ؟

() لاہور کا جغرافیہ () نذیر احمد کی کہانی: کچھ ان کی کچھ میری زبانی

() سویرے جو کل میری آنکھ کھلی () سنیما کا عشق (2)

(50) مشہور زمانہ نظم ''ایک دیہاتی لڑکی کا گیت'' کس کی تخلیق ہے ؟

() افسر میرٹھی () آغا حشر کاشمیری

() اختر شیرانی　　() اسماعیل میرٹھی　　(3)

(51) ''خدا کے نام خط'' کس زبان کی لوک کہانی کا اردو ترجمہ ہے ؟

() اسپینی　　() جرمنی

() روسی　　() انگریزی　　(1)

(52) جس مضمون میں کوئی بات دلائل کے ساتھ پیش کی جائے، اس مضمون کو کہتے ہیں ؟

() مباحثی　　() فکری

() حکایتی　　() استدلالی　　(4)

(53) ڈرامہ نگار حبیب تنویر کے نام میں تنویر کیا ہے ؟

() القاب　　() والد کا نام

() تخلص　　() خطاب　　(3)

(54) عصمت چغتائی کی خودنوشت سوانح کا کیا نام ہے ؟

() کارجہاں دراز ہے　() میرا افسانہ

() کاغذی ہے پیرہن　() میری دنیا　　(3)

(55) نظم ''البیلی صبح'' میں طیور شاخوں پر کیا گا رہے ہیں ؟

() غزل　　() نظم

() حمد　　() قوالی　　(1)

(56) افسانہ ''چوتھی کا جوڑا'' میں راحت کون تھا ؟

() بڑے ماموں کا منجھلا لڑکا　() بڑے ماموں کا بڑا لڑکا

() منجھلے موموں کا بڑا لڑکا　() منجھلے ماموں کا منجھلا لڑکا　　(3)

(57) لفظ ''خوشامد'' میں کون سا واو استعمال ہوا ہے ؟

() واو معروف　　() واو مجہول

() واو عطف　　() واو معدولہ　　(4)

300 خزینہ اردو اکمل نعیم صدیقی

(58) واو معدولہ کس لفظ میں نہیں ہے ؟

() خوش () درخواست

() خوب () خواہش (3)

(59) ''کریم ایک ذہین لڑکا تھا۔'' اس جملہ میں ''تھا'' ہے ؟

() فعل مجہول () فعل ناقص

() فعل لازم () فعل متعدی (2)

(60) کس محقق کے مطابق اردو کی ابتدا دکن سے ہوئی ؟

() محمود شیرانی () احتشام حسین

() محمد حسین آزاد () نصیر الدین ہاشمی (4)

(61) مندرجہ ذیل میں سے کون دلی کالج کے اساتذہ میں شامل نہیں ہے ؟

() نہال چند لاہوری () امام بخش صہبائی

() ماسٹر رام چندر () ماسٹر پیارے لال (1)

(62) کون سا شاعر دبستان دہلی میں شامل نہیں ہے ؟

() سوداؔ () آبروؔ

() ناسخؔ () حاتمؔ (3)

(63) میر امن کی کتاب ''گنج خوبی'' کس فارسی کتاب کا اردو ترجمہ ہے ؟

() قصہ چہار درویش () قصہ حسن و دل

() اخلاق محسنی کا () قصہ مہر و ماہ کا (3)

(64) علامہ شبلی نعمانی نے اعظم گڑھ میں کس ادارہ کی بنیاد ڈالی ؟

() دارالترجمہ کی () دارالمصنفین کی

() ندوۃ العلماء کی () مدارس درس وتدریس کی (2)

(65) مندرجہ ذیل میں سے کرشن چندر کا افسانوی مجموعہ کون سا نہیں ہے ؟

300 خزینہ اردو اکمل نعیم صدیقی

() نظارے () شکست

() زندگی کے موڑ پر () ٹوٹے ہوئے تارے (2)

(66) تہنیتی خط لکھا جاتا ہے ؟

() خوشی کے موقع پر () غم کے موقع پر

() تعیناتی کے لئے () شکایت کے لئے (1)

(67) مندرجہ ذیل میں سے کون سا املا درست ہے ؟

() تاق () طیش

() تعویز () تلاق (ہٹایا گیا)

(68) 'بے بہا' کے کیا معنی ہیں؟

() کم قیمتی () بہت قیمتی

() بیکار () مفت (2)

(69) نظم 'نیکی اور بدی' میں کس ہتھیار کا ذکر نہیں ہوا ہے ؟

() شمشیر () بندوق

() سناں () گرز (4)

(70) اختؔر شیرانی کا اصل نام کیا ہے ؟

() محمد شبیر () محمد داؤد خاں

() اختر حسین () محمود خاں (2)

(71) مصور فطرت کے لقب سے کسے یاد کیا جاتا ہے ؟

() راشد الخیری () اختر شیرانی

() خواجہ حسن نظامی () جوشؔ ملیح آبادی (3)

(72) کسی بھی زبان کے بولنے اور لکھنے کے جو اصول ہوتے ہیں، اسے کہتے ہیں ؟

() اسم خاص () قواعد

() ضمیر () اسم کیفیت (2)

(73) لفظ ''سامع'' کا معنی ہے ؟

() سامنا کرنا () گھر کا سب سے بڑا دروازہ

() سننے والا () ان میں سے کوئی نہیں (3)

(74) وہ نہیں آیا - میں آج نہیں جاؤں گا۔ ان جملوں میں ضمیریں ہیں ؟

() وہ اور آج () وہ اور میں

() آیا اور میں () نہیں اور نہیں (2)

(75) تذبذب کے معنی کیا ہیں ؟

() شک وشبہ () گناہ گار

() مجرم () علاج کرنا (1)

(76) لفظ قلت کا متضاد کون سا ہے ؟

() کمی () رزیل

() کثرت () تلخیص (3)

(77) مندرجہ ذیل میں سے کون سا املا درست نہیں ہے ؟

() عبادت () عبارت

() عیشار () اوزار (3)

(78) لفظ 'شعور' کے کیا معنی ہیں؟

() پرسکون () عقل

() حقیر () پرشوق (2)

(79) مرسوم کی جمع کیا ہے ؟

() مرسوم () مرسوموں

() مراسمیں () مراسیم (4)

(80) دولت مند دکان دار نے گھوڑا کس سے خریدا ؟

() جاپانی سے　　() عربی سے

() چینی سے　　() ہندوستانی سے　　(2)

(81) قیمتی لباس جو کسی بادشاہ کی جانب سے کسی کو اعزاز کے طور پر دیا جائے اسے کہتے ہیں ؟

() خلعت　　() عبا

() عمامہ　　() قبا　　(1)

(82) سبق 'آدمی کی کہانی' مضمون کا مصنف کون ہے ؟

() نظیر اکبر آبادی　　() محمد مجیب

() اکبر الہ آبادی　　() سید احتشام حسین　　(2)

(83) نظیر اکبر آبادی کی نظم ''نیکی اور بدی'' میں نہرنی کسے کہا گیا ہے ؟

() ظالم کا ظلم　　() ناخن کاٹنے کا آلہ

() ندی نالا　　() عدل پرستی　　(2)

(84) ڈرامہ 'انارکلی' کس کی تصنیف ہے ؟

() امانت　　() کرشن چندر

() امتیاز علی تاج　　() آغا حشر کاشمیری　　(3)

(85) دراوڑ کون سی زبان بولتے تھے ؟

() تامل اور مراٹھی　　() اردو اور ہندوستانی

() تامل اور تیلگو　　() ان میں سے کوئی نہیں　　(3)

(86) اقبال کی پیدائش کب اور کہاں ہوئی ؟

() سیال کوٹ 1938　　() کشمیر 1938

() سیالکوٹ 1877　　() کشمیر 1877　　(3)

(87) ڈرامہ کارتوس میں کس زمانے کا ذکر ہے ؟

() 1799 () 1899

() 1699 () 1999 (1)

(88) دورنگی سوں تیری اے سرو رعنا
کبھو راضی کبھی بیزار ہیں ہم یہ شعر کس کا ہے؟

() دردؔ () ولیؔ

() آتشؔ () غالبؔ (2)

(89) دودھ پلانے والی دائی۔ یہ دوسامان جو چھٹی کے دن بچے اور اس کی ماں کے لئے زچہ کے گھر سے آتا ہے اسے کیا کہتے ہیں؟

() چھوچھک () پنڈی

() دھنک گوکھرو () عتاب نامہ (1)

(90) میر ببر علی انیسؔ کا انتقال کب ہوا تھا ؟

() 1774 () 1802

() 1874 () 1885 (3)

(91) سر سید نے اپنی بات کہنے کے لئے کون سی نثر کی بنیاد ڈالی ؟

() دقیق نثر () مقفع نثر

() مسجع نثر () استدلائی نثر (4)

(92) سر سید کے انگلستان جانے کا مقصد کیا تھا ؟

() سیر و تفریح () تاریخی عمارتوں کا جائزہ لینا

() عزیزوں سے ملنا () انگلستان کے تعلیمی اداروں کا مطالعہ کرنا (4)

(93) پریم چند کے افسانوں کی خاصیت کیا ہے ؟

() اصلاح پسندی () رومانیت

() مافوق الفطرت عناصر () طنز و مزاح (1)

300 خزینہ اردو اکمل نعیم صدیقی

(94) راشد الخیری نے کون سے رسالے سے مضامین لکھنے کا آغاز کیا ؟

() مخزن	() عصمت

() تمدن	() سہیلی	(1)

(95) کس مشہور فلاسفر نے ڈرامہ کو 'عمل کی نقل' کہا ہے ؟

() افلاطون	() ارسطو

() سقراط	() بھرت منی	(2)

(96) امانت لکھنوی کے ڈرامہ اندر سبھا میں ہیرو کا کیا نام ہے ؟

() گلفام	() احتشام

() آفتاب	() ماہتاب	(1)

(97) احسن لکھنوی نے شیکسپیئر کا کون سا ڈرامہ اردو میں ترجمہ کیا تھا ؟

() صید ہوس	() یہودی کی لڑکی

() نگاہ غفلت	() خون ناحق	(4)

(98) میر شیر علی افسوس نے شیخ سعدی کی کس کتاب کا اردو ترجمہ "باغ اردو" کے نام سے کیا ؟

() بوستان	() گلستان

() ہفت پیکر	() گلزار دانش	(2)

(99) شعرائے اردو کا تذکرہ "گلشن ہند" کے نام سے کس نے تصنیف کیا ؟

() میر امن	() حیدر بخش حیدری

() میر شیر علی افسوس	() کاظم علی جوان	(2)

(100) شوخی و ظرافت سب سے زیادہ کس کے خطوط میں پائی جاتی ہے ؟

() حالی	() غالب

() سرسید	() اقبال	(2)

(101) 'سوز وطن' کس کا افسانوی مجموعہ ہے ؟

300 خزینہ اردو اکمل نعیم صدیقی

() کرشن چندر () پریم چند

() راجندر بیدی () عصمت چغتائی (2)

(102) حیات سعدی کس کی سوانحی تصنیف ہے ؟

() شبلی () حالی

() سلیم الدین () وحیدالدین سلیم (2)

(103) مندرجہ ذیل میں سے شبلی کی تصنیف کون سی ہے ؟

() سیرۃ النعمان () حیات سعدی

() یادگاری غالب () حیات جاوید (1)

(104) کس شاعر نے آپ بیتی کو جگ بیتی بنا دیا ہے ؟

() غالب () مومن

() شیفتہ () میر (4)

(105) 'برکھارت' اور 'مناجات بیوہ' کے نظم نگار کون ہیں ؟

() حالی () شیفتہ

() محمد حسین آزاد () اقبال (1)

(106) الفاظ کا وہ مجموعہ جسے ہر شعر کے آخر میں دہرایا جاتا ہے ؟

() قافیہ () ردیف

() مطلع () مقطع (2)

(107) قصیدے کے اجزا میں سب سے پہلا جز کون سا ہے ؟

() مدح () گریز

() تشبیب () دعا (3)

(108) مرثیہ عموماً کس ہیت میں لکھے جاتے ہیں ۰

() مخمس () مسدس

() مثمن () مسمط (2)

خزینہ اردو ﴿300﴾ اکمل نعیم صدیقی

(109) ہم جانتے ہیں، اور ہم کیا دنیا جانتی ہے کیسا ہی ظالم اور کتنا ہی کیوں نہ ہو، مرد ہو عورت ہو، سنگ دل ہو، رحم دل ہو، ظلم کی سزا، نیکی کا بدلہ دنیا میں نہیں ملتا۔

مندرجہ بالا عبارت کس کتاب سے ماخوذ ہے ؟

() اپنی مدد آپ () نمک کا داروغہ

() مظلوم کی فریاد () لکھنو کی رئیسانہ زندگی کی جھلک (3)

(110) احسن اللہ خان کس سبق کا کردار ہے ؟

() یار باش () شیخ پیرو

() مظلوم کی فریاد () اپنی مدد آپ (1)

(111) راشد الخیری کا انتقال کب ہوا ؟

() 1935 () 1936

() 1937 () 1938 (2)

(112) 'کربل کتھا' کس کتاب کا ترجمہ ہے ؟

() نوطرز مرصع () روضۃ الشہد ہ

() گنج خوبی () آرائش محفل (2)

(113) ''علم سے عمل نہیں آجاتا۔علم کو عمل میں لانا علم سے باہر اور علم سے برتر ہے'' جملہ کس سبق سے ماخوذ ہے ؟

() نمک کا داروغہ () شیخ پیرو

() اپنی مدد آپ () یار باش (3)

(114) مرزا کاظم علی جوان کی 'بارہ ماسہ' میں کس کا بیان ہے ؟

() ہندوستان کے تیہو ہاروں اور فصلوں کا () عشق و محبت کے جذبات

() حکومت کا عروج زوال () ہندوستان کی ادب کی تاریخ (1)

300 خزینہ اردو اکمل نعیم صدیقی

(115) میر حیدر بخش حیدری کی 'آرائش محفل' کس کا ترجمہ ہے ؟

() روضۃ الشہدہ کا () طوطا کہانی کا

() گلزار دانش کا () حاتم طائی کا (4)

(116) ناصر علی خاں کی کتاب 'ہفت گلشن' کا ترجمہ کس نے کیا ؟

() نہال چند لاہوری نے () مرزا کاظم علی جوان

() مظہر علی خاں ولاؔ () مرزا علی لطفؔ (ہٹایا گیا)

(117) مندرجہ ذیل میں سے کون سا ڈرامہ آغا حشر کاشمیری کا نہیں ہے ؟

() لیل نہار () بار آستیں

() سفید خون () اسیر حرص (1)

(118) سو کوس سے بزبان قلم باتیں کیا کرو اور ہجر میں وصال کے مزے لیا کرو۔ کس کا قول ہے ؟

() محمد حسین آزادؔ () غلام غوث بیخبرؔ

() مولانا ابوالکلام آزادؔ () غالبؔ (4)

(119) حیات جاوید کس شخصیت کی سوانح ہے ؟

() حالیؔ کی () غالبؔ کی

() سرسید احمد کی () شبلیؔ کی (3)

(120) اردو میں سوانح نگاری کا موجد کسے کہا جاتا ہے؟

() سرسید کو () حالیؔ کو

() شبلیؔ کو () محمد حسین آزادؔ کو (2)

(121) کس شاعر کو تنک مزاج کہا جاتا ہے ؟

() دردؔ () سوداؔ

() میرؔ () غالبؔ (3)

(122) مومن نے عربی تعلیم کس سے حاصل کی ؟

300 خزینہ اردو اکمل نعیم صدیقی

() شاہ رفیع الدین () شاہ عبدالقادر

() شاہ ولی اللہ () امام بخش صہبائی (2)

(123) مومنؔ کی پردہ نشیں محبوبہ کا تخلص کیا تھا ؟

() تاجؔ () حجابؔ

() حبابؔ () شبابؔ (2)

(124) حالیؔ نے کس نظم میں مسلمانوں کی ترقی اور تنزلی کے اسباب دکھائے ہیں ؟

() مدوجزر اسلام () حب وطن

() نشاط امید () برکھا رت (1)

(125) اس صنف سخن کو کیا کہتے ہیں جس کے ہر شعر کا مضمون الگ ہوتا ہے ؟

() نظم () قصیدہ

() مرثیہ () غزل (4)

(126) جس صنف میں کسی کی مدح یا ہجو بیان کی جائے کیا کہلاتی ہے؟

() غزل () قصیدہ

() مرثیہ () مثنوی (2)

(127) 'بخدا فارس میدان تہور تھا' کس شاعر کا لکھا ہوا مرثیہ ہے ؟

() میر انیسؔ () مرزا دبیرؔ

() میر ضمیرؔ () منیرؔ (1)

(128) شہادت کس صنف کا حصہ ہے ؟

() غزل () قصیدہ

() مرثیہ () مثنوی (3)

(129) چھوٹے سے چاند میں ہے ظلمت بھی روشنی بھی

نکلا کبھی گہن سے آیا کبھی گہن میں

مندرجہ بالا شعر میں کس صنعت کا استعمال ہوا ہے ؟

() تشبیہ () استعارہ

() تلمیح () ایہام (2)

(130) دردمنت کش دوا نہ ہوا میں نہ اچھا ہوا برا نہ ہوا

مندرجہ بالا شعر میں کس صنعت کا استعمال ہوا ہے ؟

() مبالغہ () تضاد

() ایہام () حسن تعلیل (2)

(131) ہم نے پہلے کی نثری عبارت کو درجہ کے سامنے پڑھا پھر اس کا کوئی ایک جملہ بورڈ پر لکھا - اب اس جملہ کے کسی ایک لفظ کے اجزا کے سلسلہ میں درجہ سے بات کرتے ہیں تو یہ طریقہ کہلائے گا ؟

() انگریزی طریقہ () تحلیلی طریقہ

() ترکیبی طریقہ () تشریحی طریقہ (2)

(132) لیکچر کا طریقہ تدریس میں کم سے کم استعمال ہونا چاہئے۔

() چھوٹے بچوں کی تعلیم میں () اعلیٰ ثانوی درجات میں

() ثانوی درجات کے طلبا میں () خصوصی توجہ والے طلبہ کے لئے (1)

(133) پڑھنا سکھانے کے لئے صوتی طریقہ کار ہیں؟

() حروف صحیح پہلے سکھائے جاتے ہیں () لفظ پہلے سکھائے جاتے ہیں

() مہمل لفظ پہلے سکھائے جاتے ہیں () حروف علت پہلے سکھائے جاتے ہیں (4)

(134) پڑھنا سکھانے کے لئے جملہ واری طریقہ استعمال کرنے کے لئے دلیل دی جاتی ہے کہ:

() اس میں اردو قاعدے کی خاص ضرورت ہوتی ہے () اس میں گیسٹالٹ نظریہ کارفرما ہوتا ہے

() اس میں تحلیل کا عمل تیزی سے کارفرما ہوتا ہے () اس میں خواندگی کی مہارتوں پر بھرپور توجہ دی جاتی ہے*

(135) لکھنا سکھانے کے ابجدی طریقے ہیں ؟

() تحلیل سے ترکیب کی طرف اقدام ہوتا ہے () معلوم سے نامعلوم کی طرف اقدام ہوتا ہے

() نامعلوم سے معلوم کی طرف اقدام ہوتا ہے () مرکب سے مفرد کی طرف اقدام ہوتا ہے (3)

(136) وہ طریقہ تدریس جس میں طلبی کی حیثیت محض انفعالی ہوتی ہے؟

() خطاب کا طریقہ () لیکچر کا طریقہ

() تحقیق کا طریقہ () کا طریقہ (2)

(137) تدریس کا وہ طریقہ جس میں بچے کی حیثیت ایک موجد دریافت کنندہ کی ہوتی ہے ؟

() پروجیکٹ کا طریقہ () مطالعہ زیر نگرانی

() تحقیقی طریقہ () طریقہ تفویض (3)

(138) تدریس قواعد میں استقرائی طریقہ کے ذریعہ :

() زیادہ تر حافظہ سے کام لینا پڑتا ہے() معلومات زیادہ اور تربیت کم ہوتی ہے

() خود کر کے سیکھنے کا موقع ملتا ہے () دوسروں کے بتانے پر زیادہ بھروسہ کرنا پڑتا ہے (3)

(139) اعادہ میں کئے جانے والے سوالات کا مقصد یہ جاننا ہوتا ہے کہ ؟

() طلبہ کی قدم بہ قدم رہبری کی جائے () طلبہ گزشتہ سبق کے بارے میں کیا جانتا ہے

() طلبہ نے کس قدر مواد مضمون کو سمولیا ہے() طلبا کے افعال تفکر کو بروئے کار لانا (3)

(140) استخراجی طریقہ کے لئے کون سا جملہ درست نہیں ہے ؟

() اس طریقے میں پہلے اصطلاحیں، اصول اور تعریفیں رٹوائیں جاتی ہیں۔

() یہ طریقہ پرائمری درجات کے بچوں کے لئے مضر ہے۔

() اس طریقہ میں مقرون سے مجرد کی جانب اقدام کرتے ہیں۔

() اس طریقے میں نامعلوم سے معلوم کی طرف اقدام کرتے ہیں۔ (ہٹایا گیا)

(141) دوران تدریس سوالات کرنے کا مناسب طریقہ یہ ہے کہ :

() پہلے ایک طالب علم کو کھڑا کیا جئے پھر اس سے سوال پوچھا جائے

() استاد سوال کو بار بار دہرائے

() سوال کو بہت تیز رفتار سے جماعت کو سنایا جائے۔ (4)

() پہلے پوری جماعت کوسوال سنایا جائے پھر جس سے جواب لینا ہواس کی طرف اشارہ کیا جائے۔

300 خزینہ اردو اکمل نعیم صدیقی

(142) تختہ سیاہ پر لکھنے کے لئے مدرس کو کس جانب کھڑا ہو کر لکھنا چاہئے ؟

() بائیں جانب　() دائیں جانب

() تختہ سیاہ کے آگے　() کہیں بھی　(1)

(143) حروف تہجی کا طریقہ کے بارے میں کون سا بیان غلط ہے ؟

() یہ تدریس کا قدیم طریقہ ہے　() یونان، مصر اور روم میں یہ طریقہ رائج رہا ہے

() انیسویں صدی تک اس کا بولبالا رہا ہے () یہ طریقہ اردو زبان کے لئے مفید ہے (4)

(144) مندرجہ ذیل میں سے کون سا جملہ درست نہیں ہے ؟

() تمہیدی سوالات بچوں کی سابقہ معلومات پر منحصر ہونے چاہئے

() چارٹ، فلیش کارڈ، تختہ سیاہ بصری معاون اشیا ہیں۔

() ابجدی طریقے میں پہلے بچوں کو حروف ہی لکھنا سکھایا جاتا ہے

() استاد کو تختہ سیاہ کے دائیں جانب کھڑے ہو کر لکھنا چاہئے۔　(4)

(145) کون سے تدریسی طریقے کو حسیاتی طریقہ بھی کہتے ہیں ؟

() مانٹیسری طریقہ　() پستالوجی طریقہ

() طریقہ تفویض　() طریقہ تحقیق　(1)

(146) تدریسی مشاغل میں وہ کون سا نکتہ ہے جو نثر میں تو شامل ہوتا ہے مگر نظم میں نہیں ؟

() اعادہ　() خاموش مطالعہ

() تقلیدی بلند خوانی　() نمونے کی بلند خوانی　(2)

(147) حروف لکھنے میں خط مستقیم اور خط مخنی کھینچنے کی مشق کس طریقے میں کی جاتی ہے ؟

() ابجدی　() پیستالوجی

() مانٹیسری　() پڑھو اور لکھو طریقہ　(2)

(148) قواعد کی تدریس کے لئے کون سا طریقہ موثر ہے ؟

خزینہ اردو 300 اکمل نعیم صدیقی

() استخراجی () استقرائی

() بیانیہ () تحقیقی (2)

(149) ذیل میں سے کس کا تعلق بصری اور سمعی توضیحات سے ہے ؟

() فلم اور ٹیلی ویژن () ریڈیو اور گراموفون

() درسی کتب اور تختہ سیاہ () ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈر (1)

(150) ابتدائی منزل پہ تدریس زبان کے مقاصد میں سے بولنا اور لکھنا سکھانے کی اہمیت نوعیت کے اعتبار سے کیسی ہے ؟

() نظری () عملی

() نظری اور عملی دونوں () ان میں سے کوئی نہیں (2)